ٹیلیفون نمبر ۵۳۵۲۵
رجسٹرڈ نمبر ایل ۵۳۱۲

زندگی آمیز اور زندگی آموز ادب کا نمائندہ

نقوش

غالب نمبر (حصّہ دوم)

مع

(نودریافت "بیاضِ غالب" بخطِّ غالب)

۱۱۳
اکتوبر ۱۹۶۹ء

مُدیر
محمد طفیل

اِدارۂ فروغِ اُردو ○ لاہور
قیمت موجودہ شمارہ، ساٹھ روپے =/60

ترتیب

بیاضِ غالب

نو دریافت، بیاض، بخطِ غالب

صفحہ ۴۹ تا ۳۱۲

محمد طفیل پرنٹر، پبلشر و ایڈیٹر نے نقوش پریس لاہور سے چھپوا کر ادارہ فروغِ اردو لاہور
سے شایع کیا

طلوع

غالب شناسوں سے، غالب کی روح نے چلّا چلّا کے کہا۔ کم از کم آپ تو میرے اشعار غلط نہ پڑھیں۔ مگر علمیّت کے زعم میں کسی نے بات نہ سُنی۔ یوں فریاد فضاؤں میں ڈولتی رہی۔

غالب نے اپنی زندگی میں ایک شعر پر اتنا واویلا کیا تھا کہ اپنے تئیں کہا ــــــ "اگر یہ مطلع میرا ہو تو مجھ پر ہزار لعنت!"

اس کے بعد یہاں تک ظلم ہوا کہ یاروں نے غالب کے نام پر خود غزلیں کہہ ڈالیں ــ (جیسے عبدالباری آسی) غالب کی روح کیا کیا نہ تلملائی ہوگی۔

غالب نے اپنے شارحین سے بھی التجا کی کہ میرے جو اشعار کچھ کا کچھ لکھ کر مہمل بنا دیے گئے ہیں۔ انھیں بامعنی بنانے کے لیے اپنی اپنی لیاقت نہ چھانٹیں، مگر شنوائی نہ ہوئی۔

جب غالب کا تڑپنا قدرت سے دیکھا نہ گیا تو اس نے یہ انتظام کر دیا کہ غالب کی جو بیاض اِدھر اُدھر ہو گئی تھی اُسے سب پر ظاہر کر دیا۔ شعر آئینہ ہو گئے۔

اب اس آئینے میں اہلِ علم کے چہرے فق ہیں، اور غالب ہے کہ اُس کی ہنسی ہی نہیں رُک رہی۔

خطرہ شادیِ مرگ کا ہے۔ "غالب کے لیے بھی!" اور اُن کے لیے بھی جو غالب شناس ہیں۔

(محمد طفیل)

اِس شمارے میں

غالب نمبر کا پہلا حصہ، میں نے غالب کی صد سالہ برسی کے موقع پر (فروری ۱۹۶۹ء میں)
یش کیا تھا اور انہی دنوں اعلان یہ بھی کیا تھا کہ دوسرا حصہ بھی جلد پیش کر دوں گا۔
کسی رسالے کا غالب نمبر نکالنا، کوئی بڑی بات نہیں۔ شاید یہی وجہ تھی کہ سبھی نے اس موضوع پر
بر نکالے — توفیق اور اہلیت کے مطابق داد بھی پائی۔ مگر میں نے دوسرے حصے کے سلسلے میں اعلان یہ کیا کہ
س میں صرف غالب کی کمیاب، نایاب اور غیر مطبوعہ تحریریں پیش کر دوں گا۔
میرے اس اعلان کو، جب ایک غالب شناس نے پڑھا، تو انھوں نے لکھا — "غالب کی تو
یک ایک سطر چھپ چکی ہے۔ اس لیے اب آپ دوسرے حصے میں کیا چھاپیں گے؟"
قدرت کو میرے اعلان اور جذبہ کی لاج رکھنی تھی، سو رکھی۔ وہ کام جو قریب قریب ناممکن
ھا، ممکن ہو گیا۔ اب اگر میں یہ کہوں کہ پوری ایک صدی میں غالب پر جو کچھ چھپا ہے۔ اس میں سب سے قیمتی
دستاویز ہے تو اس میں قطعاً کوئی مبالغہ نہ ہوگا۔ کیونکہ اس نمبر میں غالب کی اوّلین بیاض کو پہلی بار عکسی صورت
میں پیش کیا جا رہا ہے۔ اہتمام یہ ہے کہ ایک صفحے پر بخطِ غالب عکس اور دوسرے صفحے پر خوب صورت کتابت۔
صفحہ بہ صفحہ، بلکہ مصرع بہ مصرع!

اس بیاض کو نقطہ بہ نقطہ اور لفظ بہ لفظ پڑھ لینا بھی بہت بڑا کام ہے۔ اگر اس سعی میں ہمیں
تھوڑی بہت بھی کامیابی ہوئی ہو تو اسے آسان کام نہ جانیے۔ کیونکہ مروّجہ دیوان اور اس بیاض میں زمین آسمان
کا فرق ہے اور یہی فرق اس بیاض کی فضیلت ہے اور اس پہ طرّہ یہ کہ ۱۹ غزلیں اور ۱۳ رباعیاں غیر مطبوعہ ہیں۔
غالب کے املا میں اور آج کے املا میں فرق ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم نے کتابت شدہ صفحات میں
موجودہ املا کو ترجیح دی۔ ہو سکتا ہے کہ اس "اجتہاد" میں کہیں زیادتی بھی ہو گئی ہو۔

نثار احمد فاروقی کے مضمون میں کہیں کہیں صفحہ فلاں الف اور ب کے حوالے ملتے ہیں۔ یہ حوالے
بیاض کے ہیں۔ بیاض رسالے میں صفحہ ۵۰ سے شروع ہوتی ہے اور بیاض کے کل ورق (صفحے نہیں) ۶۳ ہیں
لہٰذا ورق کے پہلے صفحے کو الف قرار دیا ہے۔ دوسرے کو "ب"، صرف بیاض کے پہلے ورق میں صفحہ الف ہے۔
ب نہیں ہے۔ مزید اطمینان کے لیے بیاض کے ابتدائی صفحات پر مرقوم بیاضی صفحات کو بھی ملاحظہ فرما لیں۔

ہم نے بیاض کی عبارت کو کہیں بھی نہیں چھیڑا۔ صرف اُن صفحات کی لکھائی کو قدرے خفی کرنا پڑا
جن پر غالب کے علاوہ کسی اور کاتب کی بھی تحریر ہے تاکہ وہ بھی سامنے آ جائے۔ سیاہی اگر کہیں مدھم تھی تو اُسے
مدھم چھاپ دیا۔ روشن تھی تو روشن، حتیٰ کہ ہم نے سیاہی کے دھبے تک صاف نہیں کیے۔ اس لیے کہ ہمیں وہ بھی
عزیز ہیں۔ غالب کی تحریر سے محبت کا تقاضا یہاں تک پورا کیا کہ آخری صفحے پر جو یادداشتیں ہیں "گل نغمہ بہار
وغیرہ" وہ تک چھاپ دیں۔

بیاض کے علاوہ جو چند مضامین اور اس نمبر کی زینت ہیں وہ بھی اپنی جگہ بڑے قیمتی ہیں۔ بڑی اہمیت
ہیں اور غالبیات کے سلسلے میں اضافہ ہیں۔

چونکہ یہ بیاض سب سے پہلے لاہور میں چھپی ہے۔ اس لیے میری خواہش ہے کہ اسے نسخہ لاہور کے
نام سے یاد کیا جائے۔

یہ مجموعہ آپ کو چند سکوں کے عوض مل جائے گا۔ مگر جہاں تک اس کی قیمت کا تعلق ہے، وہ کوئی
ادا نہیں کر سکتا۔

(محمد نقوش)

غالب کی یاد میں

جسٹس سجاد احمد جان

[ایک صدارتی تقریر۔ جو نقوش کے غالب نمبر (حصہ اوّل) کے موقع پر (۳۰ مارچ ۱۹۶۹ء) کو ارشاد فرمائی گئی۔]

محترم طفیل صاحب، معزز خواتین و حضرات!

جیسا کہ آپ جان چکے ہیں کہ اس بزمِ لطف صحبت کا مقصد میرزا غالب کی صد سالہ برسی کے موقعہ پر ادارہ "نقوش" کا نذرانہ عقیدت ہے۔ جو غالب نمبر کی دلآویز صورت میں پیش کیا گیا ہے طفیل صاحب نے از راہ کرم اس مجلس کے انعقاد سے غالب کے لئے اپنی "پیشکش" کے فیضان میں ہمیں بھی شریک فرمایا ہے۔ جس کے لئے میرا اظہارِ تشکر رسمی نہیں بلکہ ہم سب کے دلی احساسات کی ترجمانی ہے۔

طفیل صاحب نے مجھے اس محفل کی صدارت کی دعوت کچھ اس طریق سے دی کہ مجھے اس بارے میں اپنے استحقاق اور موزونیت پر سوچنے کا موقعہ ہی نہیں دیا۔ غالب کی یاد میں اس تقریب سے غالب احساس یہ ہوا کہ اس کی صدارت سے انکار ایک سعادت سے محرومی ہوگی۔ اردو زبان اور اردو ادب کے وابستگان کے لئے غالب کے حضور میں خراج عقیدت کی ادائیگی خالصتاً غالب کا حق ہے۔ جو امتدادِ زمانہ کے باعث کم نہیں ہوگا۔ بلکہ اردو ادب کی بتدریج ترقی اور عروج کے ساتھ اسی تناسب سے بڑھتی ہوئی مقدار میں ادا ہوتا رہے گا۔

اپنی مربیانہ دعوت کے ساتھ طفیل صاحب نے مجھے غالب نمبر کی ایک جلد مرحمت فرمائی میں اس کی ضخامت اور حسین سرورق سے متاثر ضرور ہوا ہوں لیکن مرعوب نہیں۔ اس لئے کہ میں نقوش کے اس نوعیت کے کئی ایک خصوصی نمبروں سے مانوس ہو چکا ہوں۔ گذشتہ چند مہینوں میں نقوش نے یکے بعد دیگرے خطوط نمبر، افسانہ نمبر اور اب غالب نمبر نکال کر بقول

طفیل صاحب اُردو ادب میں "HAT TRICK" کر دکھایا ہے۔

غالب نمبر کو دیکھتے ہی نقوش کے ان تمام دیگر خصوصی نمبروں کی یادیں بھی تازہ ہوگئیں۔ اور اس کے ٹھوس عام شماروں کا بھی خیال آیا۔ اُن میں سے ہر ایک جس ادبی تحقیق اور علمی ذخیرہ کا حامل ہے اُس سے یک گونہ لذتِ تسکین حاصل ہوئی۔ اور اسی کیفیت میں میں نے غالب نمبر کے مندرجات پر نظر ڈالی۔ تو یہ بھی تحقیق۔ محنت۔ کاوش۔ منفرد مسلک اور حسنِ انتخاب کے محاسن سے بھرپور نظر آیا جو اب نقوش اور اُس کے اَن تھک مدیر کا وطیرہ بن چکا ہے۔ میں نے دیکھا کہ نقوش کے غالب نمبر میں ایسی چیزیں درج ہیں جو ابھی تک منظرِ عام پر نہیں آئی تھیں۔ اگر آئی تھیں تو کمیاب تھیں جیسے ہر گوپال تفتہ کا مرثیہ جس کی غالب شناسوں کو عرصے سے جستجو تھی۔ میر انیس کا خراجِ تحسین۔ غالب کے مقدمہ کے دلچسپ کوائف وغیرہ۔

میں نے طفیل صاحب سے بے اختیار یہ سوال کیا کہ آپ یہ سب کچھ کیسے کر پاتے ہیں۔ اُن کا بیساختہ جواب اِس انداز کا تھا کہ میں نے سمجھا انہوں نے اپنی ساری شخصیت کا اظہار اس ایک فقرے میں کر ڈالا ہے۔ فرمانے لگے۔ اسے "پاگل پن" سمجھ لیجیے۔ پھر تھوڑے سے توقف کے بعد کہا۔ میں جب تہیہ کر لیتا ہوں کہ یہ کام کرنا ہے تو وہ کام میرے رگ و ریشہ میں پیوست ہوجاتا ہے۔ دُنیا و مافیہا سے بے خبر میں اُس میں منہمک ہوجاتا ہوں۔ سُود و زیاں کا احساس غائب ہوجاتا ہے۔ لگن یہی رکھتی ہے کہ کسی طرح یہ کام خوش اسلوبی سے پایۂ تکمیل کو پہنچ جائے۔ میں نے کہا طفیل صاحب آپ کا جواب غیر متوقع نہیں صرف آپ پاگل پن کے لفظ کو مجنوں کی مناسبت سے جنوں میں تبدیل کردیں تو حقیقت کے زیادہ قریب ہوگا۔ خدا کرے کہ یہ جنوں ہماری قومی زندگی کے ہر شعبہ میں اثر پذیر ہوجائے ایک اصلاح پذیر معاشرہ میں اہم تعمیری کاموں کی تکمیل کے لئے ایسے ہی جنوں کی ضرورت ہے۔ جس کے بغیر انسانی زندگی، حسن اور موزونیت کی اعلیٰ اقدار سے عاری رہتی ہے ؎

خدا مجھے کسی طوفاں سے آشنا کردے
کہ میرے بحر کی موجوں میں اضطراب نہیں

طفیل صاحب تشریف لے گئے تو مزید سوچ پر مجھے اُن کی دعوت قبول کرنے پر اطمینان ہوا۔ انکار فرض ناشناسی ہوتی۔ نقوش نے اپنی مسلسل جدوجہد اور لگاتار محنت سے اُردو ادب میں مستقل اور گرانقدر اضافہ کیا ہے جرائد اور رسائل کی تاریخ میں ایک ایسا بلند مقام حاصل کرلیا ہے جس کے لئے

اسے خراجِ تحسین پیش کرنا اس کا حق ہے اور ہمارا فرض! مجھے خوشی ہے کہ اس عالی وقار محفل میں مجھے اس فرض کی ادائیگی کا موقعہ میسر آیا۔

غالب اُن ممتاز شخصیتوں میں سے ہیں جو اپنے عہد کے ماحول کے اعتبار سے قبل از وقت پیدا ہوتی ہیں۔ غالب کی شاعری ماحول اور وقت کی قید سے بالکل آزاد تھی۔ اُنھوں نے ماضی کے شکنجوں اور حال کی پابندیوں سے نکل کر مستقبل کو اپنی آغوش میں لیا یہی وجہ ہے کہ وقت کے ساتھ ساتھ اُن کی شاعری کی نکتہ سنجی اور دور رس معانی میں نکھار پیدا ہوتا رہا اور ہوتا رہے گا وہ اپنے مفکرانہ تجسس کے ساتھ دل کی عمیق گہرائیوں میں اُتر کر انسانی قدروں کے ترجمان بن جاتے ہیں۔ اور اپنے اچھوتے اسلوب سے اپنے خیالات کو حیاتِ جاوداں بخش دیتے ہیں۔

غالب نے اُردو کے دامن کو وسیع بنانے میں فارسی اصطلاحات سے کام لیا ہے لیکن صرف وہی اصطلاحات جنھیں اُردو کا مزاج آسانی سے قبول کر سکا۔ اور اسی لئے وہ اب اُس کا خوشگوار جزو بن گئی ہیں۔ میری نگاہ میں یہ غالب کا اردو زبان اور ادب پر بہت بڑا احسان ہے۔

غالب نے پیشگوئی کی تھی کہ ؎

شہرتِ شعرم بہ گیتی بعدِ من خواہد شدن

غالب کی زندگی میں بعض لوگوں نے اُس کے کلام کو مہمل اور بے معنی قرار دیا۔ آج وہ اُردو کے مقبول ترین شاعر سمجھے جاتے ہیں۔ اُن کی اُردو اور فارسی شاعری جذبات، فکر و دانش اور تاثرات کی حامل ہے جو اپنی انفرادیت، ندرت اور کائناتی تخیل کے باعث دوام حاصل کر چکی ہے۔ غالب کی مدح اور تنقید میں جس قدر لکھا جا چکا ہے یا لکھا جا رہا ہے بہت کم شعرا کو نصیب ہوا ہے۔ مختلف ممالک میں بڑی آب و تاب اور اہتمام کے ساتھ اُن کے دیوان چھپ رہے ہیں روس میں اُن کی صد سالہ برسی بڑی شان سے منائی جا رہی ہے۔ بھارت نے بارہ لاکھ روپیہ صرف کر کے ایک شاندار غالب اکاڈمی قائم کی ہے۔ صد سالہ برسی کے موقعہ پر وہاں کے بیشتر اُردو رسائل نے بڑے شاندار غالب نمبر نکالے ہیں۔

ادب اور شاعری خصوصاً غالبؔ ایسے وسیع الخیال شاعر کی شاعری جغرافیائی زاویوں سے متعین نہیں کی جاسکتی۔ نہ ہی غالبؔ کی شخصیت کسی جغرافیائی تقسیم کی حامل ہو سکتی ہے۔ اگر تہذیب و تمدن اور زبان کے لحاظ سے تعین کیا جائے تو میری دانست میں غالب خالص پاکستان کا شاعر ہے۔

بھارت میں جس طریق سے اردو کے ساتھ ناانصافی کی جارہی ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ میری رائے میں متعدد وجوہ کی بنا پر غالب کا سب سے زیادہ حق پاکستان اور پاکستان کے لوگوں پر ہے کہ وہ اُس کی شخصیت اور عظمت کو اجاگر کریں۔ تاکہ اُس کی روشن شمع سے علم وادب کے چراغ جلتے رہیں۔ غالب کے اپنے کلام کی شبہوبنی اور ہمہ گیری انہی کے اِس شعر کے مصداق ہے ؎

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اُس نے کہا
میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

اس صدی میں انسان نے بڑے کٹھن معرکے سر کیے ہیں، وہ نامعلوم ساحلوں کی کھوج میں لہر لہر اور بھنور بھنور نبرد آزما ہے۔ وہ ان دیکھی منزلوں کی جستجو میں تپتے صحراؤں پر ایک نخلستان سے دوسرے نخلستان کی طرف رواں دواں ہے۔ ایک جامع وجود کے قیام کی خاطر ذرہ ذرہ سمیٹنے کے لیے ایک خلا سے دوسرے خلا میں جست لگا رہا ہے اس یقین کے ساتھ کہ کائنات میں زندگی بکھری پڑی ہے، اور یہ بکھراؤ انسان کا غم بھی ہے۔ وہ زندگی اور زندگی کے درمیان ربط کا آرزومند ہے۔ یہی آرزومندی ہے جس کے فیض سے آج اس سیلانی کے تن کا لباس آفاقی رنگوں کے امتزاج سے خوشنما ہے۔ اس کی کفِ پا پر نت نئی باس رکھنے والی زمینوں کے بوسوں کے نشان ہیں۔ اس کی آواز میں دیس دیس کے گیتوں کا رس ہے وہ ورق ورق سمیٹ رہا ہے عظیم انسان اپنی عظیم سرگذشت محفوظ کر لینے کی خاطر۔

لیکن یہی انسان مادی تسخیر کے جگر گداز مرحلوں میں سے گزرتا ہوا کبھی کبھی رک جاتا ہے، ذرا سستانے کے لیے ذرا سانس درست کرنے کے لیے اور پھر دیکھتا ہے اپنے چہرے پر، لباس پر گرد و غبار کی تہیں جھاڑتے ہوئے اس کے دل میں ایک ننھی سی خواہش جاگتی ہے۔ عرصے سے دیکھی ہوئی اپنی شکل دیکھنے کے لیے وہ ایک آئینہ نکال کر دیکھتا ہے، لیکن آئینے میں جو عکس ابھرتا ہے۔ اس میں وہ تنہا نہیں ہے۔ اس میں پس منظر اور پیش منظر آپس میں گڈمڈ ہوتے دکھائی دیتے ہیں اور پیشتر اس کے کہ یہ آئینے میں اپنے عکس پر والہانہ نظر ڈالے اس کا عکس اسے اس کے وجود کا تماشائی نظر آتا ہے۔ یہی مقام وہ کوہِ حیرت ہے۔ جہاں برسوں کی دیکھی ہوئی شکل دوبارہ دیکھنے کی ننھی سی خواہش شدت اختیار کر کے احتساب کی صورت میں بدل جاتی ہے۔

پانیوں پر، خشکیوں پر، خلاؤں میں ہر سمت اور ہر زاویے میں اس کے قدموں کے نشان ہی نشان ہیں۔ کائنات میں حیرت کا طلسم توڑنے کے لیے وہ ہزار ہا راستوں پر دُور دُور نکل گیا۔ مگر جس مقام کو مرکز بنا کر اس نے تمام راستوں کا آغاز کیا تھا۔ وہاں آج اس کا وجود حیرت سے لرزاں ہے یقیناً اس نے بہت کچھ پایا ہے، بلاشبہ وہ بہت کچھ کھو بیٹھا ہے۔ اور جو اس نے کھو دیا ہے۔ اس پر اس کے وجود کی عمارت کی پائیداری کا زیادہ انحصار تھا۔ یہاں اکائی کے پارہ پارہ ہو جانے کا احساس ابھرتا ہے اور وہ از سرِ نو اپنی شیرازہ بندی کے لیے تنہائی کا طالب ہے مگر کسی بند کمرے کی تنہائی بیسویں صدی میں نایاب ہو چکی ہے۔ انسان نے ایک نخلستان سے دوسرے نخلستان تک، ایک افق سے دوسرے افق تک، ایک ساحل سے دوسرے ساحل تک اور ایک سیارے سے دوسرے سیارے تک وسعتیں اور فاصلے سمیٹ کر اپنی تنہائی کا دامن لامحدود کر لیا

ہے۔ اب وہ آئینے کے مقابل آتا ہے، تو آئینہ میں اب صرف اس کا عکس ہی نہیں، اس کے گھر کے در و دیوار و روزن ہی نہیں کڑی مسافتوں کے لاتعداد سنگ ہائے میل بھی ابھرتے ہیں۔ چاند جس کی سمت کل تک چکوری اُڑتی تھی۔ اب روزن سے گھر کے اندر چلا آتا ہے۔ اس کے ساتھ زہرہ۔ مریخ بھی آتے ہیں۔ روشنی ہی روشنی ہے۔ اس چکا چوند میں سائے اور وجود آپس میں متصادم ہیں اس گھما گھمی میں، اس نفسا نفسی میں، اس شور و شغب میں آنکھیں مُوند کر کانوں میں اُنگلیاں دے کر اپنے اوپر تنہائی طاری کرنے والا قدموں تلے پس جاتا ہے۔ اس ماحول میں انسان کو نیند ستائے تو وہ چلتے پھرتے اُٹھتے بیٹھتے بچتے بچاتے آنکھیں کھول کر سو لیتا ہے۔ اس آشوب میں کسی کی آواز اُسی قدر بلند ہے۔ جتنی وہ توانا ہے۔ اس ہجوم میں گم ہونے سے صرف وہی بچ سکتا ہے جس کی اکائی ثابت ہے، اور اس خرابی میں جذبات و احساسات کی ترسیل تو ممکن ہی نہیں تاوقتیکہ بیداری کی نیند سوتے لوگوں کے قریب دھماکہ کیا جائے۔ یہ دِقت اُن لوگوں کے لیے اذیّتِ جاں اور رسوائیِ روح ہے جو دل کے سچّے ہیں اور ان کے پاس امانت کی صورت میں نصیحتوں کے صحیفے، وصیتوں کے پشتارے، فکر و خیال کے نجوم، آوازوں کا شہد، بصیرتوں کا نور اور ذہانت کے چراغ ہیں۔

صادقین بھی ایسے ہی امانت داروں میں سے ایک ہے۔ وہ ۲۵ جون ۱۹۳۰ء کو امروہہ میں پیدا ہوا، اس نے بھی لوگوں کی امانتیں واپس کرنی شروع کیں۔ لیکن جب بھی اس نے کسی کو امانت لوٹائی۔ صادقین کو یہ احساس ہوا۔ لینے والا بہت خوش نہیں ہوا، اس کا شکریہ تہِ دل سے ادا نہیں کرتا۔ امانت واپس کرنے کے نئے نئے انداز اس نے اپنائے، اپنے چہرے پر لطیف سے لطیف مُسکراہٹ سجائی، اپنے حسنِ سلوک کو زیادہ سے زیادہ استعمال کیا، مگر یہ مسکراہٹ یہ خلوص و تپاک ذرا کام نہ آیا — وہ بہت دل برداشتہ ہو گیا — اب وہ اداس تھا، مغموم تھا، سوچ میں غرق تھا کہ ۱۹۶۱ء کے کسی دن اس نے پیرس میں THE LAST SUPPER کے نام سے اچانک دھماکہ کیا پھر یہ دھماکوں کا سِلسلہ طویل ہوتا گیا۔ ایٹمی دھماکوں کے اس دور میں وہ اپنے دھماکوں کے سلسلے کو (MYSTIC FIGURAION) کا نام دیتا ہے۔

کھلے کینوس پر وہ روشنائی اور قلم، رنگ اور موقلم سے مختلف النوع اشیا کو نہایت مہارت سے پُر اسرار سی ترتیب دیتا ہے، جس میں آنکھ کے لیے نئے مناظر کی طرف کھلنے والے روزن وا ہوتے ہیں۔ نئے آفاق کی نشاندہی کرتے ہاتھ نظر آتے ہیں اور نئی منزلوں کی طرف انسانی قافلے کی چاپ سنائی دیتی ہے۔

یوں تو صادقین نے اپنی شبیہ کے حوالے سے سادگی و پرکاری کے کئی شاہکار تخلیق کیے ہیں لیکن غالب کے باب میں صادقین کی شبیہ حد درجہ مؤثر اور غضب کی معنی آفریں ہے۔ فکرِ غالب میں صادقین کے چہرے کا رچاؤ اتنا فطری ہے کہ آج اگر غالب کی عکسی و قلمی تصاویر نایاب ہوتیں تو ہم بلا تامل تسلیم کر لیتے کہ مصوّر کے ذہن پر شاعر کا چہرہ مہرہ نازل ہوا ہے، کہتے ہیں دیوانِ غالب الہامی کتاب ہے۔ الہامی نہ سہی، اس کی عظمت مسلّم ہے۔ صادقین کا نقش اس پر ایک اور مہرِ تصدیق ہے۔

لاریب یہ صدی بڑی اہم ہے۔ بلاشبہ صادقین عظیم مصوّر ہے کہ اس کا نگار خانہ اسی کائنات کی اس بستی میں ہے، جہاں زندگی ہر دَم جواں پیہم رواں ہے۔

اس صدی میں انسان نے بڑے کٹھن معرکے سَر کیے ہیں، وہ نامعلوم ساحلوں کے کھوج میں لہر لہر اور بھنور بھنور نبرد آزما ہے۔ وہ اُن دیکھی منزلوں کی جستجو میں تپتے صحراؤں پہ ایک نخلستان سے دوسرے نخلستان کی طرف رواں دواں ہے۔ ایک جامع وجُود کے قیام کی خاطر ذرہ ذرہ سمیٹنے کے لیے ایک خلا سے دوسرے خلا میں جست لگا رہا ہے اس یقین کے ساتھ کہ کائنات میں زندگی بکھری پڑی ہے، اور یہ بکھراؤ انسان کا غم بھی ہے۔ وہ زندگی اور زندگی کے درمیان ربط کا آرزومند ہے۔ یہی آرزومندی ہے جس کے فیض سے آج اس سیلانی کے تن کا لباس آفاقی رنگوں کے امتزاج سے خوشنما ہے۔ اس کی کفِ پا پر نت نئی باس رکھنے والی زمینوں کے بوسوں کے نشان ہیں۔ اس کی آواز میں دیس دیس کے گیتوں کا رس ہے وہ ورق ورق سمیٹ رہا ہے۔ عظیم انسان اپنی عظیم سرگذشت محفوظ کر لینے کی خاطر۔

لیکن یہی انسان مادی تسخیر کے جگر گداز مرحلوں میں سے گزرتا ہوا کبھی کبھی رک جاتا ہے، ذرا سستانے کے لیے ذرا سانس دُرست کرنے کے لیے اور پھر دیکھتا ہے اپنے چہرے پر، لباس پر گرد و غبار کی تہیں جھاڑتے ہوئے اس کے دل میں ایک ننھی سی خواہش جاگتی ہے۔ عرصے سے دیکھی ہوئی اپنی شکل دیکھنے کے لیے وہ ایک آئینہ نکال کر دیکھتا ہے، لیکن آئینے میں جو عکس اُبھرتا ہے۔ اس میں وہ تنہا نہیں ہے۔ اُس میں پس منظر اور پیش منظر آپس میں گڈمڈ ہوتے دکھائی دیتے ہیں اور پیشتر اسکے کہ یہ آئینے میں اپنے عکس پر یا قد پر نظر ڈالے اس کا عکس اسے اس کے وجود کا تماشائی نظر آتا ہے۔ یہی مقام وہ کوہِ حیرت ہے۔ جہاں برسوں کی دیکھی ہوئی شکل دوبارہ دیکھنے کی ننھی سی خواہش شدت اختیار کر کے احتساب کی صورت میں بدل جاتی ہے۔

پانیوں پر، خشکیوں پہ، خلاؤں میں ہر سمت اور ہر زاویے میں اس کے قدموں کے نشان ہی نشان ہیں۔ کائنات میں حیرت کا طلسم توڑنے کے لیے وہ ہزار ہا راستوں پر دُور دُور نکل گیا۔ مگر جس مقام کو مرکز بنا کر اس نے تمام راستوں کا آغاز کیا تھا۔ وہاں آج اس کا وجود حیرت سے لرزاں ہے یقیناً اُس نے بہت کچھ پایا ہے۔ بلا شبہ وہ بہت کچھ کھو بیٹھا ہے۔ اور جو اس نے کھو دیا ہے۔ اس پر اُس کے وجود کی عمارت کی پائیداری کا زیادہ انحصار تھا۔ یہاں اکائی کے پارہ پارہ ہو جانے کا احساس ابھرتا ہے اور وہ از سرِ نو اپنی شیرازہ بندی کے لیے تنہائی کا طالب ہے مگر کسی بند کمرے کی تنہائی بیسویں صدی میں نایاب ہو چکی ہے۔ انسان نے ایک نخلستان سے دوسرے نخلستان تک، ایک افق سے دوسرے افق تک، ایک ساحل سے دوسرے ساحل تک اور ایک سیارے سے دوسرے سیارے تک وسعتیں اور فاصلے سمیٹ کر اپنی تنہائی کا دامن لامحدود کر لیا

ہے۔ اب وہ آئینے کے مقابل آتا ہے، تو آئینہ میں اب صرف اس کا عکس ہی نہیں، اس کے گھر کے در و دیوار و روزن ہی نہیں کڑی مسافتوں کے لاتعداد سنگ ہائے میل بھی اُبھرتے ہیں۔ چاند جس کی سمت کل تک چکوری اُڑتی تھی۔ اب روزن سے گھر کے اندر چلا آتا ہے۔ اس کے ساتھ زہرہ۔ مریخ بھی آتے ہیں۔ روشنی ہی روشنی ہے۔ اس چکاچوند میں سائے اور وجود آپس میں متصادم ہیں اس گھما گھمی میں، اس نفسانفسی میں، اس شور و شغب میں آنکھیں مُوند کر کانوں میں اُنگلیاں دے کر اپنے اوپر تنہائی طاری کرنے والا قدموں تلے پس جاتا ہے۔ اس ماحول میں انسان کو نیند ستائے تو وہ چلتے پھرتے اُٹھتے بیٹھتے بچتے بچاتے آنکھیں کھول کر سو لیتا ہے۔ اس آشوب میں کسی کی آواز اُتنی قدر بلند ہے۔ جتنی وہ توانا ہے۔ اس ہجوم میں گم ہونے سے صرف وہی بچ سکتا ہے جس کی اکائی ثابت ہے، اور اس خرابی میں جذبات و احساسات کی ترسیل تو ممکن ہی نہیں تا وقتیکہ بیداری کی نیند سوتے لوگوں کے قریب دھماکہ کیا جائے۔ یہ وقت اُن لوگوں کے لیے اذیتِ جاں اور سوہانِ روح ہے جو دل کے سچے ہیں اور ان کے پاس امانت کی صورت میں نصیحتوں کے صحیفے، وصیتوں کے پشتارے، فکر و خیال کے نجوم، آوازوں کا شہد، بصیرتوں کا نور اور ذہانت کے چراغ ہیں۔

صادقین بھی ایسے ہی امانت داروں میں سے ایک ہے۔ وہ ۲۵ جون ۱۹۳۰ء کو امروہہ میں پیدا ہوا، اس نے بھی لوگوں کی امانتیں واپس کرنی شروع کیں لیکن جب بھی اس نے کسی کو امانت لوٹائی۔ صادقین کو یہ احساس ہوا۔ لینے والا بہت خوش نہیں ہوا، اس کا شکریہ تہ دل سے ادا نہیں کرتا۔ امانت واپس کرنے کے نئے نئے انداز اس نے اپنائے، اپنے چہرے پر لطیف سے لطیف مُسکراہٹ سجائی، اپنے حسنِ سلوک کو زیادہ سے زیادہ استعمال کیا، مگر یہ مسکراہٹ یہ خلوص و تپاک ذرا کام نہ آیا —— وہ بہت دل برداشتہ ہو گیا —— اب وہ اداس تھا، مغموم تھا، سوچ میں غرق تھا کہ ۱۹۶۱ء کے کسی دن اس نے پیرس میں THE LAST SUPPER کے نام سے اچانک دھماکہ کیا پھر یہ دھماکوں کا سلسلہ طویل ہوتا گیا۔ ایٹمی دھماکوں کے اس دور میں وہ اپنے دھماکوں کے سلسلے کو (MYSTIC FIGURAION) کا نام دیتا ہے۔

کھلے کینوس پردہ روشنائی اور قلم، رنگ اور مو قلم سے مختلف النوع اشیاء کو نہایت مہارت سے پُراسراری ترتیب دیتا ہے، جس میں آنکھ کے لیے نئے مناظر کی طرف کھلنے والے روزن وا ہوتے ہیں۔ نئے آفاق کی نشاندہی کرتے ہاتھ نظر آتے ہیں اور نئی منزلوں کی طرف انسانی قافلے کی چاپ سنائی دیتی ہے۔

یوں تو صادقین نے اپنی شبیہ کے حوالے سے سادگی و پُرکاری کے کئی شاہکار تخلیق کیے ہیں، لیکن غالب کے باب میں صادقین کی شبیہ حد درجہ مؤثر اور غضب کی معنی آفریں ہے۔ فکرِ غالب میں صادقین کے چہرے کا رچاؤ اتنا فطری ہے کہ آج اگر غالب کی عکسی و قلمی تصاویر نایاب ہوتیں تو ہم بلا تامل تسلیم کر لیتے کہ مصوّر کے ذہن پر شاعر کا چہرہ مہرہ نازل ہوا ہے، کہتے ہیں دیوانِ غالب الہامی کتاب ہے۔ الہامی نہ سہی، اس کی عظمت مسلّم ہے۔ صادقین کا نقش اس پر ایک اور مُہرِ تصدیق ہے۔

لاریب یہ صدی بڑی اہم ہے۔ بلاشبہ صادقین عظیم مصوّر ہے کہ اس کا نگار خانہ اسی کائنات کی اِس بستی میں ہے، جہاں زندگی ہر دم جواں پیہم رواں ہے۔

اسلم کمال

بیاضِ غالب

نثار احمد فاروقی

دریافت کی کہانی

برصغیر کے طول و عرض میں ابھی غالب کی صد سالہ برسی منانے کا سلسلہ جاری تھا کہ ۵-اپریل ۱۹۶۹ء کو میرے ایک ہم وطن جناب توفیق احمد قادری، جو پرانی اشیاء اور قلمی کتابوں کا کاروبار کرتے ہیں، کتابوں کی کھوج میں بھوپال پہنچے اور ان کے ایک ہم پیشہ نے بعض اور کتابوں کے ساتھ ہی "دیوان غالب" کا ایک نادر روزگار نسخہ یہ کہہ کر دیا کہ "میاں کیا یاد کرو گے تمھیں مرزا غالب کے ہاتھ کا لکھا ہوا دیوان دے رہا ہوں، مگر اس کی قیمت ۲۵ روپے سے کم نہیں لوں گا۔" توفیق صاحب نے اپنے اوپر قابو پاتے ہوئے مول بھاؤ شروع کیا اور معمولی ردوکد کے بعد گیارہ روپے میں اس دُرِّ یتیم کو خرید لیا۔ ۵ اپریل ۱۹۶۹ء کو انھوں نے یہ نسخہ خریدا اور اُسی دن دہلی کے لیے روانہ ہو گئے۔ خود خریدار کو بھی اس بے بہا نسخے کی قدر و قیمت کا صحیح اندازہ نہیں تھا، اُس نے ۷-اپریل ۱۹۶۹ء کے اخبار الجمعیتہ، دہلی میں اشتہار دیا کہ میرے پاس غالب کے اپنے قلم سے لکھا ہوا نسخہ موجود ہے، جو حضرات خریداری میں دلچسپی رکھتے ہوں وہ مجھ سے خط و کتابت کریں۔ اشتہار میں خاص طور سے نام لے کر حکیم عبدالحمید صاحب دہلوی (متولی ہمدرد دواخانہ) کو متوجہ کیا گیا تھا، اس لیے کہ انھوں نے اسی سال بستی حضرت نظام الدین رح نئی دہلی میں، مرزا غالب کے متصل، تقریباً دس لاکھ روپے کے خرچ سے غالب اکیڈمی قائم کی ہے، اور اس کی مختصر مگر خوب صورت عمارت بنوائی ہے، جس کا افتتاح ۲۲، فروری ۱۹۶۹ء کو صدر جمہوریہ ہند ڈاکٹر ذاکر حسین کے ہاتھوں عمل میں آچکا ہے۔ مالک نسخہ کا خیال تھا کہ اس کتاب کی واقعی قیمت حکیم صاحب موصوف ہی سے مل سکتی ہے۔ اشتہار کے آخر میں اس نسخے کی قیمت کا تعین بھی کر دیا گیا تھا کہ "کم از کم چھ ہزار روپے ہو گی۔" لیکن بہت سے لوگوں نے اس اشتہار کو دیکھ کر باور نہیں کیا اور اسے مذاق یا جعل سازی سمجھا، چنانچہ غالب اکیڈمی کے ذمہ داروں نے بھی توفیق احمد صاحب سے رابطہ قائم کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی اور انھیں اصل نسخہ دیکھے بغیر یہ اطمینان حاصل رہا کہ کسی جعل ساز نے غالب صدی کے موقع پر یہ "ہنر" دکھلانے کی کوشش کی ہے۔ میرے استفسار پر اکادمی کے ایک ذمہ دار رکن نے بتایا کہ "اشتہار دیکھنے کے باوجود ہم نے مالک نسخہ کو اس لیے نہیں بلایا کہ دہلی سے امروہہ تک کا کرایہ خواہ مخواہ ادا کرنا پڑے گا۔" (اور یہ کرایہ ساڑھے تین روپے سے بھی کم ہوتا ہے!)

مجھ سے بعض دوستوں نے اخبار 'الجمعیتہ' دہلی کے اس اشتہار کا تذکرہ کیا تو فوری طور پر مجھے بھی یقین نہیں آیا اور یہ

گمان ہُوا کہ غالب کا خط پہچاننا ہر شخص کا کام نہیں ہے، نسخہ کسی اور کا لکھا ہُوا ہوگا۔ لیکن اس بدگمانی پر مطمئن ہوجانا میں نے گوارا نہ کیا اور مالک نسخہ کو خط لکھ کر یہ خواہش ظاہر کی کہ وہ نسخہ لے کر دہلی آئیں اور مجھ سے ملیں، یا مجھے کوئی تاریخ اور وقت بتائیں تاکہ میں خود اُن کے پاس پہنچ کر یہ نسخہ دیکھ سکوں۔ ادھر میں نے خط لکھا (۱۶۔ اپریل) اُدھر اسٹیٹ آرکائوز الہ آباد کے ایک کارکن امروہہ آئے ہوئے تھے، انہوں نے یہ نسخہ دیکھا اور غالب کے خط کی شناخت کر کے پریس ٹرسٹ آف انڈیا کو ایک مختصر سی خبر بھیج دی جو انگریزی اخباروں میں اس طرح شائع ہوئی:

Rare poems by Ghalib found

LUCKNOW, April 16 (PTI).

"A rare collection of Ghalib's gazals written in his own hand has been found with a dealer in old manuscripts, Taufiq Ahmed of Amroha.

An official of the UP Archives, Allahabad—about 1,000 verses—said no such collection of the poet's works had been found before.

He said the collection, which included 13 Persian and 11 Urdu 'rabais,' appeared to be Ghalib's work up to the age of 23. About 100 verses in it had been scored off by the poet himself.

یہ اطلاع ۱۷ اپریل ۱۹۶۹ء کو انگریزی، اُردو، ہندی اور دوسری زبانوں کے اخبارات میں چھپی اور آل انڈیا ریڈیو نے اپنے خبرنامے میں نشر کی۔ اسی دن توفیق احمد صاحب یہ نسخہ لے کر میرے پاس دہلی پہنچے اور میں نے خبر کی اشاعت کا حال اُن سے بیان کیا۔ اپنے تھیلے سے نسخہ نکال کر جس وقت انہوں نے میرے سامنے رکھا، میں نے پہلی ہی نگاہ میں اسے شناخت کر لیا کہ واقعی یہ غالب کا خط ہے اپنی مختصر سی زندگی میں مجھے بہت کم کتابوں کی زیارت سے اتنی خوشی ہوئی ہے جتنی اس قلمی نسخے کو دیکھ کر حاصل ہوئی۔ توفیق احمد صاحب نے ازراہِ عنایت مجھے اس نسخے سے استفادے کی اجازت دی اور میں نے اسی دن ایک خط 'ہماری زبان' (علی گڈھ) کے ایڈیٹر کو لکھا جس میں تصدیق کی گئی تھی کہ اخباروں میں جو خبر شائع ہوئی ہے وہ درست ہے، یہ نسخہ میں نے دیکھا ہے، اس میں کچھ شک نہیں کہ غالب ہی کے قلم سے لکھا ہُوا ہے۔ اس کی لوح اور ترقیمے کی عبارت بھی مراسلے میں درج کر دی گئی تھی۔ 'ہماری زبان' کی یہ اطلاع، پہلی باضابطہ خبر تھی جو کسی کے نام سے چھپی اور جسے پڑھ کر اہلِ علم کے دل سے شکوک اور بدگمانی کا اثر زائل ہُوا۔ یہ مراسلہ ۲۲ اپریل ۱۹۶۹ء کے 'ہماری زبان' میں چھپا اور اگلے دن ۲۳ اپریل ۱۹۶۹ء کے اخبار الجمعیۃ دہلی میں دوسرا مراسلہ "غالب صدی کی سب سے زیادہ گراں قدر دریافت؛ دیوان غالب نسخہ امروہہ" کے عنوان سے شائع ہُوا۔ آج پہلی بار اس نسخے کا تفصیلی تعارف لکھ کر "تلاشِ غالب"[1] میں اشاعت کے لئے بھیج رہا ہوں۔

یہ تو اس نسخے کے دریافت ہونے کی کہانی تھی۔ آج ممکن ہے غیر ضروری سی معلوم ہو۔ لیکن آیندہ غالب پر تحقیق کرنے والوں کے

---

[1] نثار احمد فاروقی کی کتاب کا نام۔ (ادارہ)

لیے میں نے اسے محفوظ کر دینا مناسب سمجھا۔ اب اس نسخے کی ظاہری کیفیت عرض کرتا ہوں۔

(الف) نسخے کی کیفیت :

دیوانِ غالب کا یہ نادر مخطوطہ ۶۳ اوراق پر مشتمل ہے۔ اس کا سائز ۵/۸ × ۱/۲ ۵ ہے صرف ورق ۱ - ب پر عنوان شنگرفی روشنائی سے لکھا ہوا ہے باقی مخطوطہ سیاہ روشنائی سے خط شکستہ شفیعاً آمیز میں ہے، شروع میں اکثر غزلوں کے مقطع میں تخلص کی جگہ چھوڑ دی ہے غالباً شنگرفی روشنائی سے لکھنے کا ارادہ ہوگا، لیکن وہ کبھی لکھا ہی نہیں گیا۔ کاغذ عمدہ اور دبیز ہے حیرت یہ ہے کہ ۱۵۰ سال تک یہ کسی ایسی جگہ محفوظ رہا ہے کہ کرم خوردگی یا آب زدگی کا کوئی نشان اس پر نہیں ہے۔ پورا مخطوطہ بالکل محفوظ اور صاف حالت میں ہے حاشیوں کی چند غزلیں جو بعد میں کسی اور قلم سے اضافہ ہوئی ہیں، ان کے بعض اشعار جلد بندی میں کٹ گئے ہیں۔ غالب کے قلم سے لکھا ہوا ایک ایک لفظ صاف پڑھا جاتا ہے۔ ہر صفحے پر اوسطاً ۳ کالم ہیں اور ہر کالم میں تقریباً ۹ سطریں مکتوبی ہیں۔ لیکن تمام نسخے میں کالم یا سطروں کی کوئی پابندی نہیں ہے۔ بعض صفحوں پر اشعار کو مثمن یا مربع شکل میں بھی لکھا ہے۔ کچھ اوراق کا سائز نسبتہً بڑا ہے اور اُن کے کنارے مڑے ہوئے ہیں اِن مڑے ہوئے کناروں پر کسی دوسرے خط سے نئی غزلیں اضافہ کی گئی ہیں جن کی فہرست آگے دی جا رہی ہے۔

اس نسخے کی ابتدا ورق ۱[له] - ب سے ہوتی ہے - اِس کی لوح پر لکھا ہے :

یا علی المرتضیٰ علیہ و علی اولادہ الصلوٰۃ والسلام

یا حسن بسم اللہ الرحمٰن الرحیم یا حسین

ابو المعانی میرزا عبدالقادر بیدل رضی اللہ عنہ

یہ پوری عبارت شنگرفی روشنائی سے ہے، اس کے بعد مطلعِ سرِ دیوان :

نقش فریادی ہے کس کی شوخیِ تحریر کا
کاغذی ہے پیرہن ہر پیکرِ تصویر کا

ورق ۶۱ - الف تک غزلیات ہیں، اِن کے خاتمے پر لکھا ہے "تمام شد غزلیات بعونہٖ تعالیٰ"۔ پھر اسی صفحے پر بائیں ہاتھ کو "عنوان صحیفۂ رباعیات" لکھ کر پہلے فارسی کی تیرہ رباعیاں درج کی ہیں، ان میں صرف مندرجہ ذیل ایک رباعی کلیاتِ نظمِ غالب (مطبوعہ نولکشور ص ۵۰۴) پر ملتی ہے، باقی بارہ غیر مطبوعہ ہیں (ملاحظہ ہو: فہرست) مطبوعہ رباعی یہ ہے :

شاہیم و جنونِ ما نہ تمکین و ننگ
داریم بہ بحر و بر ز وحشت آہنگ
مرجاں در ویم زادۂ پشت نہنگ
برکوہ ز نیم سکّہ انہ داغِ پلنگ

له ایسے نشانات کی وضاحت کے لئے صفحہ نمبر ۴ ملاحظہ فرمائیے - (ادارہ)

اس میں بھی یہ اختلاف ہے کہ کلیاتِ نظم میں پہلا مصرع یوں ہے:

شاہیم زبانہ افسر داغ اورنگ

ورق ۶۲ ب سے اردو رباعیات بغیر جداگانہ عنوان کے شروع ہو گئی ہیں۔ ان کی تعداد گیارہ ہے۔ دیوان میں فارسی رباعیات کے شمول سے میں یہ نتیجہ نکالتا ہوں کہ اس دیوان کی ترتیب کے وقت (۱۲۳۱ھ) تک غالب نے باقاعدہ فارسی گوئی شروع نہیں کی تھی، کبھی کبھار منہ کا مزا بدلنے کو کچھ کہہ لیتے ہوں گے۔ ان کا سب سے پہلا فارسی کلام یہی رباعیات ہیں جو اُنہوں نے دیوان اُردو کے آخر میں درج کر دیں۔ بعد میں جب وہ باقاعدہ فارسی دیوان فراہم کرنے کی طرف متوجہ ہوئے تو یہ اردو دیوان نظری کر چکے تھے، لہٰذا اس میں مندرج فارسی رباعیات بھی دیوان فارسی میں شامل نہ ہو سکیں۔ ممکن ہے مندرجہ بالا ایک رباعی انہوں نے حافظے کی تحویل میں، یا کسی اور بیاض میں رکھ چھوڑی ہو، اور وہاں سے کلیاتِ نظم فارسی میں شامل کر لی ہو۔ نسخۂ امروہہ کی اردو رباعیات سب مطبوعہ ہیں، اگرچہ بعض لفظی اختلافات ہیں، یہ رباعی جو سب سے آخر میں ہے البتہ غیر مطبوعہ ہے [ملاحظہ ہو عکس ورق ۶۳۔ الف]

گلشن شرر اہتمام بستر ہے آج
یعنی تپ عشق شعلہ پرور ہے آج
ہوں دردِ ہلاکِ نامہ بر سے بیمار
قارورہ مرا خونِ کبوتر ہے آج

اس رباعی کے معاً بعد ترقیمہ ہے:

"تمت تمام شد، بتاریخ چہار دہم رجب المرجب یوم سہ شنبہ، سنہ ہجری وقت دوپہر روز باقیماندہ فقیر بیدل اسد اللہ خاں عرف مرزا نوشہ متخلص بہ اسد عفی اللہ عنہ از تحریر دیوان حسرت عنوان خود فراغت یافتہ نہ فکرِ کاوشِ مضامینِ دیگر، رجوع بہ جناب روح میرزا علیہ الرحمتہ آورد۔ (ط)"

اس عبارت میں سنہ ہجری کے اعداد لکھنے سے رہ گئے ہیں، اِسی کے ساتھ ورق ۶۲۔ الف پر یہ مخطوطہ تمام ہو جاتا ہے دیوان کے ساتھ اِسی جلد میں ایک مخطوطہ "قصہ لیلیٰ مجنوں" بھی شریک کر دیا گیا ہے لیکن غالب سے متعلق اس کی کچھ اہمیت نہیں ہے، اس کی تفصیلات کو غیر ضروری سمجھ کر نظر انداز کیا جاتا ہے۔

(ب) بخطِ غالب ہونے کے شواہد:

اِس نسخے سے متعلق دو باتیں خاص طور سے بحث طلب ہیں۔ ایک تو یہ کہ اِس کے بخط غالب ہونے کے قرائن ترقیمے کی عبادت سے قطع نظر، اور کیا کیا ہیں۔ دوسرے یہ کہ اس کا زمانہ ترتیب وکتابت کیا متعین کیا جائے گا؟ خاص طور پر اس صورت میں کہ ترقیمے کی عبارت میں غالب نے سہواً سنہ ہجری کے اعداد نہیں لکھے ہیں۔ یہاں اس سلسلے میں چند بنیادی اہمیت کے امور کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔

نسخۂ امروہہ کے ترقیمے کی عبارت میں کوئی شک پیدا کرنے والی بات نہیں ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ اس وقت لکھا گیا ہے جب غالب صرف اسد تخلص کرتے تھے اور بیدل کے رنگ میں خیالی مضامین باندھتے تھے۔ بیدل سے ان کی عقیدت لوح دیوان ترقیمے کی عبارتوں سے ظاہر ہے اور یہ بھی معلوم ہوجاتا ہے کہ وہ تشیّع کی طرف ابتداے عمر ہی سے مائل تھے۔ اس میں عفی اللہ عنہ کے الفاظ بھی اس پر گواہ ہیں کہ مصنف خود ہی کاتب بھی ہے۔

(ج) غالب کا املا:

دوسرا بدیہی طریقہ یہ ہے کہ غالب کے ہاتھ کی لکھی ہوئی متعدد تحریریں دستیاب ہوتی ہیں اُن کی روشِ تحریر اور املا سے اس کا تقابلی مطالعہ کیا جائے۔ لیکن اس تقابل میں یہ خیال رکھنا ضروری ہے کہ ہمیں غالب کی زیادہ تر تحریریں ادھیڑ عمر یا بڑھاپے کی ملی ہیں اور نسخۂ امروہہ عنفوان شباب کا لکھا ہوا ہے۔ عمر کے ساتھ ساتھ انسان کے خط میں جو تبدیلی رونما ہوتی ہے، اگر اس کا لحاظ نہ رکھا گیا تو اسے شناخت کرنے میں کچھ دشواری بھی ہوسکتی ہے۔ جوانی میں انسان کے جسم میں طاقت اور ہاتھ میں بل ہوتا ہے اس لئے حروف کی نشست اور نوک پلک میں بھی جماؤ اور نزاکت ہوتی ہے، لیکن قویٰ میں اضمحلال پیدا ہو جانے پر ہاتھ کی گرفت کمزور ہوجاتی ہے اور خط میں پختگی تو رہتی ہے مگر تناسب اور نشستِ حروف کا جماؤ یا نوک پلک کی نفاست کم ہوجاتی ہے۔ یہ نسخہ، جیسا کہ ہم آگے چل کر بتائیں گے ۱۲۳۱ھ میں لکھا گیا ہے اور ۱۲۲۵ھ سے یقیناً پہلے اس کی کتابت ہوئی ہے۔ ۱۲۳۱ھ (۱۸۱۶ء) میں غالب کی عمر ۱۹ سال ہوگی۔ اس عمر کی تحریر کا مقابلہ، چالیس پچاس برس کی عمر میں لکھی ہوئی تحریروں سے کیا جائے تو روشِ خط اور خصوصیاتِ کتابت کو بہت گہری نظر سے دیکھنا ہوگا۔

غالب کی سب سے قدیم تحریر جو ہمیں دستیاب ہوئی ہے وہ اُن کا ایک خط ہے جو خدا داد خاں اور ولی داد خان کے نام ہے جو آگرے میں مہاجنی کا کاروبار کرتے تھے، یہ خط آزاد لائبریری علی گڑھ کے حبیب گنج کلکشن میں محفوظ ہے۔ حال ہی میں اس کا عکس ڈاکٹر مختار الدین احمد نے علی گڑھ میگزین: غالب نمبر (۱۹۶۹ء) میں شائع کرادیا ہے۔ وہ اس کے متعلق لکھتے ہیں:

> "مرزا کے اس مکتوب پر سال تحریر ۱۸۰۴ء درج ہے جو کسی طرح درست نہیں ہوسکتا اس وقت تو مرزا کی عمر چھ سات سال کی ہوگی۔ اگر صفر کو ایک کا عدد سمجھا جائے اور ۱۸۱۴ء پڑھا جائے جب بھی قرین قیاس نہیں اس طرح مرزا کی عمر سولہ سترہ سال قرار پاتی ہے اور تحریر کی پختگی بتارہی ہے کہ یہ تحریر سولہ سترہ سال کے لڑکے کی نہیں ہوسکتی، مزید براں خط کے آخر میں مرزا کی مہر ہے جس پر ۱۲۳۱ھ منقوش ہے جو مطابق ۱۸۱۶ء کے ہے۔ اگر اس سال یہ مہر کھدی ہے تو اس کا استعمال ۱۲۳۱/۱۸۱۶ یا اس کے بعد ہی ہوا ہوگا، گویا ۱۸۱۴ء خارج از بحث ہے، میرا خیال ہے کہ یہ تحریر ۱۸۲۴ء سے پہلے کی نہیں ہوسکتی۔"[1]

---

[1] علی گڑھ میگزین: غالب نمبر (مرتبہ بشیر بدر) ۱۹۶۹ء ص ۳۶

جناب مالک رام اس خط کا زمانۂ تحریر ۱۸۴۰ء مانتے ہیں[1]، لیکن میرا خیال ہے کہ یہ اس سنہ سے بہت پہلے کی تحریر ہے ڈاکٹر مختار الدین کا یہ خیال کہ ۱۸۲۴ء کی ہو سکتی ہے قابلِ قبول ہو سکتا ہے۔ مگر ہمارے مفید مطلب سرِ دست صرف دو امور ہیں: ایک تو یہ کہ زمانے کے تعین میں محققین کے اختلاف کے باوجود یہ غالب کی قدیم ترین تحریر ہے اور دوسری بات، جو اس موقع پر زیادہ اہم ہے یہ کہ اس کی روشِ کتابت اور نسخۂ امروہہ کے خط میں اتنی مماثلت موجود ہے جو دونوں تحریروں کو ایک ہی کاتب سے منسوب کرنے کے لئے قطعاً کافی ہو سکتی ہے۔

غالب کے طرزِ تحریر کی کچھ خصوصیات ہیں، جنھیں اُن کی تحریروں کو دیکھنے والے آسانی سے پہچان سکتے ہیں۔ مثلاً وہ الف اور دال یا الف اور را کو ملا دیتے ہیں، یعنی فریادی، بہادر، بہار وغیرہ الفاظ اس طرح لکھیں گے کہ دال یا رے الف ہی میں جڑی ہوئی ہوگی۔ یاے معروف و مجہول اگر بغیر وصل آئے تو سامنے کی طرف پھیلی ہوئی ہوگی یعنی لفظ شوخی' اس طرح لکھیں گے کہ ی کا آخری حصہ بڑی سی رے معلوم ہوگا۔ اسی طرح غیر مخلوط ہائے ہوّز کا سرا اتنا دبیز کر دیں گے کہ اگر اس کے نیچے شوشہ نہ ہو تو اُسے میم بھی سمجھا جا سکتا ہے دال اور واؤ کو ملا دینا بھی غالب کی منفرد روش ہے وہ 'دو' یا 'دوری' یا 'دوست' اس طرح لکھتے ہیں کہ اُس شکل کو ٹائپ میں ظاہر کرنا بہت مشکل ہے۔ بعض الفاظ کو ملا کر لکھنا بھی ان کی روش ہے مثلاً 'محفل میں' کو یوں لکھیں گے: محفلمیں۔ اسی طرح: مجلسمیں، جوشمیں وغیرہ۔

اگر کسی لفظ میں دال اور واؤ دونوں حروف ہیں تو ان کا مجموعہ دوچشمی ہا کی طرح بھی بنا دیتے ہیں جیسے افزودن میں آخری تینوں حرف ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہوں گے۔

ب ت ٹ وغیرہ حروف وہ دو طرح لکھتے ہیں کبھی تو دندانے دار، جس کا شوشہ آخر میں اوپر کی طرف اٹھا ہوا ہوتا ہے اور کبھی اس طرح کہ مقامِ وصل پر وہ دبیز ہوتی ہے اور آگے بڑھتے ہوئے نکیلی ہوتی جاتی ہے یہاں تک کہ بالکل خنجر کی سی شکل بن جاتی ہے۔

اس کے علاوہ غالب صحتِ الفاظ اور صحتِ املا کا بہت خیال رکھتے تھے، اگر کوئی اور کاتب یا پیشہ ور ناقل اس دیوان کو نقل کرتا تو ممکن نہ تھا کہ اس میں املا کی صریح غلطیاں، یا کم سے کم غالب کے خلافِ مزاج املا کا بکثرت اظہار نہ ہوتا[2] لیکن یہ پورا مخطوطہ املا کی غلطیوں سے حیرت انگیز طور پر پاک ہے صرف ایک جگہ غالب نے کثافت ہا' کو "کسافتہا" لکھ دیا ہے، یہ سہوِ قلم ہے۔ لیکن ایک سے زائد جگہ پر انہوں نے 'عدو' کی عین اور "مسلّط" کی میم پر پیش لگایا ہے، حالانکہ دونوں بفتحِ اول ہیں، اگر غالب اس کا تلفظ بضمِ اول کرتے تھے تو یہ اُن کی غلطی اور عوامی تلفظ کی تقلید تھی۔

---

[1] ذکرِ غالب (طبع ۴) ص ۲۲

[2] غالب کے املا سے تفصیلی بحث ڈاکٹر عبدالستار صدیقی نے مقدمہ خطوطِ غالب (مرتبہ مہیش پرشاد) میں اور مولانا عرشی نے مقدمہ مکاتیب غالب (طبع ششم ۱۹۴۹ء) صفحات ۲۱۹ و مابعد میں کی ہے اس سے رجوع کیا جائے۔

(د) زمانۂ ترتیب

مرزا نے پہلی بار اپنا دیوان کب مرتب کیا، یہ ابھی تک قطعیت سے طے نہیں ہو سکا ہے۔ لیکن اس زمانے کا جو بھی تخمینہ اب تک کیا گیا ہے نسخۂ امروہہ کی دریافت کے بعد اُس پہ نظرثانی کرنا ضروری ہو گیا ہے۔ اِس بحث کی وضاحت کے لئے ہمیں سب سے پہلے یہ دیکھنا ہوگا کہ مرزا نے شعر گوئی کب سے شروع کی؟ اس بارے میں خود اُن کے بیانات میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے انھوں نے شعر گوئی کے آغاز کے وقت اپنی عمر ایک جگہ دس سال، دوسرے موقع پہ بارہ سال، تیسری جگہ پندرہ سال لکھی ہے۔ قدر بلگرامی کو لکھا تھا:[1]

"بارہ برس کی عمر سے، نظم و نثر میں کاغذ مانند اپنے نامۂ اعمال کے سیاہ کر رہا ہوں باسٹھ برس کی عمر ہوئی، پچاس برس اِس شیوے کی ورزش میں گزرے۔"

دوسرے خط میں کہتے ہیں:[2]

"پندرہ برس کی عمر سے شعر کہتا ہوں۔ ساٹھ برس بکا، نہ مدح کا صلہ ملا نہ غزل کی داد۔"

ان بیانوں کو سامنے رکھ کر مولانا امتیاز علی عرشی نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ[3] "میرزا صاحب کی سخن سرائی کا آغاز ۱۲۲۲ھ (۱۸۰۷ء) ۱۲۲۴ھ (۱۸۰۹ء) اور ۱۲۲۷ھ (۱۸۱۲ء) میں سے کسی ایک سال ہُوا تھا۔ ان میں سے راجح قول یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ تقریباً دس برس کی عمر سے شعر گو تھے کیوں کہ کلیاتِ فارسی کا اظہار، جو سب سے قدیم ہے، یہی ثابت کرتا ہے، اور اس کی تائید اُن کے ہم جولی لالہ کنہیالال کے بیان سے بھی ہوتی ہے جسے خواجہ حالی مرحوم نے نقل کیا ہے۔"

اگر ہم یہ تسلیم کر لیں کہ مرزا نے دس برس کی عمر یعنی ۱۲۲۲ھ (۱۸۰۷ء) سے شعر کہنا شروع کر دیا تھا تب بھی یہ نکتہ قابلِ لحاظ ہے کہ شعر گوئی کا آغاز جمع دیوان کے آغاز کو مستلزم نہیں ہے۔ میرا خیال ہے کہ ۱۲۲۷ھ (۱۸۱۲ء) تو اس صورت میں خارج از بحث ہو جاتا ہے، اگر ہم بقول حالی نواب حسام الدین حیدر خاں کا لکھنؤ جا کر میر کو غالب کا کلام سنایا اور میر کا اس پر یہ تبصرہ کرنا صحیح مان لیں کہ[4] "اگر اس لڑکے کو کوئی کامل استاد مل گیا اور اس نے اس کو سیدھے رستے پر ڈال دیا تو لاجواب شاعر بن جائے گا ورنہ مہمل بکنے لگے گا۔" اس لیے کہ میر کا انتقال ۱۲۲۵ھ (۱۸۱۰ء) میں ہُوا ہے اور حسام الدین خاں اسی سال یا ۱۸۰۹ء میں ان سے ملے ہوں گے۔ اِس لیے آغاز شعر گوئی کا زمانہ ۱۲۲۲ھ (۱۸۰۷ء) مان لینے میں کوئی قباحت نہیں ہے۔

اپنا بالکل ابتدائی دور کا کلام مرزا نے کسی بیاض میں یا متفرق پرچوں پر لکھا ہوگا، اس بیاض کے ردیف وار جمع ہوئے یا دیوان کی صورت میں شروع ہونے کا امکان بہت کم ہے انھوں نے ایک خط میں لکھا تھا:

---

[1] اردوئے معلیٰ (مطبع کریمی لاہور ۱۹۲۲ء) ص ۳۰۴ [2] ایضاً: ۱۹۴ [3] دیباچہ دیوان غالب نسخۂ عرشی: ۱۲
[4] حالی: یادگار غالب ص ۹۷-۹۸ (بحوالہ ذکر غالب طبع چہارم ص ۴۲-۴۳)

"۱۵ برس کی عمر سے ۲۵ برس کی عمر تک مضامین خیالی لکھا کیا۔ دس برس میں بڑا دیوان جمع ہو گیا۔"[1]

اس کی رُو سے انہوں نے ۱۲۲۷ھ سے شعر کہنا شروع کیا اور ۱۲۳۷ھ تک "بڑا دیوان" جمع کر لیا۔ لیکن یہ تخمینہ بھی صحیح نہیں ہے۔ غالب نے ۱۲۳۱ھ (۱۸۱۶ء) میں اپنا دیوان مکمل کر لیا تھا جب ان کی عمر ۱۸۔ ۱۹ سال سے زائد نہیں تھی۔ اور وہ یہی نسخہ امروہہ ہے۔

(۵) زمانہ کتابت

نسخہ امروہہ کے اختتام پر واضح الفاظ میں ترقیمہ موجود ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مرزا غالب اس دیوان کی کتابت سے ۱۴۔ رجب کو منگل کے دن شام کے وقت فارغ ہوئے تھے۔ مگر افسوس ہے کہ انہوں نے سنہ ہجری کے اعداد نہیں لکھے، اگر یہ اعداد بھی موجود ہوتے تو اس نسخے کی اہمیت اور قدر و قیمت میں اضافہ ہو جاتا بصورت موجودہ ہمیں دوسرے ذرائع سے سنہ کی تعیین کرنی پڑتی ہے۔

سب سے پہلے تو ہم اس سنہ کی آخری ممکنہ حد متعین کر لیں جب یہ نسخہ لکھا گیا۔ اتفاق سے اس کی ایک قوی اندرونی شہادت موجود ہے۔ ورق ۴۱۔ الف کے حاشیے پر غالب نے اپنے قلم سے ایک مختصر یادداشت لکھی ہے "لعل خاں اول صفر ۱۲۳۵ھ درماہہ دو روپیہ آٹھ آنے" (ملاحظہ ہو عکس) اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مرزا نے لعل خاں نامی کسی شخص کو ڈھائی روپیہ ماہوار پر یکم صفر ۱۲۳۵ھ سے ملازم رکھا تھا۔ اور ورق ۴۱۔ الف کے حاشیے پر اس یادداشت کا ہونا اس بات کا ثبوت ہے کہ اس تاریخ تک دیوان لکھا جا چکا تھا ورنہ یہ عبارت اول و آخر کے کسی صفحے پر ہونا چاہیئے تھی۔ اب یہ دیکھنا چاہیے کہ تقویم ہجری و عیسوی کی رو سے ۱۴۔ رجب کس سال منگل کے دن واقع ہوئی تھی۔ تقویم کا حساب بتاتا ہے کہ ۱۲۳۱ھ میں ۱۴۔ رجب کو بدھ کا دن تھا، واقعی تاریخ اور اس حساب میں ایک دن کا فرق رؤیت کی وجہ سے رہ جاتا ہے۔ اگر ہم یہ تسلیم کر لیں کہ ۱۲۳۱ھ میں رجب کا چاند ۲۹۔ جمادی الثانیہ کو نظر آیا تھا تو ۱۴۔ رجب کو سہ شنبہ ہی پڑتا ہے۔ ۱۲۳۱ھ میں غالب کی عمر ۱۹ سال ہوتی ہے اور انہوں نے اپنی شاعری کے آغاز اور جمع دیوان کے بارے میں جو شہادتیں چھوڑی ہیں ان سے اس سنہ کو تسلیم کر لینے میں کوئی تناقض یا تضاد نہیں ہے۔

اگر ۱۲۳۱ھ والے حساب کو ازراہِ احتیاط نہ بھی مانا جائے، (اور بظاہر ہمیں کوئی مانع نظر نہیں آتا) تو اتنا بالکل بدیہی ہے کہ غالب کا یہ دیوان صفر ۱۲۳۵ھ سے پہلے لکھا گیا ہے اور اس کی کتابت کا زمانہ ۱۲۳۱ھ سے ۱۲۳۵ھ کے مابین کوئی سال ہو سکتا ہے۔

پہلی تسوید کے وقت اس دیوان میں ۱۵۳۲ اشعار تھے اور تمام غزلوں کے مقطع میں اسد تخلص استعمال کیا گیا تھا۔ نظر ثانی کے زمانے میں (بعد ۱۲۳۵ھ) وہ اپنا تخلص غالب طے کر چکے تھے چنانچہ بہت سی غزلوں میں اسد کی جگہ غالب موزوں کر دیا ہے۔ نیز انہوں نے صفر ۱۲۳۵ھ اور صفر ۱۲۳۷ھ کے درمیان دو سال کے عرصے میں کم سے کم تیرہ غزلیں اور کہیں جن کے اشعار کی مجموعی تعداد ۱۲۲ ہوتی ہے اور یہ اشعار کاتب دیوان کو املا کرا دیے جو اس نے اس دیوان کے حاشیوں پر لکھ لیے۔ ان کے شمول سے

---

[1] عود ہندی: ۱۵۹

ہی نسخہ امروہہ کے اشعار کی کل تعداد (۱۹۵۴) ہو جاتی ہے۔ [دیکھو فہرست اشعار]

(و) ترتیب دیوان کے مدارج

نسخہ امروہہ کی دریافت کے بعد میری رائے یہ ہے کہ مرزا نے اپنا ابتدائی دور کا کلام کسی بیاض میں فراہم کرنا شروع کیا، (خواہ وہ ردیف وار ہو یا بہ ترتیب نظم لکھی گئی ہو) لیکن اس میں ۱۲۳۱ھ تک ڈیڑھ ہزار اشعار جمع ہو چکے تھے۔ ایسی کوئی بیاض ابھی تک ہمارے علم میں نہیں ہے لیکن نسخۂ امروہہ کی دریافت کے بعد امید کی جاسکتی ہے کہ کبھی وہ بھی مل جائے گی۔ اس بیاض کو انہوں نے نوک پلک درست کرنے کے بعد دیوان کی شکل میں ردیف وار ترتیب دیا اور اُسے اپنے قلم سے صاف کر کے دیوان کا پہلا نسخہ تیار کر لیا۔ جو زیر بحث دیوان ہے۔

اس کا ثبوت کہ نسخۂ امروہہ کی خام شکل ایک اور دیوان تھا بعض قرینوں سے بھی ملتا ہے۔ مولانا عرشی نے اپنے مرتبہ دیوان کے مقدمے میں تحریر فرمایا ہے :

> "میرزا صاحب نے اپنا ردیف وار اُردو دیوان صفر ۱۲۳۷ھ (۱۸۲۱ء) میں صاف کرایا تھا اس کی اصل کوئی مرتب دیوان تھا یا وہ بیاض تھی جس میں بہ ترتیب نظم اشعار لکھے گئے تھے، اس سوال کا جواب دینے کے لیے ابھی تک کوئی مسالا نہیں مل سکا۔ لیکن یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ میرزا صاحب نے ۱۲۳۷ھ سے قبل کے کہے ہوئے متعدد شعر اس میں شامل نہیں کئے تھے چنانچہ 'یادگار نالہ' کے وہ شعر جو عمدۂ منتخبہ، عیار الشعرا اور دوسرے قدیم ماخذوں سے نقل کیے گئے ہیں، اس دعوے کا بیّن ثبوت ہیں۔"

اب یہ تو معلوم ہو گیا کہ نسخۂ بھوپال کی اصل ایک مردّف اور مرتب دیوان تھا، لیکن اُس دیوان میں بھی بعض وہ اشعار نہیں ہیں جو عمدۂ منتخبہ اور عیار الشعرا میں غالب سے منسوب ہوئے ہیں۔ اس سے یہ قیاس کرنا بے جا نہ ہو گا کہ نسخۂ امروہہ کے مسودے میں بھی غالب نے ترمیمیں کی تھیں اور بعض غزلیں خارج کر دی تھیں، جن کے یہ اشعار عمدۂ منتخبہ اور عیار الشعرا میں باقی رہ گئے ہیں[1]

نیاز عشق خرمن سوز ارباب ہوس بہتر
جو ہو جائے نثار برق مشت خار و خس بہتر

یاد آیا جو وہ کہنا کہ نہیں، واہ غلط
کی تصور نے بہ صحرائے ہوس راہ غلط

---

[1] ان اشعار سے متعلق بحث کے لیے رسالہ اردو کراچی غالب نمبر (فروری ۱۹۶۹ء) میں ڈاکٹر فرمان فتح پوری کا مضمون اور رسالہ نقوش لاہور غالب نمبر (فروری ۱۹۶۹ء) میں ڈاکٹر وحید قریشی کا فاضلانہ مقالہ "دیوان غالب نسخہ شیرانی" بھی ملاحظہ ہوں۔

محفلِ شمعِ عذاراں میں جو آ جاتا ہوں　　شمع ساں میں تہِ دامانِ صبا جاتا ہوں
ہوتے ہے جادۂ رہ رشتۂ گوہر ہر گام　　جس گذرگاہ میں میں آبلہ پا جاتا ہوں
سرگراں مجھ سے سبک ہو کے نہ رہئے کہ ہو　　کہ بیک جنبشِ لب مثلِ صدا جاتا ہوں

دیکھتا ہوں اُسے، تھی جس کی تمنا مجھ کو　　آج بیداری میں ہے خوابِ زلیخا مجھ کو

ہنستے ہیں دیکھ دیکھ کے سب ناتواں مجھے　　یہ رنگِ زرد ہے چمنِ زعفراں مجھے

دیکھ وہ برقِ تبسم بسکہ دل بیتاب ہے　　دیدۂ گریاں مرا فوارۂ سیماب ہے
کھول کر دروازۂ میخانہ، بولا مے فروش　　اب شکستِ توبہ میخواروں کو فتح الباب ہے

اک گرم آہ کی تو ہزاروں کے گھر جلے　　رکھتے ہیں عشق میں یہ اثر ہم جگر جلے
پروانے کا نہ غم ہو تو پھر کس لیے اسد　　ہر رات شمع شام سے لے تا سحر جلے

ماہِ نو ہوں کہ فلک عجز سکھاتا ہے مجھے　　عمر بھر ایک ہی پہلو پہ سُلاتا ہے مجھے

مندرجہ بالا سب اشعار "عمدہ منتخبہ" سے لیے گئے ہیں اور ذیل کے اشعار "عیار الشعرا" میں ہیں :

زخمِ دل تم نے دکھایا ہے کہ جی جانے ہے　　ایسے ہنستے کو رلایا ہے کہ جی جانے ہے

صبا لگا وہ طمانچہ طرف سے بلبل کی　　کہ روئے غنچۂ گل سوئے آشیاں پھر جائے

یہ سب اشعار نسخۂ بھوپال میں نہیں ہیں، چونکہ اِن تذکروں کا زمانۂ تالیف نسخۂ بھوپال کی ترتیب سے قبل کا ہے اِس لیے انھیں نسخۂ امروہہ میں ہونا چاہیئے تھا، لیکن یہ نسخہ بھی اِن اشعار سے خالی ہے اِس سے لازماً یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ نسخۂ امروہہ بھی کسی دیوان یا بیاض کی اصلاح یافتہ شکل ہے اور یہ اشعار اس میں موجود ہوں گے جنھیں بعد میں غالب نے قلم زد کر دیا، جس طرح نسخہ امروہہ میں انھوں نے بہت سے اشعار قلم زد کر دیے ہیں جنھیں نسخہ بھوپال میں شامل نہیں کیا۔

دوسرا اہم نکتہ یہ ہے کہ نسخہ امروہہ کے حواشی پر بعض غزلیں (جن کی فہرست آگے دی گئی ہے) کسی دوسرے بدخط کاتب کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ملتی ہیں اور یہ سب غزلیں (ایک مستثنیٰ) نسخۂ بھوپال کے متن یا حواشی میں شامل ہیں گویا ان کا زمانہ تصنیف ۱۲۳۱ھ ۱۸۱۶ء اور ۱۲۳۷ھ/۱۸۲۲ء کے درمیان ہے۔ یہاں فہرست بنا کر ظاہر کیا جاتا ہے کہ مرزا غالب کا متداول دیوان اپنی ترتیب

انتخاب کے کن مدارج سے گذرا ہے۔

۱۔ **ابتدائی بیاض:** اردیف وار یا بہ ترتیب نظم (جس میں آغاز شعر گوئی سے ۱۲۳۱ھ تک کا کلام تھا۔

۲۔ **نسخۂ امروہہ:** جسے ابتدائی بیاض کی مرتب شکل کہنا چاہیئے۔ یہ ۱۴ رجب ۱۲۳۱ھ روز سہ شنبہ کو مکمل ہوا۔

۳۔ **دوسرا نسخہ:** نسخۂ امروہہ میں حک و اصلاح اور ترمیم و اضافے کے بعد یہ دیوان تیار ہوا جس کا ابتدائی حصہ (نسخۂ امروہہ کے ورق ۲۸۔ الف تک) خود غالب کے قلم سے صاف کیا گیا تھا، باقی حصہ کسی اور کاتب نے نقل کیا۔ اس لئے کہ نسخۂ امروہہ کے ورق ۲۸۔ الف پر اس غزل کے ساتھ جس کا مقطع ہے:

بنا کر فقیروں کا ہم بھیس غالب
تماشائے اہلِ کرم دیکھتے ہیں

یہ لکھا ہوا ہے: "تا ایں جا نوشتہ ام" اور اس مطلع کے ساتھ:

جوں مردمکِ چشم میں ہوں جمع نگاہیں
خوابیدۂ حیرت کدۂ داغ ہیں آہیں

یہ نوٹ کیا گیا ہے کہ "ازیں جا شروع"۔ اس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ ترمیم و اصلاح کے بعد نسخۂ امروہہ کو ورق ۲۸ / الف تک خود غالب نے صاف کرنا شروع کر دیا تھا اس دوران میں انھیں کاتب مل گیا تو باقی حصہ اس سے لکھوایا گیا۔ اور جو غزلیں بعد میں کہی گئی تھیں وہ کاتب نے نسخۂ امروہہ کے حاشیے پر لکھ لی تھیں وہاں سے مبیضہ میں نقل ہوئیں۔ یہی مبیضہ نسخۂ بھوپال کی اصل رہا ہوگا اس لیے میں اس کا زمانہ کتابت صفر ۱۲۳۷ھ سے پہلے اور صفر ۱۲۳۵ھ کے بعد مانتا ہوں۔

۴۔ **نسخۂ بھوپال**[1]: اس کی کتابت ۵ صفر ۱۲۳۷ھ (اکتوبر ۱۸۲۱ء) میں تمام ہوئی۔ یہ وہی نسخہ ہے جس کا کلام نسخۂ حمیدیہ میں شامل ہے۔ اصل مخطوطہ مفقود ہو چکا ہے۔

۵۔ **نسخۂ شیرانی**[2]: یہ نسخہ بھوپال کا مبیضہ ہے اس کا زمانہ قیاساً ۱۲۴۲ھ / ۱۸۲۶ء بتایا جاتا ہے۔

۶۔ **گل رعنا**[3]: تاریخ ترتیب مابین ۴ شعبان ۱۲۴۳ھ / ۱۹ فروری ۱۸۲۸ء و ربیع الاول ۱۲۴۵ھ / ستمبر ۱۸۲۹ء

---

[1] تفصیل کے لیے: دیباچہ نسخۂ عرشی صفحات ۷۵ تا ۸۷، ڈاکٹر عبداللطیف: غالب (اردو ترجمہ) مطبوعہ دہلی ص ۱۴۵-۱۴۶

گیان چند: غالب اور بھوپال۔ اردوئے معلیٰ (دہلی) غالب نمبر حصہ اول ۱۹۶۰ء

سید حامد حسین: دیوان غالب نسخۂ بھوپال کی کہانی۔ اردو ادب (علی گڑھ) غالب نمبر شمارہ ۱ / ۱۹۶۹ء

ابو محمد سحر: دیوان غالب کا ایک اہم گم شدہ مخطوطہ۔ نیا دور (لکھنؤ) غالب نمبر فروری ۱۹۶۹ء

[2] ملاحظہ ہو دیباچہ نسخۂ عرشی صفحات ۸۷ تا ۱۸ معاصر (پٹنہ) حصہ ۱۲

وحید قریشی: دیوان غالب نسخۂ شیرانی۔ نقوش (لاہور) غالب نمبر فروری ۱۹۶۹ء

[3] دیباچہ نسخۂ عرشی صفحات ۸۱ تا ۸۲ مالک رام: گل رعنا (حصہ فارسی) نگار (لکھنؤ) جولائی ۱۹۶۰ء نیز "نذر ذاکر" ۱۹۶۸ء

۷۔ نسخہ رام پور[1] : (قدیم) مکتوبہ ۱۲۴۸ھ/۱۸۳۳ء

۸۔ نسخہ بدایوں[2] : مابین ۱۲۵۲ھ/۱۸۳۵ء و ۱۲۵۴ھ/۳۹-۱۸۳۸ء

۹۔ نسخہ کراچی[3] : ۲۶ ۔شعبان ۱۲۶۱ھ/اگست ۱۸۴۵ء

۱۰۔ نسخہ لاہور : غالباً ۱۲۶۸ھ/۱۸۵۲ء کا لکھا ہوا

۱۱۔ نسخہ رام پور (جدید) ۱۲۷۱ھ/۱۸۵۵ء

۱۲۔ نسخہ طاہر : مکتوبہ ۶ جمادی الثانیہ ۱۲۷۷ھ/۲۲ دسمبر ۱۸۶۰ء

ان نسخوں میں غالب کے قدیم کلام کا مطالعہ کرنے کے لیے نسخۂ امروہہ سب پر فوقیت رکھتا ہے۔ اس کی ترقی یافتہ شکل نسخۂ بھوپال ہے جسے اب تک غالب کا سب سے پہلا دیوان سمجھا جاتا تھا۔ اور اُس کا مبیضہ نسخہ شیرانی ہے۔ گلِ رعنا کو متداول دیوان کا نقش اول کہنا چاہیے۔

(ز) نسخہ امروہہ کی اصلاحیں :

زیرِ بحث نسخے میں غالب نے پہلی روایت کو تبدیل کر کے کس طرح کی تبدیلیاں کی ہیں اس سے ان کے ذوقِ سخن کا ارتقا معلوم ہوتا ہے یہاں چند مثالیں درج کی جاتی ہیں :

۱۔ غزل نمبر ۵ کا دوسرا شعر ہے : اوگی اک پنبۂ روزن سے بھی چشم سفید آخر
حیا کو انتظار جلوہ ریزی کے کمیں پایا

پہلا مصرع ابتدا میں یوں تھا : — اوگے چشم سفید از پنبۂ روزن تماشا ہے

غالب نے اسے اپنے قلم سے تبدیل کیا ہے۔

۲۔ غزل نمبر ۸ کا مقطع : اسد کو بت پرستی عالم درد آشنائی ہے
نہاں ہے نالہ ناقوس میں در پردہ یارب ہا

ترمیم سے قبل پہلا مصرع یوں تھا : — اسد کو بت پرستی مطلب از درد آشنائی ہے

۳۔ غزل نمبر ۱۵ شعر ۳ : اسیر بے زبانی ہوں مگر صیاد بے پروا
بدام جوہر آئینہ ہو جاوے شکار اپنا

---

[1] دیباچہ نسخہ عرشی صفحات ۸۲-۸۴

[2] نقوش لاہور شمارہ ۸۱-۸۲ (جون ۱۹۶۰ء) میں مولانا عرشی کا مضمون "دیوانِ غالب کا ایک اور نادر مخطوطہ"

[3] سید عبداللہ : دیوانِ غالب کا ایک نادر قلمی نسخہ۔ ماہِ نو (کراچی) جولائی ۱۹۵۴ء

پہلا مصرع ابتداءً یوں تھا:— گرفتارانِ الفت میں بے زباں ہیں، کاش صیاد سے

۴- غزل نمبر ۱۶ کا مطلع: بسکہ جوشِ گریہ سے زیر و زبر ویرانہ تھا
چاکِ موجِ سیل تا پیراہنِ دیوانہ تھا

ترمیم سے پہلے یوں تھا: ——— چاکِ موجِ سیل در پیراہنِ دیوانہ تھا

۵- غزل نمبر ۱۶ شعر ۳: حیرت اپنے نالۂ بیدرد سے غفلت بنی
راہ خوابیدہ کو غوغائے جرس افسانہ تھا

قبل اصلاح: ——— حیرت از شورِ فغانِ بے اثر غفلت ہوئی

۶- غزل ۱۶ شعر ۵: شب تری تاثیر سحر شعلۂ آوازہ سے
تارِ شمع آہنگِ مضراب پہ پروانہ تھا

قبل اصلاح: ——— از نفس گرمیِ سحرِ شعلۂ آوازِ یار

۷- غزل ۱۹ شعر ۵: تمنائے زباں محوِ سپاس بے زبانی ہے
مٹا جس سے تقاضا شکوۂ بے دست و پائی کا

قبل اصلاح: ——— تمنائے زباں محوِ سپاسِ بے زبانی ہا

۸- غزل ۲۱ شعر ۴: شرر فرصت نگہ، سامانِ یک عالم چراغاں ہے
بقدرِ رنگ یاں گردش میں ہے پیمانہ محفل کا

۹- غزل ۲۲ شعر ۵: فزوں ہوتا ہے ہر دم جوشِ خوں باری تماشا ہے
نفس کرتا ہے رگہائے مژہ پر کام نشتر کا!

قبل اصلاح: ——— نفس کرتا ہے بر رگ ہائے مژگاں کام نشتر کا

۱۰- غزل ۲۵ مطلع: بہارِ رنگِ خونِ گل ہے ساماں اشکباری کا
جنونِ برق نشتر ہے رگِ ابرِ بہاری کا

قبل اصلاح: ——— کہ برق اور شعلہ نشتر ہے رگِ ابرِ بہاری کا

۱۱- غزل ۲۸ شعر ۵: وحشیِ بن صیاد نے ہم رم خوردوں کو کیا رام کیا
رشتۂ چاکِ جیب دریدہ صرفِ قماشِ دام کیا

قبل اصلاح: ——— رشتۂ چاکِ جیب دریدہ یکسر صرفِ دام کیا

۱۲- غزل ۳۰ شعر ۲: عجب اے آبلہ پایاں صحرائے نظر بازی
کہ تارِ جادۂ رہ رشتۂ گوہر نہیں ہوتا

قبل اصلاح ـــــــــــ عجب اسے آبلہ پایاں صحرائے محبت ہا

۱۳۔ غزل ۲۶ شعر ۳ : بت پرستی ہے بہار نقشبندی جہاں
ہر صریر خامہ میں یک نالۂ ناقوس تھا

قبل اصلاح ـــــــــــ از صریر خامہ پیدا نالۂ ناقوس تھا

۱۴۔ غزل ۲۷ شعر ۹ : وہ نفس ہوں کہ اسد مطرب دل نے مجھ سے
سازپر رشتہ پئے نغمۂ بیدل باندھا

قبل اصلاح ـــــــــــ وہ نفس ہوں کہ اسد زمزمۂ فرصت نے
رشتہ برساز پئے نغمۂ بیدل باندھا

یہ چند مثالیں اس ترمیم اور اصلاح کی نوعیت ظاہر کرنے کے لئے اخذ کی گئی ہیں جن سے نسخہ امروہہ ابتدائی ترتیب کے بعد گذرا ہے۔ ان میں کچھ اصلاحیں نسخہ بھوپال کے متن میں موجود ہیں اور کچھ وہاں حاشیے پر درج ہوئی ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ نسخہ بھوپال کی تسوید کے بعد عمل میں آئیں

(ح) نسخہ حمیدیہ کی تصحیح :

نسخۂ امروہہ کی جہاں یہ خصوصیت ہے کہ وہ غالب کے قلم سے لکھا ہوا ہے، اور اب تک دریافت ہونے والے تمام نسخوں میں قدیم ترین اور سب سے زیادہ مستند ہے، نیز اس میں غالب کی متعدد غزلیں اور اشعار غیر مطبوعہ ہیں، جو پہلی بار سامنے آئے ہیں، وہیں اس کی ایک ضمنی اہمیت اور بھی ہے۔ نسخہ بھوپال (مکتوبہ صفر ۱۲۳۷ھ) اب مفقود ہو چکا ہے مگر یہ ۱۹۲۱ء میں مفتی انوار الحق مرحوم کی تصحیح اور ڈاکٹر عبدالرحمٰن بجنوری کے مقدمے کے ساتھ "نسخہ حمیدیہ" کے نام سے شائع ہوا تھا۔ اس کی اشاعت کے وقت تک اُردو میں دواوین کی ترتیب و تصحیح کے معیاری نمونے موجود نہیں تھے، اس لئے اُس کا متن پوری احتیاط اور چھان بین کے ساتھ مدون نہیں ہوا۔ دوسرے یہ کہ نسخۂ بھوپال کا معتدبہ کلام وہ تھا جو اس وقت تک اور کسی نسخے میں نہیں ملتا تھا لہٰذا اس کی تصحیح کا کوئی دوسرا ذریعہ بھی نہیں تھا۔ اب خواہ کاتب نسخہ نے غلطی کی ہو یا مرتب سے پڑھنے میں سہو ہوا ہو، جو بھی طباعت، کتابت یا قرأت کی غلطی اس میں رہ گئی وہ کسی اور ذریعے سے دور نہیں جا سکتی، قیاسی تصحیح کو صحت کا مدار بنانا عموماً خطرے سے خالی نہیں ہوتا۔ اب نسخۂ امروہہ کے سامنے آجانے سے یہ دشواری نہ رہے گی، نسخۂ حمیدیہ کے بہت سے اشعار جو مہمل معلوم ہوتے تھے اُن کی صحت ہو گئی اور وہ بامعنی نظر آنے لگے۔ چند مثالیں لکھتا ہوں، اشعار کا متن نسخہ عرشی سے لیا گیا ہے اور تصحیح نسخۂ امروہہ سے کی گئی ہے :

۱۔ وحشتِ خوابِ عدم شورِ تماشا ہے اسد [جو] مژہ، جوہر نہیں آئینۂ تعبیر کا [جُز]

۲۔ عدم ہے خیر خواہِ [جلوۂ] زندانِ بیتابی خرامِ نازِ برقِ خرمنِ [سعی پسند] آیا
جلوہ کو ـــــــــــ حاصلِ سعی پسند آیا

۳۔ بعجز آباد وہم مدعا تسلیم شوخی ہے تغافل کو نکرہ [معزول] تمکیں آزمائی کا
مغرور

۴۔ نظر بازی طلسم وحشت آباد [پرشیاں] ہے رہا بیگانہ تاثیر افسوں آشنائی کا
پرستاں

۵۔ اسد کو پیچتاب طبع برق آہنگ مسکن [سے] حصار شعلۂ جوالہ میں عزلت نشیں پایا
ہے

۶۔ نزاکت ہے فسونِ دعوی طاقت شکستن ہا شرار سنگ، انداز چراغ از جسم [ختنہا]
جستن ہا

۷۔ ہوانے ابر سے کی موسم گل میں نمد بانی کہ تھا آئینۂ خور بے نقاب [رنگ] بستن ہا[1]
زنگ

۸۔ [غریبی] بہر تسکین ہوس درکار ہے ورنہ بوہم زر گرہ میں باندھتے ہیں برق حاصل ہا
فریبے

۹۔ عیادت ہاے طعن آلودِ یاراں زہرِ قاتل ہے رفوے زخم [کرتی ہے] ہنوکِ نیشِ عقرب ہا
کرتے ہیں

۱۰۔ داغ مہر ضبط بے جا مستی سعی [پسند] دود مجمر لالہ ساں دردِ تہ پیمانہ تھا
سپند

۱۱۔ صدا ہے کوہ میں حشر آفریں اے غفلت اندیشاں پئے سنجیدنِ باراں [ہم] حامل خواب سنگیں کا
ہوں

۱۲۔ آیا نہ [بیابانِ طلب گام] زباں تک تب خالۂ لب ہو نہ سکا آبلۂ پا
آیا نہ بیانِ طلب کام،

۱۳۔ فریاد سے پیدا ہے اسد گرمی وحشت تب خالۂ لب ہے جرس [آبلۂ] پا
قافلہ

۱۴۔ زمیں کو صفحۂ گلشن بنایا خوں چکانی [سنے] چمن بالید نیہاں از رم نخچیر ہے پیدا
سے

---

[1] بعض اشعار ممکن ہے نسخۂ عرشی میں طباعت کی غلطی سے مسخ ہو گئے ہوں۔ یہ سطور لکھتے وقت میرے سامنے نسخۂ حمیدیہ نہیں ہے لیکن قریب بہ یقین ہے کہ نسخۂ عرشی میں طباعت کی غلطیاں اتنی وافر مقدار میں نہ رہی ہوں گی ۔

۱۵۔ ہے عرق افشاں مشی سے ، ادہم مشکین بار وقت شب [اختر کنی ہے] چشم بیدار رکاب
اختر کنے ہے
اختر شمر ہے

۱۶۔ شب کہ تھا [نظارگی] روے بتاں کا ، اے اسد گر گیا بام فلک سے صبح طشتِ آفتاب
نظارہ گر

۱۷۔ اسد [پردے] میں بھی آہنگ شوق یار قائم ہے نہیں ہے نغمے سے خالی خمیدن ہاے چنگ آخر
پیری

۱۸۔ لذت تقریر عشق ، پردگی گوش دل جوہر افسانہ ہے عرض [تحمل] ہنوز
تجمل

۱۹۔ تیز تر ہوتا ہے خشم تند [خوباں] عجز سے ہے رگ سنگ فسانِ تیغ شعلہ خار وخس
خوباں

۲۰۔ وحشت افزا گریہ ہا موقوف فصل گل اسد چشم دریا ریز ہے [میزاب] سرکار چمن
میر آب

۲۱۔ خموشی خانہ زاد چشم بے پروا نگاہاں ہے غبار سرمہ یاں گرد سواد [برگستاں] ہے
نرگستاں

۲۲۔ رہا بے قدر دل در پردۂ جوش ظہور آخر گل و نرگس بہم [آئینہ و اقلیم] کوراں ہے
آئینہ دراقلیم

۲۳۔ دیوانگاں ہیں حامل راز نہان عشق اے بے تمیز گنج [کو پروانہ] چاہیئے
بو یرانہ

۲۴۔ کیا یکسر گداز دل [بنانہ] جوشش حسرت سویدا ، نسخہ تہ بندی داغ تمنا ہے
نیاز

۲۵۔ گریے سے بند محبت میں ہوئی نام آوری لخت لخت دل [مکین] خانۂ زنجیر ہے
نگین

۲۶۔ ہجوم ضبط فغاں سے مری زبانِ خموشش [بزنگ بستہ] زہراب دادہ پیکاں ہے
برنگ پستہ

۲۷۔ پنبۂ [مینائی ہی] رکھ لو تم اپنے کان میں مے پرستاں ناصح بے صرفہ گو بے ہودہ ہے
مینائے مے

۲۸۔ اثرِ بیں یاں تمک اسے دستِ دعا [حقِ تصرف] کر — کہ سجدہ قبضۂ تیغ خم محراب ہو جاوے
وحقِ تصرف

۲۹۔ [ہے] مشق وفا جانتے ہیں لغزشِ پا تک — اے شمع تجھے دعویٔ ثابت قدمی ہے
ہم

۳۰۔ گداز سعیٔ بینش شست و شو [سے] نقش خود کامی — سراپا شبنم آئینِ اک نگاہ پاک باقی ہے
شوے

مندرجہ بالا اشعار میں سرسری ورق گردانی کا حاصل ہیں، اگر نسخہ امروہہ سے نسخہ حمیدیہ کے متن کا مقابلہ کیا جائے تو بہت دلچسپ ملطیاں برآمد ہوں گی جو اس لیے شائع ہو گئیں کہ نسخہ حمیدیہ کا متن "حرفِ آخر" ہو کر رہ گیا تھا۔ ایک مثال عمدہ منتخبہ سے بھی پیش کرتا ہوں۔ یہ مطلع سرور نے درج کیا ہے۔

جگر سے ٹوٹے ہوئے ہوگی ہے سناں پیدا
وہاں زخم سے آخر ہوئی زباں پیدا

تذکرۂ سرور کے قلمی نسخہ لندن کا عکس (مملوکۂ جناب مالک رام) میری نظر سے گذرا ہے اب یاد نہیں کہ اس میں مطلع کے یہی الفاظ ہیں یا ان سے کچھ مختلف ہیں۔ مگر دہلی یونیورسٹی کے شعبۂ اردو نے جو تذکرۂ سرور کا متن مسخ کیا ہے وہ پیشِ نظر ہے اس میں مطلع اسی طرح ہے۔ جناب مالک رام نے اپنے مرتبہ دیوان میں اور مولانا عرشی نے نسخۂ عرشی کے حصّہ "یادگار نالہ" میں اسی طرح درج کیا ہے اور مذکورہ بالا مصادر سے جہاں بھی نقل ہوا ہے اس کی یہی صورت ہے میں نے مطبوعہ تذکرہ سرور کے نسخے پر غلطیوں کی نشاندہی کرتے ہوئے اس کی قیاسی تصحیح یوں کی تھی۔

جگر سے ٹوٹی ہوئی ہوگئی سناں پیدا

اب یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ نسخہ امروہہ کا متن میرے قیاس کی پوری تائید کر رہا ہے۔

(ط) نسخۂ امروہہ کے حواشی کا اضافہ:

جیسا کہ ہم نے شروع میں بتایا ہے اس نسخے کے حاشیوں پر کسی دوسرے خط سے مندرجہ ذیل ۱۳ غزلیں حاشیوں پہ اضافہ کی گئی ہیں اور یہ نسخۂ بھوپال کے متن یا حواشی میں داخل ہیں، یہ بھی اس کا ثبوت ہے کہ نسخۂ امروہہ، نسخۂ بھوپال کے مسودے کا مسودہ ہے۔ حاشیے کی غزل نمبر ۲۱۶ موخر الذکر نسخے میں شامل نہیں کی گئی۔ جتنا کلام نسخۂ امروہہ کے حاشیے پر لکھا ہوا ملتا ہے اُس کی ہر غزل کا مطلع یہاں لکھا جاتا ہے:

غزل (۱۱۶) غنچۂ ناشگفتہ کو دور سے مت دکھا کہ یوں — بوسے کو پوچھتا ہوں میں منہ سے مجھے بتا کہ یوں
[حاشیہ ورق ۳۱۔ الف۔ تعداد اشعار ۶ ۔ یہ سب اشعار نسخہ بھوپال کے متن میں داخل ہیں اور ہم شعر اُس کے حاشیے پر

درج ہیں جو ۱۲۲۷ھ کے بعد اضافہ ہوئے۔]

غزل (۱۲۳) وہ فراق اور وہ وصال کہاں وہ شب و روز و ماہ و سال کہاں

[حاشیہ ورق ۳۲ ب، تعداد اشعار ۹۔ یہ غزل نسخہ بھوپال کے بھی حاشیے پر تھی]

غزل (۱۳۱) وارستہ اس سے ہیں کہ محبت ہی کیوں نہ ہو کیجیے ہمارے ساتھ، عداوت ہی کیوں نہ ہو

[حاشیہ ورق ۳۴۔الف تعداد اشعار ۱۰۔ نیز حاشیہ نسخہ بھوپال]

غزل (۱۴۸) چاہیے خوباں کو جتنا چاہیے یہ اگر چاہیں تو پھر کیا چاہیے

[حاشیہ ورق ۳۸۔ الف تعداد اشعار ۹ نیز آخر نسخہ بھوپال]

غزل (۱۵۲) عشق مجھ کو نہیں وحشت ہی سہی میری وحشت تری شہرت ہی سہی

[حاشیہ ورق ۳۸۔ ب۔ تعداد اشعار ۱۰ نیز حاشیہ نسخہ بھوپال]

غزل (۱۵۷) پھر کچھ اک دل کو بیقراری ہے سینہ جویائے زخم کاری ہے

[حاشیہ ورق ۳۹ ب۔ تعداد اشعار ۱۴۔ آخر نسخہ بھوپال]

غزل (۱۶۹) جس زخم کی ہو سکتی ہو تدبیر رفو کی یارب اسے لکھ دیجیو قسمت میں عدو کی

[حاشیہ ورق ۴۱ ب تعداد اشعار ۷۔ متن نسخہ شیرانی]

غزل (۱۷۵) پھر پرسش جراحت دل کو چلا ہے عشق سامان صد ہزار نمک داں کیے ہوئے (مطلع ندارد)

[حاشیہ ورق ۴۳ ب۔ تعداد اشعار ۱۳۔ آخر نسخہ بھوپال]

غزل (۱۸۳) بے اعتدالیوں سے سبک سب میں ہم ہوئے جتنے زیادہ ہو گئے اتنے ہی کم ہوئے

[حاشیہ ورق ۴۵۔ الف۔ تعداد اشعار ۹ نیز نسخہ شیرانی]

غزل (۱۹۳) رونے سے اور عشق میں بیباک ہو گئے دھوئے گئے ہم اتنے کہ بس پاک ہو گئے

[حاشیہ ورق ۴۸ ب۔ تعداد اشعار ۷۔ متن نسخہ شیرانی]

غزل (۲۰۳) درد سے میرے ہے تجھ کو بیقراری ہائے ہائے کیا ہوئی ظالم تری غفلت شعاری ہائے ہائے

[اضافہ بر حاشیہ ورق ۵۰ الف تعداد اشعار ۱۲۔ متن نسخہ بھوپال]

غزل (۲۱۶) سمجھاؤ اسے یہ وضع چھوڑے جو چاہے کرے پہ دل نہ توڑے

[حاشیہ ورق ۵۲ ب۔ تعداد اشعار ۹۔ یہ غزل غیر مطبوعہ ہے]

غزل (۲۳۰) کیا تنگ ہم ستم زدگاں کا جہان ہے جس میں کہ ایک بیضۂ مور آسمان ہے

[حاشیہ ورق ۵۵ ب۔ تعداد اشعار ۷۔ نسخہ بھوپال، ۲ شعر اضافہ]

(ی) تعداد اشعار کا گوشوارہ :

ردیف	غزلیات	اشعار
الف	۵۰	۳۱۶
ب	۲	۱۲
ت	۲	۱۱
ث	۲	۱۳
ج	۲	۱۴
چ	۲	۱۴
ح	۱	۵
د	۴	۲۸
ر	۷	۴۴
ز	۷	۴۴
س	۳	۱۶
ش	۲	۱۴
ع	۲	۱۱
ع	۲	۱۱
ف	۲	۱۱
ک	۱	۵
گ	۱	۹
ل	۵	۲۳
م	۵	۳۵
ن	۲۶	۱۷۹
و	۷	۵۱
ہ	۸	۵۰
ی	۱۱۰	۷۳۳
میزان ۲۳	۲۵۳	۱۶۵۴

(ک) کل مشمولات کی فہرست: غزلیات

[یہاں ہر غزل کے مطلع کا صرف پہلا مصرع درج کیا گیا ہے۔ اس کے سامنے اس زمین کے شعروں کی تعداد لکھی ہے مصرع کے شروع میں ستارے کا نشان اس کی علامت ہے کہ یہ غزل دیوان غالب کے اور کسی نسخے میں نہیں ملتی۔]

۱- نقش فریادی ہے کس کی شوخیِ تحریر کا (۷)
۲- جنوں گرم انتظار و نالہ بیتابی کمند آیا (۶)
۳- شمار سبحہ مرغوب بتِ مشکل پسند آیا (۶)
۴- خود آرا وحشتِ چشم پری سے شب وہ بدخو تھا (۷)
۵- دو بدن کے کیں جوں ریشۂ زیر زمیں پایا (۶)
۶- نزاکت ہے فسونِ طاقتِ شوخی شکستن ہا (۶)
۷- بسانِ جوہرِ آئینہ از ویرانی دلہا (۶)
۸- بشغل انتظار مہوشاں در خلوتِ شبہا (۶)
۹- برہنِ شرم ہے با وصفِ شوخی اہتمام اوس کا (۶)
۱۰- یاد روزے کہ نفس در گرہِ یارب تھا (۷)
۱۱- شب کہ دل زخمی عرض دو جہاں تیر آیا (۶)
۱۲- سیرِ آنسو سے تماشا ہے طلب گاروں کا (۷)
۱۳- طاؤس در رکاب ہے ہر ذرہ آہ کا (۷)
۱۴- یک ذرۂ زمیں نہیں بیکار باغ کا (۶)
۱۵- نہ بھولا اضطرابِ دم شماری انتظار اپنا (۷)
۱۶- بسکہ جوش گریہ سے زیر و زبر ویرانہ تھا (۹)
۱۷- رات دل گرم خیال جلوۂ جانانہ تھا (۷)
۱۸- پئے نذر کرم تحفہ ہے شرم نارسائی کا (۷)
۱۹- نہ ہو حسن تماشا دوست رسوا بے وفائی کا (۶)
۲۰- کرے گر حیرتِ نظارہ طوفاں نکتہ گوئی کا (۷)
۲۱- زبس خوں گشتۂ رشکِ وفا تھا ذوقِ بسمل کا (۷)
۲۲ ★ فروغِ پیچیدنی ہے فرشِ بزم عیش گستر کا (۶)

۲۳۔ کیا کس شوخ نے نازہ از سر تمکیں نشستن کا (۵)
۲۴۔ عبادت سے زبس ٹوٹا ہے دل یارانِ غمگیں کا (۷)
۲۵۔ بہار رنگ خون گل ہے ساماں اشک باری کا (۷)
۲۶۔ ورد اسم حق سے دیدار صنم حاصل ہوا (۶)
۲۷۔ قطرۂ مے بسکہ حیرت سے نفس پرور ہوا (۷)
۲۸۔ وحشی بن صیاد نے ہم رم خوردوں کو کیا رام کیا (۵)
۲۹۔ گر نہ احوالِ شبِ فرقت بیاں ہو جائے گا (۹)
★ ۳۰۔ تنگ ظرفوں کا رتبہ جہد سے برتر نہیں ہوتا (۷)
۳۱۔ لبِ خشک در تشنگی مردگاں کا (۶)
۳۲۔ ہے تنگ ز واماندہ شدن حوصلۂ پا (۵)
★ ۳۳۔ وہ فلک رتبہ کہ بر توسنِ چالاک چڑھا (۵)
۳۴۔ شب کہ ذوقِ گفتگو سے تیرے دل بیتاب تھا (۶)
۳۵۔ نالۂ دل میں شب اندازِ اثر نایاب تھا (۶)
۳۶۔ شب کہ وہ مجلس فروز خلوتِ ناموس تھا (۵)
۳۷۔ شبِ اختر قدح عیش نے محمل باندھا (۹)
۳۸۔ عرض نیاز عشق کے قابل نہیں رہا (۷)
۳۹۔ خلوت آبلۂ پا میں ہے جولاں میرا (۱۰)
۴۰۔ یہ مہر نامہ جو بوسہ گل پیام رہا (۶)
★ ۴۱۔ خط جو رخ پہ جانشین ہالۂ مہ ہو گیا (۴)
۴۲۔ بسکہ عاجز نارسائی سے کبوتر ہو گیا (۶)
۴۳۔ یک گام بے خودی سے لوٹیں بہار صحرا (۶)
★ ۴۴۔ دل بیتاب کہ سینے میں دم چند رہا (۵)
★ ۴۵۔ جگر سے ٹوٹی ہوئی ہوگئی سناں پیدا (۵)
۴۶۔ اُف نہ کی، گو سوزِ غم سے بے محابا جل گیا (۶)
★ ۴۷۔ نہاں کیفیت مے میں ہے سامانِ حجاب اُس کا (۵)
★ ۴۸۔ زبس ہے نازہ پرواز غرورِ نشۂ صہبا (۵)

۶۷۔ بسکہ مائل ہے وہ رشکِ ماہتاب آئنہ پہ (۷)
۶۸۔ وزداں کا خیال چشم تر کہ (۶)
۶۹۔ بینش بسعی ضبطِ جنوں نو بہار تر (۷)
۷۰۔ فسونِ یک دلی ہے لذت بیداد دشمن پہ (۶)
۷۱۔ صفا سے حیرت آئنہ ہے سامان زنگ آخر (۶)
۷۲۔ دیا یاروں نے بے ہوشی میں درماں کا فریب آخر (۵)

(ز) (۶)

۷۳۔ حسن خود آرا کو ہے مشق تغافل ہنوز (۶)
۷۴۔ چاک گریباں کو ہے ربط تأمل ہنوز (۶)
۷۵۔ بیگانۂ وفا ہے ہوائے چمن ہنوز (۶)
۷۶۔ میں ہوں سراپ یک تپش آموختن ہنوز (۵)
۷۷۔ داغ اطفال ہے دیوانہ بکہسار ہنوز (۷)
۷۸۔ نہ بندھا تھا بہ عدم نقشِ دلِ مور ہنوز (۷)
۷۹۔ کو بیابانِ تمنا و کجا جولانِ عجز (۷)

(س)

۸۰۔ حاصل دلبستگی ہے کوتہیِ عمر و بس (۶)
۸۱۔ دشتِ الفت میں ہے خاک کشتگاں محبوس و بس (۵)
۸۲۔ کرتا ہے بیادِ بتِ رنگیں دلِ مایوس (۵)

(ش)

۸۳۔ ز جوشِ اعتدالِ فصل و تمکین بہار آتش (۹)
۸۴۔ باقلیم سخن ہے گرد افروز سواد آتش (۵)

(ع)

۸۵۔ جادۂ رہ خور کو وقتِ شام ہے تارِ شعاع (۶)
۸۶۔ رخِ نگار سے ہے سوزِ جاودانیِ شمع (۵)

غ

۸۷۔ عشاق اشکِ چشم سے دھو دیں ہزار داغ (۵)

۸۸- بلبلوں کو دور سے کرتا ہے منع بار باغ (۶)

(ق)

۸۹- نامہ بھی لکھتے ہو تو بخط غبار حیف (۶)

۹۰- عیسیِ مہرباں ہے شفا ریز یک طرف (۵)

(ک)

۹۱- آتے ہیں پارہ ہائے جگر درمیانِ اشک (۵)

(گ)

۹۲- گر تجھ کو ہے یقین اجابت دعا نہ مانگ (۹)

(ل)

۹۳- بدر ہے آئنہ طاق ہلال (۷)

۹۴- ہوں بہ وحشت انتظار آوارۂ دشتِ خیال (۷)

۹۵- ہر عضو غم سے ہے شکن آسا شکستہ دل (۵)

۹۶- بہرِ عرض حالِ شبنم سے رقم ایجاب دگل (۹)

۹۷- گرچہ ہے یک بیضۂ طاؤس آسا تنگ دل (۵)

(م)

۹۸- اثر کمندیِ فریادِ نارسا معلوم (۷)

۹۹- ازاں جا کہ حسرت کشِ یار ہیں ہم (۷)

۱۰۰- یاں اشک جدا گرم ہیں اور آہ جدا گرم (۶)

۱۰۱- بسکہ ہیں بدمست بشکن بشکن میخانہ ہم (۹)

۱۰۲- جس دم کہ جادہ وار ہو تار نفس تمام (۶)

(ن)

۱۰۳- خورش وحشت کہ عرض جنونِ فنا کروں (۹)

۱۰۴- آنسو کہوں کہ آہ سوار ہوا کہوں (۷)

۱۰۵- جہاں تیرا نقشِ قدم دیکھتے ہیں (۹)

۱۰۶- جوں مردمکِ چشم میں ہوں جمع نگاہیں (۷)

۱۰۷- جائے کہ پائے سیل بلا درمیاں نہیں (۷)

۱۰۸- مرگ شیریں ہوگئی تھی کوہکن کے فکر میں (۷)

۱۰۹- ہے ترحم آفریں آرایش بیدادیاں (۷)

۱۱۰- اے نوا ساز تماشا سربکف جلتا ہوں میں (۵)

۱۱۱- فتادگی میں قدم استوار رکھتے ہیں (۹)

۱۱۲- تن بہ بند ہوس در ندادہ رکھتے ہیں (۸)

۱۱۳- بغفلت عطرِ گل ہم آگہی مخمور ملتے ہیں (۷)

۱۱۴- سرشک آشفتہ سر تھا قطرہ زن مژگاں سے جانے میں (۶)

۱۱۵- فزوں کی دوستوں نے حرصِ قاتل ذوق کشتن میں (۶)

۱۱۶- غنچۂ ناشگفتہ کو دور سے مت دکھا کہ یوں (۶) اضافہ برحاشیہ ورق ۳۱-الف

۱۱۷- خوں در جگر نہفتہ بہ زردی رسیدہ ہوں (۷)

۱۱۸- سودائے عشق سے دم سرد کشیدہ ہوں (۷)

۱۱۹- ہوئی ہیں آب شرم کوشش بے جا سے تدبیریں (۷)

۱۲۰- بے دماغی، حیلہ جوئی، ترک تنہائی نہیں (۷)

۱۲۱- ظاہرا سرپنجۂ افتادگاں گیرا نہیں (۶)

۱۲۲- ضبط سے مطلب بجز وارستگی دیگر نہیں (۷)

۱۲۳- وہ فراق اور وہ وصال کہاں (۹) اضافہ برحاشیہ ورق ۳۲ ب

✶ ۱۲۴- ضمانِ جادہ رویاندن ہے خطِ جامِ مے نوشاں (۵)

✶ ۱۲۵- نہیں ہے بے سبب قطرے کو شکل گوہر افسردن (۷)

۱۲۶- دیکھیے مت چشم کم سے سوئے ضبط افسردگاں (۵)

✶ ۱۲۷- سازشِ صلح بتاں میں ہے نہاں جنگیدن (۵)

۱۲۸- صاف ہے از بسکہ عکس گل سے گلزار چمن (۷)

(و)

۱۲۹- منقار سے رکھتا ہوں ہم چاک قفس کو (۵)

۱۳۰- اگر وہ آفتِ نظارہ جلوہ گستر ہو (۵)

۱۳۱- وارستہ اس سے ہیں کہ محبت ہی کیوں نہ ہو (۱۰) اضافہ برحاشیہ ورق ۳۴ الف

۱۳۲- بیدرد سر بسجدۂ الفت فرو نہو (۷)

۱۳۳۔ حسد پیمانہ ہے دل، عالم آب تماشا ہو (۹)
۱۳۴۔ مبادا بے تکلف فصل کا برگ و نوا گم ہو (۸)
۱۳۵۔ خشکیِ مے نے تلف کی مے کدے کی آبرو (۷)

(۵)

۱۳۶۔ اشکِ چکیدہ رنگِ پریدہ (۷)
۱۳۷۔ خوشا طوطی و کنجِ آشیانہ (۶)
۱۳۸۔ رفتار سے شیرازۂ اجزائے قدم باندھ (۶)
۱۳۹۔ خلق ہے صفحۂ عبرت سے سبق ناخواندہ (۵)
۱۴۰۔ بسکہ مے پیتے لگے بادہ کشاں پوشیدہ (۵)
۱۴۱۔ از مہر تا بہ ذرّہ دل و دل ہے آینہ (۷)
۱۴۲۔ جوشِ دل ہے نشہ ہائے فطرتِ بیدل نہ پوچھ (۷)
۱۴۳۔ جز دل، سراغِ دردِ بدل خفتگاں نہ پوچھ (۷)

ی

۱۴۴۔ ضبط سے اسپند جوں مردم اقامت گیر ہے (۷)
★ ۱۴۵۔ کرے ہے رہرواں سے خضرِ راہ عشق جلادی (۵)
۱۴۶۔ یہ سرنوشت میں میری ہے اشک افشانی (۶)
۱۴۷۔ ہے آرمیدگی میں نکوہش بجا مجھے (۱۰)
۱۴۸۔ چاہیئے خوباں کو جتنا چاہیئے (۹) اضافہ برحاشیہ ورق ۳۸ الف
۱۴۹۔ ہر رنگِ سوز پردۂ یک سانہ ہے مجھے (۸)
۱۵۰۔ کہوں کیا گرم جوشی وقت مے آتش عذاراں کی (۹)
۱۵۱۔ جنوں تہمت کشِ تسکیں نہ ہو گر شادمانی کی (۷)
۱۵۲۔ عشق مجھ کو نہیں وحشت ہی سہی (۱۰) اضافہ برحاشیہ ورق ۳۸ ب
۱۵۳۔ نکوہش ہے سزا فریادیِ بیدادِ دلبر کی (۷)
۱۵۴۔ آنکھوں میں انتظار سے جاں پر شتاب ہے (۹)
۱۵۵۔ بے خود زبسکہ خاطرِ بیتاب ہوگئی (۵)
۱۵۶۔ ہجومِ غم سے یہاں تک سرنگونی مجھ کو حاصل ہے (۶)

۱۵۷۔ پھر کچھ اک دل کو بے قراری ہے (۱۴) اضافہ برحاشیہ ورق ۳۹ ب
۱۵۸۔ جنوں رسوائی وارستگی زنجیر بہتر ہے (۶)
۱۵۹۔ مژہ پہلوے چشم اے جلوۂ ادراک باقی ہے۔ (۶)
۱۶۰۔ خموشیوں میں تماشا ادا نکلتی ہے (۷)
۱۶۱۔ زبسکہ مشق تماشا جنوں علامت ہے (۵)
۱۶۲۔ تر جبیں رکھتی ہے شرم قطرہ سامانی مجھے (۷)
۱۶۳۔ ہم زباں آیا نظر فکر سخن میں تو مجھے (۵)
۱۶۴۔ باعث واماندگی ہے عمر فرصت جو مجھے (۵)
۱۶۵۔ یاد ہے شادی میں عقد نالۂ یارب مجھے (۶)
۱۶۶۔ کاوش دزد حنا پوشیدہ افسوں ہے مجھے (۵)
۱۶۷۔ دیکھ تری خوے گرم دل بہ تپش رام ہے (۷)
۱۶۸۔ بسکہ سوداے خیال زلف وحشت ناک ہے (۷)
۱۶۹۔ جس زخم کی ہو سکتی ہو تدبیر رفو کی (۷) اضافہ برحاشیہ ورق ۴۱ ب
۱۷۰۔ چشم خوباں مے فروش نشہ زار ناز ہے (۷)
۱۷۱۔ بسکہ حیرت سے ز پا افتادۂ زنہار ہے (۷)
۱۷۲۔ کوہ کے ہوں بار خاطر، گر صدا ہو جائیے (۷)
۱۷۳۔ کوشش ہمہ بیتاب تردد شکنی ہے (۷)
۱۷۴۔ کاشانہ ہستی کہ بر انداختنی ہے (۵)
۱۷۵۔ سامان صد ہزار نمک داں کیے ہوئے (۱۲) اضافہ برحاشیہ ورق ۴۳ ب
۱۷۶۔ حکم بیتابی نہیں اور آرمیدن منع ہے (۷)
۱۷۷۔ چارسوے عشق میں صاحب دوکانی مفت ہے (۶)
۱۷۸۔ بیتابی یاد دوست ہمرنگ تسلی ہے (۷)
۱۷۹۔ گلشن کو تری صحبت از بسکہ خوش آئی ہے (۵)
۱۸۰۔ دریوزۂ ساماں ہا اے بے سروسامانی (۷)
۱۸۱۔ نظر بہ نقص گدایاں کمال بے ادبی ہے (۵)
۱۸۲۔ ولا، غلط ہے تمنائے خاطر افروزی (۶)

۱۸۳- بے اعتدالیوں سے سبک سب میں ہم ہوئے (۹)

۱۸۴- خبر نگہ کو نگہ چشم کو عدو جانے (۶)

۱۸۵- اگر گل حسن و الفت کی بہم جوشیدنی جانے (۸)

۱۸۶- گلستان یک تماشا پیش پا افتادہ مضموں ہے (۷)

۱۸۷- صبح سے معلوم آثار ظہور شام ہے (۶)

۱۸۸- دیکھتا ہوں وحشتِ شوقِ خروش آمادہ سے (۶)

۱۸۹- اے خیال وصل نادر ہے مے آشامی تری (۷)

۱۹۰- چشم گریاں بسمل شوقِ بہار دید ہے (۵)

۱۹۱- وہ مژہ براہ رو یا نیدن انہ دل تیز ہے (۶)

۱۹۲- نظر پرستی و بیکاریِ خود آرائی (۸)

۱۹۳- رونے سے اور عشق میں بیباک ہوگئے (۷) اضافہ برحاشیہ ورق ۴۸ ب

۱۹۴- گدائے طاقتِ تقریر ہے زباں تجھ سے (۹)

۱۹۵- شکل طاؤس گرفتار بنایا ہے مجھے (۱۱)

۱۹۶- باغ تجھ بن گل نرگس سے ڈراتا ہے مجھے (۹)

۱۹۷- قتل عشاق نہ غفلت کش تدبیر آوے (۷)

۱۹۸- تشنۂ خونِ تماشا جو وہ پانی مانگے (۱۱)

۱۹۹- ہر قدم دوریِ منزل ہے نمایاں مجھ سے (۸)

۲۰۰- فرصت آئینہ صد رنگ خود آرائی ہے (۷)

۲۰۱- داغ پشت دست عجز، شعلہ خس بدنداں ہے (۸)

۲۰۲- گریہ سرشاریِ شوقِ بہ بیاباں زدہ ہے (۷)

۲۰۳- درد سے میرے ہے تجھ کو بیقراری ہائے ہائے (۱۲) اضافہ برحاشیہ ورق ۵۰-الف

۲۰۴- خواب غفلت بہ کمیں گاہِ نظر پنہاں ہے (۷)

۲۰۵- دامانِ دل بوہم تماشا نہ کھینچیے (۷)

۲۰۶- تا چند ناز مسجد و میخانہ کھینچیے (۷)

۲۰۷- کرتا ہے گل، جنونِ تماشا کہیں جسے (۷)

۲۰۸- منت کشی میں حوصلہ بے اختیار ہے (۷)

۲۰۹۔ ہستی بذوقِ غفلتِ ساقی ہلاک ہے (۵)

۲۱۰۔ حسن بے پروا خریدارِ متاعِ جلوہ ہے (۵)

۲۱۱۔ خود فروشی ہائے ہستی بسکہ جائے خندہ ہے (۶)

۲۱۲۔ شوخیِ مضراب جولاں آبیارِ نغمہ ہے (۷)

۲۱۳۔ نشۂ مے بے چمن، دودِ چراغِ کشتہ ہے (۷)

۲۱۴۔ عبارت بسکہ تجھ سے گرمیِ بازار بستر ہے (۷)

۲۱۵۔ خطر ہے رشتۂ الفت رگِ گردن نہ ہو جاوے (۵)

★ ۲۱۶۔ سمجھاؤ اسے یہ وضع چھوڑے (۹) اضافہ برحاشیہ ورق ۵۲ ب

۲۱۷۔ نوائے خفتۂ الفت اگر بیدار ہو جاوے (۷)

۲۱۸۔ دلِ بیمار از خود رفتہ تصویرِ نہالی ہے (۶)

۲۱۹۔ شبنم بہ گلِ لالہ نہ خالی ز ادا ہے (۸)

۲۲۰۔ زلفِ سیہ افعیِ نظرِ بدقلمی ہے (۵)

★ ۲۲۱۔ اس قامتِ رعنا کی جہاں جلوہ گری ہے (۵)

۲۲۲۔ تا چند نفسِ غفلتِ ہستی سے برآوے (۹)

۲۲۳۔ تحیر ہے گریباں گیرِ ذوقِ جلوہ پیرائی (۱۱)

۲۲۴۔ غم و عشرت قدم بوسِ دلِ تسلیم آئیں ہے (۹)

۲۲۵۔ محو آرامیدگی سامانِ بیتابی کرے (۵)

۲۲۶۔ اے خوشا وقتے کہ ساقی یک خمستاں وا کرے (۷)

۲۲۷۔ چاک کی خواہش اگر وحشت بعریانی کرے (۵)

۲۲۸۔ بہ نقصِ ظاہری، رنگِ کمالِ طبع پنہاں ہے (۶)

۲۲۹۔ جہاں زندانِ موجستانِ دلہائے پریشاں ہے (۶)

۲۳۰۔ کیا تنگ ہم ستم زدگاں کا جہان ہے (۷) اضافہ برحاشیہ ورق ۵۵ ب

۲۳۱۔ ہجومِ نالہ حیرت عاجزِ عرضِ یک افغاں ہے (۷)

۲۳۲۔ تغافل مشربی سے ناتمامی بسکہ پیدا ہے (۶)

۲۳۳۔ اثر سوزِ محبت کا قیامت بے محابا ہے (۶)

۲۳۴۔ بہ بزمِ مے پرستی حسرتِ تکلیف بے جا ہے (۷)

۲۳۵- بہر پرور دن، سراسر لطف گستر سایہ ہے (۴)
★ ۲۳۶- وہ نہا کر آبِ گل سے سایۂ گل کے تلے (۵)
۲۳۷- جوہر آیینہ ساں، مژگاں بدل آسودہ ہے (۷)
۲۳۸- بہار تعزیت آبادِ عشق ماتم ہے (۵)
۲۳۹- غدا بہ یار نظر بند چشم گریاں ہے (۷)
۲۴۰- شفق بدعوی عاشق گواہ رنگیں ہے (۷)
★ ۲۴۱- رو تا ہوں بسکہ در ہوسِ آرمیدگی (۵)
۲۴۲- عاشق نقاب جلوۂ جانانہ چاہیئے (۵)
۲۴۳- یوں بعدِ ضبطِ اشک پھرا گرد یار کے (۷)
۲۴۴- بہ فکر حیرتِ رم آینہ پرداز زانو ہے (۵)
★ ۲۴۵- بدست آوردنِ دل گوہر دریائے شاہی ہے (۵)
★ ۲۴۶- نہ چھوڑ و محفل عشرت میں جا اسے میکشاں خالی (۷)
۲۴۷- ہوا جب حسن کم، خط بہ غدارِ سادہ آتا ہے (۵)
۲۴۸- نگاہ سرمہ سانے عرضِ تکلیف شرارت کی (۵)
۲۴۹- خدا دل کہاں تک دن بصد رنج و تعب کاٹے (۵)
★ ۲۵۰- تماشا ہے جہاں مفت نظر ہے (۷)
۲۵۱- بسکہ زیرِ خاک با آبِ طراوت راہ ہے (۵)
۲۵۲- بسکہ چشم از انتظار خوش خطاں بے نور ہے (۷)
۲۵۳- سوختگاں کی خاک میں ریزش نقش داغ ہے (۵)

(ل) رباعیات فارسی :-

★ ۱- اسے رونق مدعا سے تمکیں مدوسے
★ ۲- لیلی بہوا عناں بپروانسوں را
★ ۳- اسے حسن مخمور فریب رعنائی ہا
★ ۴- ندرت کشیش بکارگاہِ تحریہ
★ ۵- ایں بادہ کہ از میکدۂ جم آمد

* ۶- گوئی کہ ہنوز جستجو خواہی کرد
* ۷- آں را کہ و لے بہ بیکسی ہم خانہ است
* ۸- ہر چند جنوں فسردہ ساماں نبود
* ۹- مرد آں کہ بوہم خود ہراساں نبود
* ۱۰- پیمانۂ بزم عیش ما گردش خود است
۱۱- شاہیم و جنونِ ما ز تمکیں و لتنگ
* ۱۲- انگور، گزوست انجمن پردازی
* ۱۳- گفتم کہ اسد، گفت دل آشفتۂ من

(م) رباعیاتِ اُردو:

۱- ہر چند کہ دوستی میں کامل ہونا
۲- بعد از اتمام بزم عید اطفال
۳- شب زلف و رخ عرق فشاں کا غم تھا
۴- دل تھا کہ جو جان درد تمہید سہی
۵- سامانِ ہزار جستجو یعنی دل
۶- اے کاش بتاں کا خنجرِ سینہ شگاف
۷- اے کثرتِ فہم بے شمار اندیشہ
۸- بے گریہ کمال تہ جبینی ہے مجھے
۹- گر جو ہر اشیانہ ہوتا ہم میں
۱۰- ہے خلق حسد قماش لڑنے کے لیے
* ۱۱- گلخن شررا اہتمام بستر ہے آج

(ن) مرزا غالب کی ۱۹ غیر مطبوعہ غزلیں اور ۱۳ رباعیاں

[ورق ۷ - الف]

(۱)

فروغِ پیچیدنی ہے فرش، بزم عیش گستر کا   مدیغا، گردش آموزِ فلک ہے دَورِ ساغر کا

خطِ نوخیز کی، آئینہ میں دی کس نے آرائش — کہ ہے تہ بندیِ پرہاے طوطی، رنگ جوہر کا[1]
گیا جو نامہ بر، واں سے بہ رنگِ باختہ آیا — خطوطِ روے قالیں نقش ہے پشتِ کبوتر کا
شکستِ گوشہ گیراں ہے فلک کو حاصلِ گردش — صدف سے، آسیا سے آب میں ہے دانہ گوہر کا
فزوں ہوتا ہے ہر دم، جوشِ خوں باری تماشا سے — نفس کرتا ہے رگہاے[2] مژہ پر، کام نشتر کا

خیالِ شربتِ عیسیٰ، گدازِ تہ جبینی ہے
اسد ہوں مست، دریا بخشیِ ساقیِ کوثر کا

[غزل نمبر ۲۲ تعداد اشعار ۷]

(۲)

[ورق ۹ - الف]

تنک ظرفوں کا رتبہ، جہد سے برتر نہیں ہوتا — حبابِ مے، بصد بالیدنی، ساغر نہیں ہوتا
عجب اے آبلہ پایانِ صحرا سے نظر بازی[3] — کہ تارِ جادۂ رہ، رشتۂ گوہر نہیں ہوتا
خوشا عجزے کہ عاشق جل بجھے جوں شعلۂ خامُش — کہ کم از سرمہ اُس کا مشتِ خاکستر نہیں ہوتا
تماشاے گل و گلشن ہے، مفتِ سرجیبی ہا — بہ از چاکِ گریباں گلستاں کا در نہیں ہوتا
نہ رکھ چشمِ حصولِ نفع، صحبت ہاے مُمسک سے — لبِ خشکِ صدف آبِ گہر سے تر نہیں ہوتا
نہ دیکھا کوئی ہم نے آشیاں بلبل کا گلشن میں — کہ جس کے در پہ غنچہ شکلِ قفلِ زر نہیں ہوتا

صفا کب جمع ہو سکتی ہے، غیر از گوشہ گیری ہا
صدف بن قطرۂ نیساں اسد گوہر نہیں ہوتا

[غزل نمبر ۳۰ تعداد اشعار ۷]

(۳)

[ورق ۹ - ب]

وہ فلک رتبہ، کہ بر توسنِ چالاک چڑھا — ماہ پر، ہالہ صفت، حلقۂ فتراک چڑھا
نشۂ مے کے اُتر جانے کے غم سے انگور — صورتِ اشک، بہ مژگانِ رگِ تاک چڑھا

---

[1] شعر ۲، ۳، ۴ قلم زد کر دیے ہیں، مگر پوری غزل غیر مطبوعہ ہے اور دیوانِ غالب کے کسی نسخے میں نہیں ملتی۔
[2] پہلے "بہ رگہاے مژگاں" لکھا تھا، بعد میں یہ ترمیم کی ہے۔
[3] پہلے "نظر بازی" ہی کی جگہ "محبت ہا" لکھا تھا جسے قلم زد کر دیا۔

بوسۂ لب سے ملی، طبع کو کیفیتِ خال　　مے کشیدن سے مجھے، نشّۂ تریاک چڑھا

میں جو گردوں کو بمیزانِ طبیعت تولا　　تھا یہ کم وزن، کہ ہم سنگ کفِ خاک چڑھا

اے اسد واشدنِ عقدۂ غم گر چاہے

حضرتِ زلف میں جُوں شانہ، دلِ چاک چڑھا

[غزل نمبر ۳۳ - تعداد اشعار ۵]

(۴)

[ورق ۱۱ - ب]

خط جو رخ پر جانشینِ ہالۂ مہ ہو گیا　　ہالہ دُودِ شعلۂ جوّالۂ مہ ہو گیا

حلقۂ گیسو کھلا دورِ خطِ رخسار پر　　ہالۂ دیگر، بگردِ ہالۂ مہ ہو گیا

شب کہ مستِ بدنِ مہتاب تھا وہ جامہ زیب　　پارۂ چاکِ کتاں پرکالۂ مہ ہو گیا

شب کہ وہ گُل باغ میں تھا جلوہ فرما اے اسد

داغِ مہ جوشِ چمن سے لالۂ مہ ہو گیا

[غزل نمبر ۴۱ تعداد اشعار ۴]

(۵)

[ورق ۱۲ ب]

دلِ بیتاب کہ سینے میں دمِ چند رہا　　بدمِ چند، گرفتارِ غمِ چند رہا

زندگی کے ہوئے ناگہ نفسِ چند تمام　　کوچۂ یار جو مجھ سے قدمِ چند رہا

لکھ سکا میں نہ اُسے شکوۂ پیماں شکنی　　لاجرم توڑ کے عاجز، قلمِ چند رہا

اُلفتِ زر ہمہ نقصاں ہے، کہ آخر قاروں　　زیرِ بارِ غمِ دام و درمِ چند رہا

عمر بھر ہوش نہ یک جا ہوئے میرے کہ اسد

میں پرستندۂ روئے صنمِ چند رہا

[غزل نمبر ۴۴ تعداد اشعار ۵]

(۶)

[ورق ۱۲ ب]

جگر سے ٹوٹی ہوئی ہو گئی سناں پیدا　　دہانِ زخم میں آخر ہوئی زباں پیدا[1]

بسانِ سبزہ رگِ خواب ہے زبانِ ایجاد　　کرے ہے خامشی احوالِ بے خوداں ایجاد

---

[1] یہ مطلع اعظم الدولہ سرور کے تذکرہ "عمدۂ منتخبہ" میں موجود ہے۔ غزل کے باقی اشعار کسی نسخے میں نہیں ملتے۔

صفائے شوخی و انداز حسن پا بر کاب — خط سیاہ سے ہے گردِ کارواں پیدا
نہیں ہے آہ کو ایمائے تیر پابیدن — وگرنہ ہے خمِ تسلیم سے کماں پیدا
نصیبِ تیرہ، بلا گردشِ آفریں ہے اسد
زمیں سے ہوتے ہیں صد دامن آسماں پیدا

[غزل نمبر ۴۵ تعداد اشعار ۵]

(۷)

[ورق ۱۳ - الف]

نہاں کیفیتِ مے میں ہے، سامانِ حجاب اُس کا — بنا ہے پنبۂ مینا سے ساقی نے نقاب اُس کا
اگر اُس شعلہ رو کو دوں پیامِ مجلس افروزی[1] — زبانِ شمعِ خلوت خانہ، دیتی ہے جواب اُس کا
عیاں کیفیتِ مے خانہ ہے، جوں گلستاں میں — کہ مے عکسِ شفق ہے اور ساغر ہے حباب اُس کا
اُٹھائے ہیں بس جو اُفتادگی میں متصل صدمے — کروں گا اشک ہائے واچکیدہ سے حساب اُس کا
اسد کے واسطے رنگے بردے کار ہو پیدا
غبار آوارہ و سرگشتہ ہے یا بو تراب اُس کا

[غزل نمبر ۴۷ - تعداد اشعار ۵]

(۸)

[ورق ۱۳ - الف و ب]

زبس ہے نازپروازِ عزورِ نشۂ صہبا — رگِ بالیدہ گردن ہے موجِ بادہ در مینا
ورآبِ آینہ از جوشِ عکسِ گیسوئے مشکیں — بہارِ سنبلستاں جلوہ گر ہے، آنسوئے دریا
کہاں ہے دیدۂ روشن، کہ دیکھے بے حجابانہ — نقابِ یار ہے از پردہ ہائے چشم، نابینا
نہ دیکھے پاسِ ضبطِ آبرو وقتِ شکستن بھی — تحمل پیشہ تمکین رہیے، آئینہ آسا
اسد طبعِ متیں سے گر نکالوں شعرِ برجستہ
شرر ہو قطرۂ خونِ فسردہ در رگِ خارا

[غزل نمبر ۴۸ تعداد اشعار ۵]

(۹)

[ورق ۳۲ - الف]

ضمانِ جادہ رویا ندن ہے خطِ جامِ مے نوشاں — وگرنہ منزلِ حیرت سے کیا واقف ہیں مدہوشاں
نہیں ہے ضبط جز نہ شاطگی ہائے غم آرائی — کہ میلِ سرمۂ چشم داغ میں ہے لے آہِ خاموشاں

---

[1] مجلس آرائی کو قلم زد کرکے مجلس افروزی بنایا ہے۔

بہ ہنگامِ تصوّرِ ساغرِ زانو سے پیتا ہوں — مئے کیفیتِ خمیازہ ہائے صبحِ آغوشاں
نشانِ روشنیٔ دل نہاں ہے تیرہ بختوں کا — نہیں محسوس دودِ مشعلِ بزمِ سیہ پوشاں
پریشانی اسد در پردہ ہے سامانِ جمعیت
کہ ہے آبادیٔ صحرا بجرمِ خانہ بردوشاں

[غزل نمبر ۱۲۴- تعداد اشعار ۵]

(۱۰)

[ورق ۳۳- الف]

نہیں ہے بے سبب قطرے کو شکلِ گوہر افسردن — گرہ ہے حسرتِ آبے بروئے کار آوردن
مرا تو سے ہے رہزن داغِ نعلِ واژگوں باندھا — نہیں ممکن بجولاں ہائے گرد و لخت پے بُردن
خمارِ ضبط سے بھی، نشۂ اظہار پیدا ہے — تراوش تیرۂ انگور کی ہے سُفت افشردن
خراب آبادِ غربت میں عبث افسوسِ ویرانی — گلِ از شاخ دور افتادہ، ہے نزدیکِ پژمردن
فغان و آہ سے حاصل بجز دردِ سرِ یاراں — خوشا اے غفلت آگاہاں نفس دزدیدن و مردن
دریغا بستنِ رختِ سفر سے ہو کے میں غافل[1] — رہا پامالِ حسرت ہائے فرشِ بزم گستردن
[ورق ۳۳ ب] اسد ہے طبعِ مجبورِ تمنا آفرینی ہا
فغاں بے اختیاری و فریبِ آرزو خوردن

[غزل نمبر ۱۲۵- تعداد اشعار ۷]

(۱۱)

[ورق ۳۳- ب]

سازشِ صلحِ بتاں میں ہے نہاں جنگیدن — نغمہ و چنگ ہیں جوں تیر و کماں فہمیدن
بسکہ شرمندۂ بوئے خوشِ گل رویاں ہے — نکہتِ گل کو ہے غنچے میں نفس دزدیدن
ہے فروغِ رخِ افسردۂ خوباں سے — شعلۂ شمع پر افشانِ بخود لرزیدن
گلشنِ زخم کھلاتا ہے جگر میں پیکاں — گرہ غنچہ ہے، سامانِ چمن بالیدن
چمنِ دہر میں ہوں سبزۂ بیگانہ اسد
وائے اے بے خودی و تہمتِ آرامیدن

[غزل نمبر ۱۲۶ تعداد اشعار ۵]

(۱۲) [ورق ۳۷ ب]

کرے ہے رہرواں سے خضرِ راہِ عشق جلادی — ہوا ہے موجۂ ریگِ رواں شمشیرِ فولادی

---

[1] مصرع میں ترمیم کی ہے، پہلے یوں لکھا تھا: دریغا ہو کے از بربستن رختِ سفر غافل۔

نظر بندِ تصوّر ہے، قفس میں لطفِ آزادی — شکستِ آرزو کے رنگ کی کرتا ہوں صیادی
کرے ہے حسنِ ویراں کار رُوے سادہ رویاں پر — غبارِ خط سے تعمیرِ بنا سے خانہ بربادی
چنار آسا، عدم سے یادِ دل پُر آتش آیا ہوں — تہی آغوشیِ دستِ تمنّا کا ہوں فریادی
اسد از بسکہ فوجِ درد و غم سرگرمِ جولاں ہے
غبارِ راہِ ویرانی ہے، ملکِ دل کی آبادی

[غزل نمبر ۱۳۵ تعداد اشعار ۵]

(۱۳)

[ورق ۲۵ ب حاشیہ]

سمجھاؤ اُسے، یہ وضع چھوڑے — جو چاہے کرے، پہ دل نہ توڑے[1]
تقریر کا اُس کی حال مت پوچھ — معنی ہیں بہت و لفظ تھوڑے
نذرِ مژہ کر دل و جگر کو — چھیڑے ہی سے جائیں گے یہ پھوڑے
عاشق کو یہ چاہیے کہ ہرگز — اندوہ (دفا[2]) سے منہ نہ موڑے
آ جا لبِ بام، کوئی کب تک — دیوار سے اپنے سر کو پھوڑے
جاتے ہیں رقیب کو خط اُس کے — کاغذ کے دوڑتے ہیں گھوڑے

قطعہ

غم خوار کو ہے قسم، کہ زنہار — غالب کو نہ تشنہ کام چھوڑے
حسرت زدۂ طرب ہے یہ شخص — دم جب کہ بوقتِ نزع توڑے
پانی نہ چوائے اُس کے منہ میں — گُل مے میں بھگو بھگو نچوڑے

[غزل نمبر ۲۱۶ تعداد اشعار ۹]

(۱۴)

[ورق ۴۵ ۔ الف]

اس قامتِ رعنا کی جہاں جلوہ گری ہے — تسلیم فروشی روشِ کبکِ دری ہے
شرمندۂ الفت ہوں، مداوا طلبی سے — ہر قطرۂ شربت مجھے اشکِ شکری ہے
سرمایۂ وحشت ہے دلا، سایۂ گلزار — ہر سبزۂ نوخاستہ یاں بالِ پری ہے

---

[1] یہ غزل نسخۂ امروہہ کے حاشیے پر کسی اور شخص کے قلم سے اضافہ ہوئی ہے اور دیوانِ غالب کے کسی معلوم نسخے میں نہیں ملتی۔
[2] کوئی لفظ اندوہ کے بعد لکھنے سے رہ گیا ہے ہم نے وزن پورا کرنے کے لیے لفظ "دفا" قوسین میں اضافہ کر دیا ہے۔

روشن ہوئی یہ بات دمِ نزع کہ آخر   فانوسِ کفن بہرِ چراغِ سحری ہے

ہم آئے ہیں غالب رہِ اقلیمِ عدم سے
بہ تیرگیِ حال، لباسِ سفری ہے

[غزل نمبر ۲۲۱ تعداد اشعار ۵]

(۱۵)

[ورق ۵۸ - الف]

روتا ہوں بسکہ در ہوسِ آرمیدگی   جوں گوہر اشک کو ہے فراموشِ چکیدگی
برخاک اوفتادگیِ کشتگانِ عشق   ہے سجدۂ سپاس، بہ منزل رسیدگی
انساں نیاز مندِ ازل ہے کہ جوں کماں   مطلب ہے ربط سے رگ و پے کی خمیدگی
ہے بسملِ ادائے چمن عارضاں، بہار   گلشن کو رنگِ گل سے ہے در خوں طپیدگی

دیکھا نہیں ہے ہم نے بہ عشقِ بتاں اسد
غیر از شکستہ حالی و حسرت کشیدگی

[غزل نمبر ۲۲۴، تعداد اشعار ۵]

(۱۶)

[ورق ۵۷ - الف]

وہ نہا کر آبِ گل سے، سایۂ گل کے تلے   بال کس گرمی سے سکھلاتا تھا سنبل کے تلے
کثرتِ جوشِ سویدا سے نہیں تل کی جگہ   خال کب مشاطہ دے سکتی ہے کاکل کے تلے
بسکہ نرباں باغ کو دیتے ہیں وقتِ شکست   بال اوگ جاتا ہے شیشے کا رگِ گل کے تلے
ہے پر افشاندن طپیدن تا بہ تکلیفِ ہوس   ورنہ صد گلزار ہے یک بالِ بلبل کے تلے

پے بہ مقصد بردنی ہے، خضر سے لے اسد
جادۂ منزل ہے خطِ ساغرِ مل کے تلے

[غزل نمبر ۲۲۵، تعداد اشعار ۵]

(۱۷)

[ورق ۵۹ - الف]

بدست آوردنِ دل، گوہرِ دریائے شاہی ہے   وگرنہ خاتمِ دستِ سلیماں فلسِ ماہی ہے
سخت تاریک طبعوں کا ہے اظہارِ کثافت ہا[1]   کہ زنگِ خامۂ فولاد، مانا سے سیاہی ہے
خمیدن نشۂ مے میں ہے، شرمِ زشت اعمالی   دماغِ زہد میں آخر غرورِ بے گناہی ہے
نہیں ہے خالی آرائش سے، بے سامانیِ عاشق   شکستِ حال، انداز آفرینِ کج کلاہی ہے

---

[1] غالب نے سہواً "کثافتہا" لکھا ہے۔

اسدؔ خوباں بھی دورِ چرخ سے رنجیدہ خاطر ہیں
گریباں چاکیِ گُلہا، نشانِ دادخواہی ہے

[غزل نمبر ۲۴۴ تعداد اشعار ۵]

(۱۸)

[ورق ۵۹ - الف]

نہ چھوڑ و محفلِ عشرت میں جا، اے مے کشاں خالی — کہیں گاہِ بلا ہے، ہوگیا شیشہ جہاں خالی
نہ دوڑا ریشۂ دیوانگی، صحنِ بیاباں میں — کنارِ جادہ سے ہے سُبحۂ ریگِ رواں خالی
دکانِ ناوکِ تاثیر ہے، از خود نہیں ماندن — سراسر عجز ہوکر، خانہ مانندِ کماں خالی
محبت ہے نواسازِ فغاں، در پردۂ وہم — کرے ہے مغز سے مانندِ نَے کے استخواں خالی
عبث ہے خطِ ساغر جلوہ طوقِ گردنِ قمری — ہے اُلفت سے ہے مینائے سروِ بوستاں خالی
نہ بھولو یورشِ اعداد کی قطرہ فشانی پر — عزیزاں، ہے برنگِ صفر، جامِ آسماں خالی

اسدؔ ہنستے ہیں میرے گریہ ہائے زار پر مردم
بھرا ہے دہر بیدردی سے، دل کیجیے کہاں خالی

[غزل نمبر ۲۴۵، تعداد اشعار ۷]

(۱۹)

[ورق ۶۰ - الف]

تماشائے جہاں مفتِ نظر ہے — کہ یہ گلزار، باغِ رہ گذر ہے
جہاں شمعِ خموشی جلوہ گر ہے — پرِ پروانگاں بالِ شرر ہے
بجیبِ اشکِ چشمِ سرمہ آلود — مسی مالیدہ دندانِ گہر ہے
شفق ساں، موجۂ خوں ہے رگِ خواب — کہ مژگانِ کشودہ نیشتر ہے
کرے ہے روئے روشن آفتابی — غبارِ خطِ رخ، گردِ سحر ہے
ہوئی یک عمر صرفِ مشقِ نالہ — اثر موقوف برعمرِ دگر ہے

اسدؔ ہوں میں پرافشانِ رمیدن
سوادِ شعر در گردِ سفر ہے

[غزل نمبر ۲۴۶ تعداد اشعار ۷]

رباعیاتِ فارسی

(غیر مطبوعہ)

[ورق ۶۱ - الف]

اے رونقِ مدعائے تمکیں مددے — جان و دلِ خاتم النبیین مددے
اے قبلہ و قبلہ گاہِ ایماں، نظرے — وے خانہ خدائے کعبۂ دیں مددے

(۲)

بیلی، بهواعنان سپردا فسون را   زنگ است که بسته در گره هامون را
از بسکه بعجز می کشد بار دفا   دل در بر ناقه می طپد مجنون را

(۳)

[ورق ۶۱ ب]

اے حسن مخور فریب رعنائی ها   عشق است و هزار کارفرمائی ها
آئینه نمد در آب وارد غافل   چیزے می خواهد این خود آرائی ها

(۴)

ندرت کشیش بکارگاه تحریر   گر خواب زند نقش ببالا تعبیر
گردد ز تحیر فسون پردازی   بال قلمش، نگه بچشم تصویر

(۵)

این باده که از مے کدهٔ جم آمد   پیمانهٔ عشرت دو عالم آمد
بر چهرهٔ نام خویش صادے کردم   یعنی این جا بچشم خواهم آمد

(۶)

گوئی که هنوز جستجو خواهی کرد   عشق بت دیگر آرزو خواهی کرد
اے عمر چه می فریبی از طول امل   با ما که وفا کرد که تو خواهی کرد

(۷)

آن را که دلے به بیکسی هم خانه است   گلزار زمانه، سبزهٔ بیگانه است
با هم چه منے که دوستی دشمن اوست   سگ نیز اگر وفا کند دیوانه است

(۸)

هرچند جنون فسرده سامان نبود   بدمستی و هوشیاری آسان نبود
گشتند نظر پرست نادانے چند   غافل که نظر پرست نادان نبود

(۹)

[ورق ۶۲ - الف]

مرد آن که بوهم خود هراسان نبود   در بند طلسم نفع و نقصان نبود
همواری وضع را، تغافل شرط است   اے مدعیان، کریم نادان نبود

(۱۰)

پیمانۂ بزمِ عیشِ ما، گوشِ خود است — صافِ مئے ما، ترانۂ جوشِ خود است
ہر جا کہ قدم نہیم، آغوشِ خود است — آئینہ مدام، خانہ بر دوشِ خود است

(۱۱)

انگور کز دست انجمن پردازی — می ریزی و سُبحۂ خودش می سازی
اے محتسب آخر از خدا می ترسی؟ — بازی بازی بریشِ بابا بازی!

(۱۲)

گفتم کہ اسد؟ گفت: دل آشفتۂ من — گفتم: نفسش؟ گفت: بخوں خفتۂ من
گفتم: "سخنش باین نزاکت گفتن"؟ — گفت: "این ہمہ مدعاے ناگفتۂ من"

رُباعی اُردو

[ورق ۶۳-الف]

گلخن شرر اہتمام بستر ہے آج
یعنی تپِ عشق شعلہ پرور ہے آج
ہوں درد ہلاک نامہ بر سے بیمار
قارورہ مرا خونِ کبوتر ہے آج

[اپریل ۱۹۶۹ء]
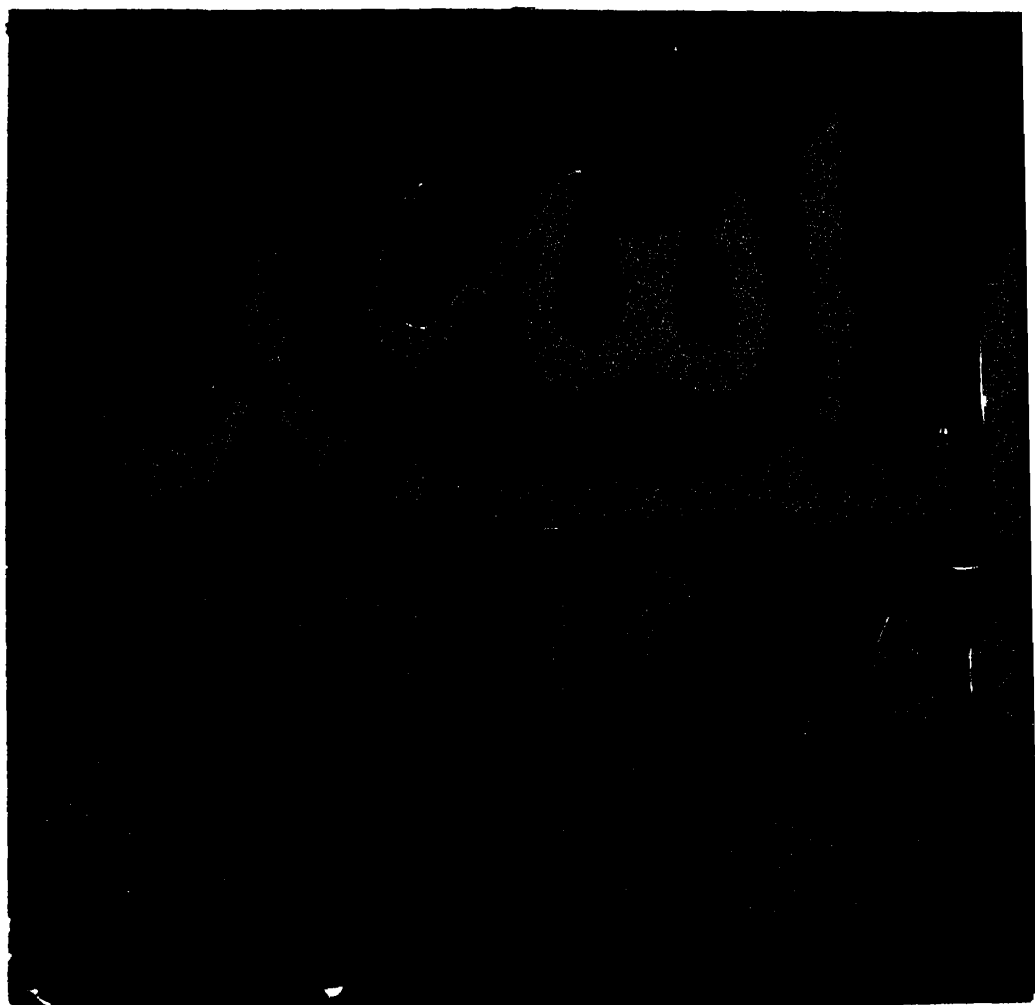
بیاضِ غالب

مرزا اسد اللہ خاں غالب

کے دیوان کی روایتِ اوّلیں جس کا متن

۱۲۳۱ھ
۱۸۱۶ء

میں مرتب کی ہوئی غالب کی اپنی بیاض پر مبنی ہے

یا علی المرتضی علیه و علی اولاده الصلوات و السلام

یا حسن بسم الله الرحمن الرحیم یا حسین

ابوالمعانی میرزا عبدالقادر بیدل رضی الله عنه

یاعلیؑ المرتضیٰ علیہ و علیٰ اولادہ الصلوٰۃ والسلام

یاحسن بسم اللہ الرحمٰن الرحیم یاحسین

ابوالمعالی میرزا عبدالقادر بیدل رضی اللہ عنہ

نقش فریادی ہے کس کی شوخیِ تحریر کا	کاغذی ہے پیرہن ہر پیکرِ تصویر کا
آتشیں پا ہوں گدازِ وحشتِ زنداں نہ پوچھ	موئے آتش دیدہ ہے ہر حلقہ یاں زنجیر کا
شوخیِ نیرنگ صیدِ وحشتِ طاؤس ہے	دام سبزے میں ہے پروازِ چمن تسخیر کا
لذتِ ایجادِ نازِ افسونِ عرضِ ذوقِ قتل	نعل در آتش ہے تیغِ یار سے نخچیر کا
کاوِ کاوِ سخت جانیہائے تنہائی نہ پوچھ	صبح کرنا شام کا لانا ہے جوئے شیر کا
خشت پشتِ دستِ عجز و قالب آغوشِ وداع	پُر ہوا ہے سیل سے پیمانہ کس تعمیر کا؟

شکل ۲ الف

وحشتِ خوابِ عدم شورِ تماشا ہے اسد
جز مژہ جوہر نہیں آئینۂ تعبیر کا

۲

جنوں گرمِ انتظار و نالہ بیتابی کمند آیا — سویدا تا بہ لب زنجیریِ دودِ سپند آیا
عدم ہے خیر خواہِ جلوہ کو زندانِ بیتابی — خرامِ ناز برقِ حاصلِ سعیِ سپند آیا
بہ استقبالِ تمثالِ زماہ اختر فشاں شوخی — تماشا کشورِ آئینہ میں آئینہ بند آیا
تغافل بدگمانی ہا نظر بر سخت جانیہا — نگاہِ بیحجابِ ناز کو بیمِ گزند آیا
فضائے خندۂ گل تنگ و ذوقِ عیش بے پروا — فراغتگاہِ آغوشِ وداعِ دل پسند آیا

جراحت تحفۂ الماس ارمغانہا دیدنی دعوت
مبارکباد اسد غمخوارِ جانِ دردمند آیا

۳

شمارِ سبحہ مرغوبِ بتِ مشکل پسند آیا — تماشائے بیک کف بردنِ صد دل پسند آیا
بفیضِ بیدلی نومیدیِ جاوید آساں تر — کشایش کو ہمارا عقدۂ مشکل پسند آیا
حجابِ سیرِ گل آئینۂ بیمہریِ قاتل — کہ اندازِ بخوں غلطیدنِ بسمل پسند آیا
سوادِ چشمِ بسمل انتخابِ نقطہ آرائی — خرامِ نازِ بے پروائیِ قاتل پسند آیا
ہوئی جس کو بہارِ فرصتِ ہستی سے آگاہی — برنگِ لالہ جامِ بادہ بر محمل پسند آیا

اسد ہر جا سخن نے طرحِ باغِ تازہ ڈالی ہے
مجھے رنگِ بہارِ ایجادیِ بیدل پسند آیا

۴/۲

خود آرا وحشتِ چشمِ پری سے شب وہ بدخو تھا
کہ موم آئینۂ تمثال کو تعویذِ بازو تھا

بشیرینیِ خواب آلودہ مژگاں نشترِ زنبور
خود آرائی سے آئینہ طلسمِ مومِ جادو تھا

نہیں ہے بازگشتِ سیلہا جز جانبِ دریا
ہمیشہ
~~دو عالم~~ دیدۂ گریاں کو آبِ رفتہ در جو تھا

رہا نظارہ وقتِ بے نقابیہا بخود لرزاں
سرشک آگیں مژہ سے دستِ از جاں شستہ بر رو تھا

غمِ مجنوں عزاداران لیلا کا پرستش گر
خمِ رنگِ سیاہ از حلقہ ہائے چشمِ آہو تھا

رکھا غفلت نے دور افتادۂ ذوقِ فنا ورنہ
اشارت فہم کو ہر ناخنِ بریدہ ابرو تھا

اسد خاکِ درِ میخانہ ہا بر فرق پاشیدن
خوشا روزے کہ آب از ساغرِ مے تا بزانو تھا

۵/۶

دو دیدن کے نگیں جوں ریشۂ زیرِ زمیں پایا
بہ گرد سرمہ اندازِ نگاہِ شرمگیں پایا

لگی اک سیہ ... روزن سے بھی چشمِ سفید آخر
~~نگہ چشمِ سفید ... روزن ... ہے~~
حیا کو انتظارِ جلوہ ریزی کے نگیں پایا

بحسرت گاہِ نازِ کشتۂ جاں بخشیِ خوباں
خضر کو چشمۂ آبِ بقا سے تر جبیں پایا

پریشانی سے مغزِ سر ہوا ہے پنبۂ بالش
خیالِ شوخیِ خوباں کو راحت آفریں پایا

نفس حیرت پرستِ طرزِ ناگیرائیِ مژگاں
مگر دستے بہ دامانِ نگاہِ واپسیں پایا

اسد کو پیچ تابِ طبعِ برق آہنگ مسکن ہے

حصارِ شعلہ جوّالہ میں عزلت گزیں پایا

ـه

٦/٦ نزاکت ہے فسونِ طاقتِ شوخی شکستن ہا
شرارِ سنگ نا اندازِ چراغ از چشم جستن ہا

سیہ مستیٔ چشمِ شوخ سے ہیں جوہرِ مژگاں
شرار آسا زِ سنگِ سرمہ یکسر تار جستن ہا

ہوا نے ابر سے کی موسمِ گل میں نمد بافی
کہ تھا آئینۂ خور بے نقابِ زنگ بستن ہا

دل از اضطراب آسودہ طاعت گاہ و داغ آیا
برنگِ شعلہ ہے مُہرِ نماز از پا نشستن ہا

تکلّف عاقبت میں ہے دلا بندِ قبا وا کر
نفس ہا بعدِ وصلِ دوست تاوانِ گسستن ہا

(اسد) ہر اشک سے ہے یک حلقہ بر زنجیر افزودن
بہ بندِ گریہ ہے نقشِ بر آب امید رستن ہا

ـه

بسانِ جوہرِ آئینہ از ویرانیٔ دلہا
غبارِ کوچہ ہائے موج ہے خاشاکِ ساحلہا

نگہ کی ہم نے پیدا رشتۂ ربطِ علائق سے
ہوئے ہیں پردہ ہائے چشمِ عبرت جلوہ حائلہا

نہیں ہے باوجودِ ضعف سیرِ بیخودی آساں
رہِ خوابیدہ میں افگندنی ہے طرحِ منزلہا

تماشا کردنی ہے انتظار آبادِ حیرانی

نہیں غیر از نگہ جوں نرگستاں فرشِ محفل ہا

فریبِ بہرِ تسکینِ ہوس درکار ہے ورنہ ۔۔۔ بوہمِ زر گرہ میں باندھتے ہیں برقِ حاصل ہا

(اسد) تارِ نفس ہے ناگزیرِ عقدہ پیرائی
بنوکِ ناخنِ شمشیر کیجے حلِّ مشکل ہا

٢

۸/۶ بشغلِ انتظارِ مہوشاں در خلوتِ شب ہا ۔۔۔ سرِ تارِ نظر ہے رشتۂ تسبیحِ کوکب ہا

کرے گر فکرِ تعمیرِ خرابیہائے دل گردوں ۔۔۔ نہ نکلے خشت مثلِ استخواں بیروں قالب ہا

نہیں دریردہ حسن از کوششِ مشاطگی غافل ۔۔۔ کہ ہے تہ بندیِ خطِ سبزہ خطِ دورِ تہِ لب ہا

عیادت ہے طعن آلودِ یاراں زہرِ قاتل ہے ۔۔۔ رفوئے زخم کرتے ہیں بنوکِ نیشِ عقرب ہا

فنا کو عشق ہے بے مقصداں حیرت پرستاراں ۔۔۔ نہیں رفتارِ عمرِ تیز رو پابندِ مطلب ہا

اسد کو بت پرستی عالمِ درد آشنائی ہے
نہاں ہے نالۂ ناقوس میں در پردہ یارب ہا

٣

۹/۶ بہ رہن شرم ہے با وصفِ شہرت اہتمام اس کا ۔۔۔ نگیں میں جوں شرارِ سنگ ناپیدا ہے نام اس کا

سروکارِ تواضع تا خمِ گیسو رسانیدن ۔۔۔ بسانِ شانہ زینت ریز ہے دستِ سلام اس کا

مسی آلود ہے مہرِ نوازش نامہ ظاہر ہے ۔۔۔ کہ داغِ آرزوئے بوسہ دیتا ہے پیام اس کا

باامیدِ نگاہِ خاص ہوں محملکشِ حسرت — مبادا ہو عناں گیرِ تغافل لطفِ عام اس کا

لڑاتے ہیں وے گروہ بزمِ میکشی میں قہر و شفقت کو — بھرے پیمانۂ صد زندگانی ایک جام اس کا

اسد سودائے سر سبزی میں ہے تسلیم رنگیں تر

کہ کشتِ خشک اس کا ابرِ بے پروا خرام اس کا

۳

یاد روزے کہ نفس در گرہِ یارب تھا — نالۂ دل بکمر دامنِ قطعِ شب تھا

بتحیر کدۂ فرصتِ آرایشِ وصل — دلِ شب آئینہ دارِ تپشِ کوکب تھا

جوہرِ فکر پر افشانیِ نیرنگِ خیال — حسن آئینہ و آئینہ چمن مشرب تھا

پردۂ دردِ دل آئینۂ صد رنگِ نشاط — بخیۂ زخمِ جگر خندۂ زیرِ لب تھا

بتمنا کدۂ حسرتِ ذوقِ دیدار — دیدہ گو خوں ہو تماشائے چمن مطلب تھا

نالہا حاصلِ اندیشہ کہ جوں کشتِ سپند — دلِ ناسوختہ آتشکدۂ صد تب تھا

(اسد) افسردگی آوارۂ کفر و دیں ہے

یاد روزے کہ نفس در گرہ یارب تھا

۴

شب کہ دلِ زخمیِ عرضِ دو جہاں تیر آیا — نالہ بر خود غلطِ شوخیِ تاثیر آیا

دستِ جیبِ جنونِ تپشِ دل مت پوچھ — محملِ دشت بدوشِ رمِ نخچیر آیا

بے گرفتاریِ نیرنگِ تماشا ہستی — بالِ طاؤس سے دل پائے بزنجیر آیا

دید حیرت کشِ خورشید چراغانِ خیال

عرضِ شبنم سے چمن آئینہ تعمیر آیا

عشقِ ترسا بچہ و نازِ شہادت مت پوچھ — کہ کلہ گوشہ بہ پروازِ پرِ تیر آیا

اے خوشا شوقِ سبک تازِ شہادت کہ اسد — بے تکلف بہ سجودِ خمِ شمشیر آیا

۲ہ

۱۲/۷ سیرِ آں سوئے تماشا ہے طلب گاروں کا — خضر مشتاق ہے اس دشت کے آواروں کا

سرِ خطِ بند ہوا نامہ گنہگاروں کا — خونِ ہدہد سے لکھا نقش گرفتاروں کا

فرد آئینہ میں بخشیں شکنِ خندۂ گل — دلِ آزردہ پسند آئینہ رخساروں کا

داد خواہِ تپش و مُہرِ خموشی بر لب — کاغذِ سرمہ ہے جامہ ترے بیماروں کا

وحشتِ نالہ بہ واماندگیِ وحشت ہے — جرسِ قافلہ یاں دل ہے گرفتاروں کا

جلوہ مایوس نہیں دل نگرانیٔ غافل — چشمِ امید ہے روزن تری دیواروں کا

(اسد) اے ہرزہ درا نالہ بغوغا تا چند
حوصلہ تنگ نہ کر بے سبب آزاروں کا

۳ہ

۱۳/۷ طاؤس در رکاب ہے ہر ذرّہ آہ کا — یارب نفس غبار ہے کس جلوہ گاہ کا

عزلت گزینِ بزم ہیں واماندگانِ دید — مینائے مے ہے آبلہ پائے نگاہ کا

ہر گام آبلے سے ہے دل درتہِ قدم — کیا بیم اہلِ درد کو سختی راہ کا

غافل بہ وہمِ ناز خود آرا ہے ورنہ یاں — بے شانۂ صبا نہیں طرّہ گیاہ کا

جیبِ نیازِ عشق نشاں دارِ ناز ہے — آئینہ ہوں شکستنِ طرفِ کلاہ کا

بزمِ قدح سے عیشِ تمنا نہ رکھ کہ رنگ — صیدِ ز دام جستہ ہے اس دام گاہ کا

جاں درہوائے یک نگہِ گرم ہے اسد
پروانہ ہے وکیل ترے داد خواہ کا

۱۴ یک ذرۂ زمیں نہیں بیکار باغ کا — یاں جادہ بھی فتیلہ ہے لالے کے داغ کا

بے مے کسے ہے طاقتِ آشوبِ آگہی — کھینچا ہے عجزِ حوصلہ نے خط ایاغ کا

تازہ نہیں ہے نشۂ فکرِ سخن مجھے — تریاکیِ قدیم ہوں دودِ چراغ کا

بے خونِ دل ہے چشم میں موجِ نگہ غبار — یہ میکدہ خراب ہے مے کے سراغ کا

باغِ شگفتہ تیرا بساطِ ہوائے دل — ابرِ بہار خمکدہ کس کے دماغ کا

جوشِ بہار کلفتِ نظارہ ہے اسد
ہے ابر پنبہ روزنِ دیوارِ باغ کا

۱۵ نہ بھولا اضطرابِ دم شماری انتظار اپنا — کہ آخر شیشۂ ساعت کے کام آیا غبار اپنا

زبس آتش نے فصلِ رنگ میں رنگِ دگر پایا — چراغِ گل سے ڈھونڈے ہے چمن میں شمعِ خار اپنا

~~گرفتاری [illegible]~~ — بدامِ جوہرِ آئینہ ہو جاوے شکار اپنا

مگر بہار [illegible] شوقِ خود آرائی — ہوا ہے نقشبندِ آئینہ سنگِ مزار اپنا

دریغ اے ناتوانی ورنہ ہم ضبط آشنایاں نے

اور ماتم بال و پر کا ہے

وہ دلِ سوزاں کہ کل تک شمعِ ماتم خانہ تھا

ساتھ جنبش کے بیک برخاستن طے ہو گیا گویا صحرا غبارِ دامنِ دیوانہ تھا
دیکھ اُس کے ساعد و دستِ حنا آلود کو شاخِ گل جلتی تھی مثلِ شمعِ گل پروانہ تھا

اے اسد رویا جو دشتِ غم میں میں حیرت زدہ
آئنہ خانہ زسیلِ اشک ہر ویرانہ تھا

یا ... نذرِ کرم تحفہ ہے شرمِ نارسائی کا بخوں غلطیدۂ صد رنگ دعویٰ پارسائی کا
جہاں رہ جائے سعیِ دید خضر آبادِ آسایش بجیبِ ہر نگہ پنہاں ہے حاصل رہنمائی کا
بعجز آبادِ وہمِ مدعا تسلیمِ شوخی ہے تغافل کو نہ کر مصروف تمکیں آزمائی کا
زکاتِ حسن دے اے جلوۂ بینش کہ مہر آسا چراغِ خانۂ درویش ہو کاسہ گدائی کا
نہ مارا جان کر بے جرم غافل تیری گردن پر رہا مانندِ خونِ بے گنہ حق آشنائی کا
دہانِ ہر بتِ پیغارہ جو زنجیرِ رسوائی عدم تک بے وفا غوغا ہے تیری بیوفائی کا

اسد کا قصہ طولانی ہے لیکن مختصر یہ ہے
کہ حسرت کش رہا عرضِ تمنائے جدائی

19/9

نہ ہو حسنِ تماشا دوست رسوا بے وفائی کا بمہرِ صد نظر ثابت ہے دعویٰ پارسائی کا
ہوس گستاخیِ آئینہ تکلیفِ نظر بازی بجیبِ آرزو پنہاں ہے حاصل دلربائی کا
نظر بازی طلسمِ وحشت آبادِ پرستاں ہے رہا بیگانۂ تاثیر افسونِ آشنائی کا
نہ پایا درد مندِ دوریِ یاراں یک دل نے

سوادِ خطِ پیشانی سے نسخہ مومیائی کا

تمنائے زباں محوِ سپاسِ بے زبانی ہے — گیا جس سے تقاضا شکوۂ بے دست و پائی کا

اسد یہ عجز و بے سامانیِ فرعون توام ہے
جسے تو بندگی کہتا ہے دعویٰ ہے خدائی کا

۲۰ کرے گر حیرتِ نظارہ طوفاں نکتہ گوئی کا — حبابِ چشمۂ آئینہ ہووے بیضہ طوطی کا

برنگِ قیس دستِ شرم ہے مژگانِ آہو سے — مگر روزِ عروسی گم ہوا تھا شانہ لیلیٰ کا

فسانِ تیغِ نازک قاتلاں سنگِ جراحت ہے — دلِ گرمِ تپش قاصد ہے پیغامِ تسلی کا

نہیں گرداب جز سرگشتگی ہائے طلب جوشی — حبابِ بحر کے ہے آبلوں میں ہے خارِ ماہی کا

نیازِ جلوہ ریزی طاقتِ بالیں شکستن ہا — تکلف کو خیال آیا ہو گر بیمار پرسی کا

نہ دی خورشید نے فرصت بقدرِ شبنمستانی — تصور نے کیا ساماں ہزار آئینہ بندی کا

اسد تاثیرِ صافی ہائے حیرت جلوہ پرور ہو
گر آبِ چشمۂ آئینہ دھووے عکس زنگی کا

۲۱ ز بس خوں گشتۂ رشکِ وفا تھا وہمِ بسمل کا — چرایا زخم ہائے دل نے پانی تیغِ قاتل کا

نگاہِ چشمِ حاسد وام لے اے ذوقِ خود بینی — تماشائی ہوں وحدت خانۂ آئینۂ دل کا

سراپا رہنِ عشق و ناگزیرِ الفتِ ہستی — عبادت برق کی کرتا ہوں اور افسوس حاصل کا

شرر فرصت نگہ ساماں یک عالم چراغاں ہے — بقدرِ رنگ یاں گردش میں ہے پیمانہ محفل کا

بقدرِ ظرف ہے ساقی خمارِ تشنہ کامی بھی — جو تو دریائے مے ہے تو میں خمیازہ ہوں ساحل کا

[illegible]

سبب ہے ناخنِ دخلِ عزیزاں سینۂ خستہ کا

۲۴ عیادت سے زبس ٹوٹا ہے دل یارانِ غمگیں کا — نظر آتا ہے موئے شیشہ رشتہ شمعِ بالیں کا

صدا ہے کوہ میں حشر آفریں اے غفلت اندیشاں — پئے تجدیدِ یاراں ہے تمثال خوابِ سنگیں کا

بجا ہے غنچۂ گل ہے ہجومِ خار و خس یاں تک — کہ صرفِ بخیۂ داماں ہوا ہے خندہ گلچیں کا

نصیبِ آستیں ہے حاصلِ روئے عرق آگیں — چُنے ہے کہکشاں از خرمنِ مہ خوشۂ پرویں کا

بوقتِ کعبہ جوئی ہا جرس کرتا ہے ناقوسی — کہ صحرا فصلِ گل میں رشک ہے بتخانۂ چیں کا

تپیدن دل کو سوزِ عشق میں خوابِ فراموشی ہے — رکھا ہے پنبۂ مجمر میں پہلو گرم تمکیں کا

اسد طرز آشنایانِ قیامت رودانِ نکتہ سنجی ہیں
سخن کا بندہ ہوں لیکن نہیں مشتاق تحسیں کا

۲۵ بہارِ رنگِ خونِ گل ہے ساماں اشکباری کا — جنونِ برق نشتر ہے رگِ ابرِ بہاری کا

برائے حلِ مشکل ہوں ز پا افتادۂ حسرت — بندھا ہے عقدۂ خاطر سے پیماں خاکساری کا

حریفِ جوششِ دریا نہیں خودداریٔ ساحل — جہاں ساقی ہو تو باطل ہے دعویٰ ہوشیاری کا

بوقتِ سرنگونی ہے تصور انتظارستاں — نگہ کو آبلوں سے شغل ہے اختر شماری کا

لطافت بے کثافت جلوہ پیدا کر نہیں سکتی — چمن زنگار ہے آئینۂ بادِ بہاری کا

اسد ساغر کشِ تسلیم ہو گردش سے گردوں کی
کہ ننگِ فہمِ مستاں ہے گلہ بد روزگاری کا

۳۴ وردِ اسمِ حق سے دیدارِ صنم حاصل ہوا	رشتۂ تسبیح تارِ جادۂ منزل ہوا
خاکِ عاشق بس کہ ہے فرسودۂ پروازِ شوق	جادۂ ہر دشت تارِ دامنِ قاتل ہوا
قیس نے از بس کہ کی سیرِ گریبانِ نفس	یک دو چیں دامانِ صحرا پردۂ محمل ہوا
محتسب سے تنگ ہے از بسکہ کارِ مے کشاں	رز میں جوں انگور نکلا عقدۂ مشکل ہوا
وقتِ شب اُس شمع رُو کے شعلۂ آواز پر	گوشِ نسریں عارضاں پروانۂ محفل ہوا

عیب کا دریافت کرنا ہے ہنرمندی اسد
نقص پر اپنے ہوا جو مطلعِ کامل ہوا

ه

۳۵ قطرۂ مے بس کہ حیرت سے نفس پرور ہوا	خطِ جامِ بادہ یکسر رشتۂ گوہر ہوا
گرمئ دولت ہوئی آتش زنِ نامِ نکو	خانۂ خاتم میں یاقوتِ نگیں اخگر ہوا
نشے میں گم کردہ رہ آیا وہ مستِ فتنہ خو	آج رنگِ فتنہ دورِ گردشِ ساغر ہوا
درد سے در پردہ دی مژگاں سیاہاں نے شکست	ریزہ ریزہ استخواں کا پوست میں نشتر ہوا

اے بہ ضبطِ حالِ نا افسردگاں جوشِ جنوں | نشہ ہے اگر یک پردہ نازک تر ہوا
زہد گردیدن ہے گردِ خانہ ہائے منعماں | دانۂ تسبیح سے میں مُہرہ در ششدر ہوا

اس چمن میں ریشہ داری جس نے سر کھینچا اسد
تر زبانِ لطفِ عامِ ساقیِ کوثر ہوا

ــــ

۲۷ ۵ وحشی بن صیاد نے ہم رم خوردوں کو کیا رام کیا | رشتۂ چاکِ جیبِ دریدہ صرفِ قماشِ دام کیا
عکسِ رخِ افروختہ تھا تصویر بہ پشتِ آئینہ | شوخ نے وقتِ حسن طرازی تمکیں سے آرام کیا
ساقی نے از بہرِ گریباں چاکیِ موجِ بادۂ ناب | تارِ نگاہِ سوزنِ مینا رشتۂ خطِ جام کیا
مہر بجائے بادہ لگائی بر لبِ پیکِ نامہ رساں | قاتلِ تمکیں سنج نے یوں خاموشی کا پیغام کیا

شامِ فراقِ یار میں جوشِ خیرہ سری سے ہم نے اسد
ماہ کو در تسبیحِ کواکب جائے نشینِ امام کیا

ــــ

۲۹ گر نہ احوالِ شبِ فرقت بیاں ہو جائے گا | بے تکلف داغِ مہ مُہرِ دہاں ہو جائے گا
زہرہ گر ایسا ہی شامِ ہجر میں ہوتا ہے آب | پرتوِ مہتاب سیلِ خانماں ہو جائے گا
گر وہ مستِ ناز تمکیں دے صلائے عرضِ حال | خارِ گل بہرِ دہانِ گل زباں ہو جائے گا
گر نگاہِ گرم فرماتی رہی تعلیمِ ضبط | شعلہ خس میں جیسے خوں رگ میں نہاں ہو جائے گا

گر شہادت آرزو ہے نشے میں گستاخ ہو ۔۔۔ بال شیشے کا رگ سنگ فساں ہو جائے گا

فائدہ کیا سوچ آخر تو بھی دانا ہے اسد

دوستی ناداں کی ہے جی کا زیاں ہو جائے گا

۳۰ تنک ظرفوں کا رتبہ جہد سے برتر نہیں ہوتا ۔۔۔ حباب بے بصد بالیدگی ساغر نہیں ہوتا

عجب ہے آبلہ پایان صحرای نظربازی ۔۔۔ کہ تار جادۂ رہ رشتۂ گوہر نہیں ہوتا

خوشا عجزے کہ عاشق جل بجھے جوں شعلہ خاشاک ۔۔۔ کہ کم از سرمہ اُس کا مشت خاکستر نہیں ہوتا

تماشائے گل و گلشن ہے صنعت سر بجیبی ہا ۔۔۔ بہ از چاک گریباں گلستاں کا در نہیں ہوتا

نہ رکھ چشم حصول نفع صحبت ہائے ممسک سے ۔۔۔ لب خشک صدف آب گہر سے تر نہیں ہوتا

نہ دیکھا کوئی ہم نے آشیاں بلبل کا گلشن میں ۔۔۔ کہ جس کے در پہ غنچہ شکل قفل زر نہیں ہوتا

صفا کب جمع ہو سکتی ہے بے غیر از گوشہ گیری ہا

صدف بن قطرۂ نیساں اسد گوہر نہیں ہوتا

۳۱ لب خشک در تشنگی مردگاں کا ۔۔۔ زیارت کدہ ہوں دل آزردگاں کا

شگفتن کمیں گاہ تقریب جوئی ۔۔۔ تصور ہوں بے موجب آزردگاں کا

غریب بدر جستۂ باز گشتن ۔۔۔ سخن ہوں سخن بر لب آوردگاں کا

سراپا یک آئینہ دار شکستن

ارادہ ہوں یک عالم افسردگاں کا

۴ ہمہ ناامیدی، ہمہ بدگمانی — میں دل ہوں فریبِ وفا خوردگاں کا

چہ ظاہر چہ باطن تکلف تاسف

اسد میں تبسم ہوں پژمردگاں کا

۳۲/۵ ہے تنگ ز واماندہ شدن حوصلۂ پا — جو اشک گرا خاک میں ہے آبلۂ پا

سر منزلِ ہستی سے ہے صحرائے طلب دور — جو خط ہے کفِ پا پہ ہے سو سلسلۂ پا

دیدار طلب ہے دل واماندہ کہ آخر — نوکِ سرِ مژگاں سے رقم ہو گلۂ پا

آیا نہ بیانِ طلب کام زباں تک — تب خالۂ لب ہو نہ سکا آبلۂ پا

فریاد سے پیدا ہے اسد گرمیٔ وحشت

تب خالۂ لب ہے جرسِ قافلۂ پا

۳۳/۵ وہ فلک رتبہ کہ بر توسنِ چالاک چڑھا — ماہ پر ہالہ صفت حلقۂ فتراک چڑھا

نشۂ مے کے اتر جانے کے غم سے انگور — صورتِ اشکِ بہ مژگانِ رگِ تاک چڑھا

بوسۂ لب سے ملی طبع کو کیفیتِ خال — مے کشیدن سے مجھے نشۂ تریاک چڑھا

میں جو گردوں کو بمیزانِ طبیعت تولا — تھا یہ کم وزن کہ ہم سنگِ کفِ خاک چڑھا

اسد از بس وا شدنِ عقدۂ غم گر چاہے

حسرتِ نقش میں جوں شانۂ دل چاک چڑھا

۳۴ شب کہ ذوقِ گلۂ شیشے دل بیتاب تھا — شوخیٔ وحشت سے افسانہ فسونِ خواب تھا

گرمیٔ برقِ تپش سے زہرۂ دل آب تھا — شعلۂ جوالہ ہر یک حلقۂ گرداب تھا

واں کرم کو عذرِ بارش تھا عناں گیرِ خرام — گریہ سے یاں پنبۂ بالش کفِ سیلاب تھا[1]

واں خود آرائی کو تھا موتی پرونے کا خیال — یاں ہجومِ اشک میں تارِ نگہ نایاب تھا[2]

لے زمیں سے آسماں تک فرش[3] تھیں بیتابیاں — شوخیِ بارش سے مہ فوارۂ سیماب تھا

جوشِ یادِ[4] نغمۂ دمسازِ مطرب سے (اسد)

ناخنِ غم بر سرِ تارِ نفس مضراب تھا

۳۵/۶ نالۂ دل میں شب اندازِ اثر نایاب تھا[5] — تھا سپندِ بزمِ وصلِ غیر گو بیتاب تھا[6]

دیکھتے تھے ہم بچشمِ خود وہ طوفانِ بلا — آسمانِ سفلہ جس میں یک کفِ سیلاب تھا

موج سے پیدا ہوئے پیراہنِ دریا میں خار — گریۂ وحشت بے قرارِ جلوۂ مہتاب تھا

جوشِ تکلیفِ تماشا، محشر آبادِ[7] نگاہ — فتنۂ خوابیدہ کو آئینہ مشتِ آب تھا

بے خبر مت کہہ ہمیں بے درد خود بینی سے پوچھ — قلزمِ ذوقِ نظر میں آئنہ پایاب تھا

بے دلی ہائے اسد افسردگی آہنگ تر

یادِ ایامے کہ ذوقِ صحبتِ احباب تھا

۳۶/۵ شب کہ وہ مجلس فروزِ خلوتِ ناموس تھا[8] — شمع سے یک خار در پیراہنِ[9] ناموس تھا

حاصلِ الفت نہ دیکھا جز شکستِ آرزو — دل بدل پیوستہ گویا یک لبِ افسوس تھا

بُت پرستی ہے بہارِ نقشبندیٔ جہاں[10]

ہر صریرِ خامہ[۱] میں یک
~~از صریرِ خامہ پیدا~~ نالۂ ناقوس تھا

غنچۂ خاطر نے زنگِ سیر[۲] گلستاں گل کیا　　گردِ تصویرِ گلشن بیضۂ طاؤس تھا

یاد آیا مے کہ درد سینہ ریشی سے اسد[۳]
دست بر دل سر بزانوے دلِ مایوس تھا

۴

۳۷/۹ شبِ اخترِ قدحِ عیش نے محمل باندھا　　بار یک قافلۂ آبلہ منزل باندھا

سبحۂ واماندگیِ شوق و تماشا منظور　　جادہ پر زیورِ[۵] صد آئینہ منزل باندھا

ضبطِ گریہ گہر آبلہ ہاے تب خال[۶]　　پاے صد موج بطوفاں کدہ دل باندھا

داغ لے حاجتِ بیدرد کہ در عرضِ حیا[۷]　　یک عرق آئینہ بر جبہۂ سایل باندھا

حسنِ آشفتگیِ جلوہ ہے عرضِ اعجاز　　دستِ موسیٰ بسرِ دعویِ باطل باندھا

تپشِ آئینہ پرواز تمنا معلوم[۹]　　نامۂ شوق بہ بالِ پرِ بسمل باندھا

دیدہ تا دل ہے یک آئینہ چراغاں کس نے　　خلوتِ ناز پہ پیرایۂ محفل باندھا

نا امیدی نے بتقریبِ مضامینِ خمار　　کوچۂ موج کو خمیازۂ ساحل باندھا

~~وہ نفس ہوں کہ اسد فرصت نے~~

وہ نفس ہوں کہ اسد مطربِ دل نے مجھ سے[۱۰]
ساز پر رشتہ بوسانِ پے نغمۂ بیدل باندھا

قد و گیسو میں قیس و کوہکن کی آزمائش ہے
جہاں ہم ہیں وہاں دار و رسن کی آزمائش ہے

۳۸/۷ عرضِ نیازِ عشق کے قابل نہیں رہا [1] — جس دل پہ ناز تھا مجھے وہ دل نہیں رہا

جاں دادگاں کا حوصلہ فرصت گداز ہے — یاں عرصۂ تپیدنِ بسمل نہیں رہا

ہوں قطرہ زن بوادیِ حسرت شبانہ روز — جُز تارِ اشک جادۂ منزل نہیں رہا

بر روئے شش جہت درِ آئینہ باز ہے — یاں امتیازِ ناقص و کامل نہیں رہا

اے آہ میری خاطرِ وابستہ کے سوا — دنیا میں کوئی عقدۂ مشکل نہیں رہا

ہر چند ہوں میں طوطیِ شیریں سخن ولے — آئینہ آہ میرے مقابل نہیں رہا

اندازِ نالہ یاد ہیں سب مجھ کو پر اسد

~~... کہ اختیار کے قابل نہیں رہا~~

جس دل پہ ناز تھا مجھے وہ دل نہیں رہا [2]

۳۹/۱۰ خلوتِ آبلۂ پا میں ہے جولاں میرا [3] — خوں ہے کش تنگیِ وحشت سے بیاباں میرا

ذوقِ سرشار سے بے پردہ ہے طوفاں میرا — موجِ خمیازہ ہے ہر زخم نمایاں میرا

حسرتِ [4] نشۂ وحشت نہ بسعیِ دل ہے — عرضِ خمیازۂ مجنوں ہے گریباں میرا

عالمِ بے سروسامانیِ فرصت مت پوچھ — لنگرِ وحشتِ مجنوں ہے بیاباں میرا

عیش بازیکدۂ حسرتِ جاوید رسا — خونِ آدینہ سے رنگیں ہے دبستاں میرا

سرمۂ مفتِ نظر ہوں مری قیمت یہ ہے

کہ رہے چشمِ خریدار پہ احساں میرا

بے دماغِ تپشِ رشک ہوں، اے جلوہ بساط[1] — تشنۂ خونِ دل و دیدہ ہے پیماں میرا

فہمِ زنجیری بے ربطیِ دل ہے، یارب — کس زباں میں ہے لقب خوابِ پریشاں میرا

ہوسِ درد[2] سرِ اہلِ سلامت تا چند — مشکلِ عشق ہوں، مطلب نہیں آساں میرا

بوئے یوسف مجھے گلزار سے آتی تھی اسد

کس[3] نے برباد کیا، پیرہنستاں میرا

۴۰/۶

بمہرِ نامہ جو بوسہ گلِ پیام رہا[4] — ہمارا کام ہوا اور تمھارا نام رہا

ہوا نہ مجھ سے بجز درد، حاصلِ صیاد — برنگِ[5] اشک گرفتارِ چشمِ دام رہا

شکستِ رنگ کی لائی سحر شبِ سنبل — پہ زلفِ یار کا افسانہ ناتمام رہا

دل و جگر تفِ فرقت سے جل کے خاک ہوئے — ولے ہنوز خیالِ وصال خام رہا

دہانِ تنگ مجھے کس کا یاد آیا تھا — کہ شب خیال میں بوسوں کا اژدحام رہا

اسد نہ پوچھ شب و روزِ ہجر کا احوال[6]

خیالِ زلف و رخِ دوست صبح و شام رہا

۴۱/۴

خط جو رخ پہ جانشینِ ہالۂ مہ ہو گیا[7] — ہالہ دودِ شعلۂ جوالۂ مہ ہو گیا

حلقۂ گیسو کھلا، دورِ خطِ رخسار پر — ہالۂ دیگر بہ گردِ ہالۂ مہ ہو گیا

شب کہ مستِ دیدنِ مہتاب تھا وہ جامہ زیب — پارۂ چاکِ کتاں پرکالۂ مہ ہو گیا

شب کہ وہ گل باغ میں تھا جلوہ فرمائے اسد

داغِ مے جوشِ چمن سے لالۂ مہ ہو گیا

[۱]

۴۲/۶ بس کہ عاجز نارسائی سے کبوتر ہو گیا
صفحۂ نامہ غلافِ بالشِ پر ہو گیا

صورتِ دیباۓ تپش سے میری غرقِ خوں ہے آج
خارِ پیراہن رگِ بستر کو نشتر ہو گیا

بسکہ آئینے نے پایا گرمیٔ رخ سے گداز
دامنِ تمثال برگِ گل صفت[۲] تر ہو گیا

بسکہ وقتِ گریہ نکلا تیرہ کاری کا غبار
دامنِ آلودہ عصیاں گراں تر ہو گیا

شعلہ رخسارا تحیر[۳] سے تری رفتار کے
خارِ شمع آئینۂ آتش میں جوہر ہو گیا

حیرتِ اندازِ رہبر ہے عناں گیر اے اسد
نقشِ پاۓ خضر یاں سدِّ سکندر ہو گیا

[۳]

۴۳/۶ یک گامِ بیخودی سے لوٹیں بہارِ صحرا
آغوشِ نقشِ پا میں کیجے فشارِ صحرا

وحشت اگر رسا ہے بے حاصلی ادا ہے
پیمانۂ ہوا ہے مشتِ غبارِ صحرا

اے آبلہ کرم کر یاں رنجۂ یک قدم کر
اے نورِ چشمِ مجنوں[۴] اے یادگارِ صحرا

دل در رکابِ صحرا خانہ خرابِ صحرا
موجِ سرابِ صحرا عرضِ خمارِ صحرا

ہر ذرہ یک دلِ پاک آئینہ خانہ خاک[۵]
تمثالِ شوقِ بیباک صد جادو چارِ صحرا

دیوانگی اسد کی حسرت کشِ طرب ہے
در سر ہواۓ گلشن، در دل غبارِ صحرا[۶]

۱

۴۴/۵

۱ دلِ بیتاب کہ سینے میں دمِ چند رہا — بدمِ چند گرفتارِ غمِ چند رہا

۴ الفتِ زر رہِ نقصاں ہے کہ آخر قارون — زیرِ بارِ غمِ دام و درمِ چند رہا

۲ زندگی کے ہوئے، ناگہ نفسِ چند تمام — کوچۂ یار، جو مجھ سے قدمِ چند رہا

۳ لکھ سکا میں نہ اُسے شکوۂ پیماں شکنی — لاجرم توڑ کے عاجز قلمِ چند رہا

عمر بھر ہوش نہ یکجا ہوئے میرے کہ اسد

میں پرستندۂ روئے صنمِ چند رہا

۲

۴۵/۵

جگر سے ٹوٹی ہوئی ہو گئی سناں پیدا — دہانِ زخم میں آخر ہوئی زباں پیدا

بسانِ سبزہ رگِ خواب ہے زباں ایجاد — کرے ہے خامشی احوالِ بیخوداں پیدا

صفا و شوخی و انداز حسن پا بہ رکاب — خطِ سیاہ سے ہے گردِ کارواں پیدا

نہیں ہے آہ کو ایماے تیر بالیدن — وگرنہ ہے خمِ تسلیم سے کماں پیدا

نصیبِ تیرہ بلا گردش آفریں ہے اسد

زمیں سے ہوتے ہیں صد دامنِ آسماں پیدا

۳

۴۶/۶

اُف نہ کی، گو سوزِ غم سے بیمحابا جل گیا — آتشِ خاموش کی مانند گویا جل گیا

دود میرا سنبلستاں سے کرے ہے ہمسری — بسکہ ذوقِ[۱] آتشِ گل سے سراپا جل گیا

شمع رُویاں کی سرِ انگشتِ حنائی دیکھ کر — غنچۂ گُل، پرفشاں، پروانہ آسا جل گیا

خانمانِ عاشقاں، دوکانِ آتش باز ہے — شعلہ رُویاں[۲] جب ہُوئے گرمِ تماشا جل گیا

تا کجا افسوسِ گرمیہائے صحبت اے خیال — دل ز آتش خیزیِ داغِ تمنا جل گیا

ہے اسد بیگانۂ، کو افسردگی، کو بیکسی[۳]

دل ز گرمیِ تپاکِ اہلِ دنیا جل گیا

۴

۴۷/۵ نہاں کیفیتِ مے میں ہے سامانِ حجاب اُس کا — بُتِ ہے پنبۂ مینا سے ساقی نے نقاب اُس کا

اگر اُس شعلہ رُو کو دوں پیامِ مجلس افروزی[۵] — زبانِ شمعِ خلوت خانہ دیتی ہے جواب اُس کا

عیاں کیفیتِ میخانہ ہے جوئے گلستاں میں — کہ مے عکسِ شفق ہے اور ساغر ہے حباب اُس کا

اُٹھائے ہیں ہیں جو افتادگی میں متصل صدمے — کروں گا اشکہائے واچکیدہ سے حساب اُس کا

(اسد) کے واسطے رنگے پرے کا رہو پیدا

غبارِ آوارہ و سرگشتہ ہے یا بوتراب اس کا

۶

۴۸/۵ زبس ہے ناز پروردۂ غرورِ نشۂ صہبا — رگِ بالیدۂ گردن ہے موجِ بادہ درمینا

در آبِ آئینہ از جوشِ عکسِ گیسوئے مشکیں — بہارِ سنبلستاں جلوہ گر ہے آنسوئے دریا

کہاں ہے دیدۂ روشن، کہ دیکھے بے حجابانہ — نقابِ یار ہے از پردہ ہائے چشمِ نابینا

نہ دیجے پاسِ ضبطِ آبرو، وقتِ شکستن بھی — تجمل پیشۂ تمکین رہیے آئینہ آسا

اسد طبعِ متیں سے گر نکالوں شعرِ برجستہ

شرر ہو قطرۂ خونِ فسردہ در رگِ خارا

۴۹/۶ گرفتاری ہیں، فرمانِ خطِ تقدیر سے پیدا [۱] — کہ طوقِ قمری از ہر حلقۂ زنجیر ہے پیدا

زمیں کو صفحۂ گلشن بنایا خونچکانی نے [۲] — چمن بالیدنیہا از رمِ نخچیر ہے پیدا

مگر وہ شوخ ہے طوفاں طرازِ شوقِ خونریزی — کہ در بحرِ کماں، بالیدہ موجِ تیر ہے پیدا

نہیں کف بر لبِ نازک، و فورِ نشۂ مے سے [۳] — لطافت ہائے جوشِ حسن کا سرشیر ہے پیدا

عروجِ نا امیدی، چشمِ زخمِ چرخ کیا جانے — بہارِ بے خزاں، از آہِ بے تاثیر ہے پیدا

(اسد) جس شوق سے ذرّے تپش فرسا ہوں روزن میں

جراحتہائے دل سے جوہرِ شمشیر ہے پیدا

۵۰/۶ سحر گہ باغ میں وہ حیرتِ گلزار ہو پیدا [۴] — اُڑے رنگِ گُل اور آئینۂ دیوار ہو پیدا

بنانِ زہر آب اس شدّت سے دے پیکانِ ناوک کو — کہ خطِ سبز [۵] بر پشتِ لبِ سوفار ہو پیدا

لگے گر سنگ سر پر یار کے دستِ نگاریں سے — بجائے زخمِ گُل بر گوشۂ دستار ہو پیدا

کروں گر عرضِ سنگینیِ کوہ اپنی تپش رنگی [۶]

رگِ ہر سنگ سے نبضِ دل ہو پیدا

بسنگِ شیشہ توڑ دوں ساقیا پیمانۂ پیماں | اگر ابرِ سیہ مست از سوئے کہسار ہو پیدا

نہ ہو مایوس غالبؔ گرچہ رونے میں اثر کم ہے
توقع[۱] ہے کہ بعد از زاریٔ بسیار ہو پیدا

۲ھ

۵۱/ے بس کہ ہے بتخانہ ویراں جوں بیابانِ خراب | عکسِ چشمِ آہوے رمخوردہ ہے داغِ شراب

تیرگیٔ ظاہری ہے طبعِ موزوں[۳] کا نشاں | غافلاں عکسِ سوادِ صفحہ ہے گردِ کتاب

یک نگاہِ صاف صد آئینۂ تاثیر ہے | ہے رگِ یاقوت عکسِ خطِ جامِ آفتاب

ہے عرق افشاں مستی سے ادہمِ مشکینِ یار | وقتِ شب انجم[۴] ہے چشمِ بیدارِ رکاب

ہے شفق از سوزِ دلہا آتشِ افروختہ[۵] | ہر یک اختر ہے فلک پر قطرۂ اشکِ کباب

بسکہ شرمِ عارضِ رنگیں سے حیرت جلوہ ہے | ہے شکستِ رنگِ گل آئینہ پردازِ نقاب

شب کہ تھا نظّارہ گر[۶] روئے بتاں کالے (اسد)[۷]
گر گیا بامِ فلک سے صبحِ طشتِ ماہتاب

۵۲/۵ ہے بہاراں میں خزاں پرور خیالِ عندلیب[۸] | رنگِ گل آتش کدہ ہے زیرِ بالِ عندلیب[۹]

رنگِ گل از حیرتِ گلشن فروزی ہائے دست | بسملِ آہنگِ پریدن ہے ببالِ عندلیب

عشق کو ہر رنگ شانِ حسن ہے مدِّ نظر

مصرعِ سروِ چمن ہے حسبِ حالِ عندلیب

عمر میری ہوگئی صرفِ بہارِ حسنِ یار　　گردشِ رنگِ چمن ہے ماہ و سالِ عندلیب[1]

ہے مگر موقوف بر وقتِ دگر کارِ (اسد)[2]

اے شبِ پروانہ و روزِ وصالِ عندلیب

۵۳/۶　نیم رنگی جلوہ ہے بزمِ تجلّی زارِ دوست[3]　　دودِ شمعِ کشتہ تھا شاید خطِ رخسارِ دوست

چشمِ بند در پردہ جز تمثالِ خود بینی نہیں[4]　　آئینہ ہے قالبِ خشتِ در و دیوارِ دوست

ہے بقدرِ نیزہ از بالائے وا افراختہ[5]　　آفتابِ صبحِ محشر ہے گُلِ دستارِ دوست

برقِ خرمنہائے گوہر ہے نگاہِ تیز یاں　　اشک ہو جاتے ہیں خشک از گرمیِ رفتارِ دوست

اے عدوئے مصلحت چندے بہ ضبط افسردہ رہ　　کردنی ہے جمع تابِ شوخیِ دیدارِ دوست

لغزشِ مستانہ و جوشِ تماشائی (اسد)[6]

آتشِ مے سے[7] بہارِ گرمیِ بازارِ دوست

۵۴/۵　جاتا ہوں جدھر سب کی اُٹھے ہے اُدھر انگشت[8]　　یک دست جہاں مجھ سے پھرا ہے مگر انگشت

مژگاں کی محبت میں جو انگشت نما ہوں[9]　　لگتی ہے مجھے تیر کے مانند ہر انگشت

ہر غنچۂ گُل صورتِ یک قطرۂ خوں ہے　　خوباں کا جو دیکھا ہے[10] حنا بستہ سرِ انگشت

گرمیِ زباں ہے سببِ سوختنِ جاں[11]　　ہے شمعِ شہادت کے لیے سر بسر انگشت[12]

لکھتا ہوں (اسد) سوزشِ دل سے سخنِ گرم[13]

تا رکھ نہ سکے کوئی میرے حرف پہ انگشت

ھ[1]

٥٥ دودِ شمعِ کشتہ گل بزم سامانی عبث — یک شبہ آشفتہ نازِ سنبلستانی عبث

ہے ہوس محمل بدوشِ شوخیِ ساقیِ مست — نشۂ مے کے تصور میں نگہبانی عبث

بازماندن ہائے مژگاں ہے بیک آغوشِ وداع — عیدِ در حیرت سوادِ چشمِ قربانی عبث

جز غبارِ کردہ سیرِ آہنگیٔ پرواز کو — بسملِ تصویر و دعوائے پرافشانی عبث

سرنوشتِ خلق ہے طغرائے عجزِ اختیار — آرزوہا خارِ خارِ چینِ پیشانی عبث

چو نلہ نقشِ مدعا معلوم جز موجِ سراب ھ[2] — وادیٔ حسرت میں پھر آشفتہ جولانی عبث ھ[3]

دستِ برہم سودہ ہے مژگانِ خوابیدہ (اسد)
اے دل از کف دادۂ غفلت پشیمانی عبث

ھ[4]

٥٦/٦ نازِ لطفِ عشق با وصفِ توانائی عبث — رنگ ہے سنگِ محک دعوائے مینائی عبث

ناخنِ دخلِ عزیزاں یک قلم ہے نقب زن — پاسبانیٔ طلسمِ گنجِ تنہائی عبث

محملِ پیمانۂ فرصت ہے بردوشِ حباب — دعوئ دریاکشی و نشۂ پیمائی عبث

یک نگاہِ گرم ہے جوں شمع سرتاپا گداز — بہرِ از خود رفتگاں ھ[5] سعیِ خود آرائی عبث

طبعِ نالاں حاملِ صد غلبۂ تاثیر ہے ھ[6]

دل کو اے عاشق کُشاں[1] تعلیم خارائی عبث

اے (اسد) بیجا ہے نازِ سجدۂ عرضِ نیاز

عالمِ تسلیم میں دعوائے مزائی عبث[2]

۵۷/۷ [3] گلشن میں بند وبست بضبطِ[4] دگر ہے آج　　قمری کا طوقِ حلقۂ بیرونِ در ہے آج

معزولیٔ تپش ہوئی افراطِ انتظار　　چشمِ کشادہ حلقۂ بیرونِ در ہے آج

حیرت فروشِ صد نگرانی ہے اضطرار　　ہر رشتہ چاکِ جیب کا تارِ نظر ہے آج

ہوں داغِ نیم رنگیٔ شامِ وصالِ یار　　نورِ چراغِ بزم سے جوشِ سحر ہے آج

بیتابی نے کیا سفرِ سوختن تمام[4]　　پیراہنِ خسک میں غبارِ شرر ہے آج

تا صبح ہے بمنزلِ مقصد رسیدنی　　دودِ چراغِ خانۂ غبارِ سفر ہے آج

دور افتادۂ چمنِ فکر ہے (اسد)

مرغِ خیالِ بلبلِ بے بال و پر ہے آج

۵۸/۷ [5] ہے لبِ گل کو ز واجنبیدنِ برگ اختلاج[1]　　حبِ شبنم سے صبا ہر صبح کرتی ہے علاج

شاخِ گل جنبش میں ہے گہوارہ آسا ہر نفس　　طفلِ شوخِ غنچۂ گُل بسکہ ہے وحشت[2] مزاج

سیرِ ملکِ حُسن کر میخانہ ہائے نذرِ خمار[3]　　چشمِ مستِ یار سے ہے گردنِ مینا پہ باج

گریہ ہائے بیدلاں گنجِ شرر در آستیں　　قہرمانِ عشق میں حسرت سے لیتے ہیں خراج

یک جہاں ہے در سوادِ چشمِ قربانی مقیم[9]

حسرتِ فرصت نے بخشا بسکہ حیرت کو رواج

رنگریزِ جسم و جاں نے از خمستانِ عدم — خرقۂ ہستی نکالا ہے بہ رنگِ احتیاج [1]

اے (اسد) ہے مستعدِ شانہ گشتن بہ زلف [2]

پنجۂ مژگاں بخود بالیدنی رکھتا ہے آج

ھ ۳

۵۹/۷ بیدل، نہ نازِ وحشتِ جیبِ دریدہ کھینچ — جوں بوئے غنچہ یک نفسِ آرمیدہ کھینچ

یک مشتِ خوں ہے پرتوِ خور سے گدازِ دشت [4] — دردِ طلب بہ آبلۂ نادمیدہ کھینچ

پیچیدگی ہے حاملِ طومارِ انتظار — پائے نظر بہ دامنِ شوقِ دویدہ کھینچ

برقِ بہار سے ہوں میں پا در حنا ہنوز — اے خارِ دشت دامنِ شوقِ رمیدہ کھینچ

بیخود بلطفِ چشمکِ عبرت ہے چشمِ صید — یک داغِ حسرتِ نفسِ ناکشیدہ کھینچ

بزمِ طرب میں [5] بیضۂ طاؤس خلوتاں — فرشِ طربِ گلشنِ ناآفریدہ کھینچ

دریا بساطِ دعوتِ سیلاب ہے اسد

ساغر ببارگاہِ دماغِ رسیدہ کھینچ

ھ ۶

۶۰/۷ قطعِ سفرِ ہستی و آرامِ فنا ہیچ — رفتار نہیں بیشتر از لغزشِ پا ہیچ

حیرت ہمہ اسرار پہ مجبورِ خموشی

ہستی نہیں جز بستنِ پیمانِ وفا ہیچ

تمثالِ گداز آئینہ ہے عبرتِ بینش — نظّارہ تحیّر چمنستانِ بقا ہیچ

گلزار دمیدن شرر ستانِ رمیدن — فرصت تپش و حوصلۂ نشو و نما ہیچ

آہنگِ عدم نالہ بہ کہسار گرو ہے — ہستی میں نہیں شوخیِ ایجادِ صدا ہیچ

کس بات پہ مغرور ہے اے عجزِ تمنّا — سامانِ دعا وحشت و تاثیرِ دعا ہیچ

آہنگِ (اسد) میں نہیں جز نغمۂ بیدل

"عالم ہمہ افسانۂ ما دارد و ما ہیچ"

۵۵

۶۱/۵ دعویِ عشقِ جنوں[2] سے بگلستاں گل و صبح — ہیں رقیبانہ بہم دست و گریباں گل و صبح

ساقِ گلرنگ و خطِ[3] آئینۂ زانو سے — جامہ زیباں[4] کے سدا ہیں تہِ داماں گل و صبح

وصلِ آئینہ رخاں ہم نفسِ یک دیگر — ہیں دعا ہائے سحرگاہ سے خواہاں گل و صبح

آئینہ خانہ ہے صحنِ چمنستان یکدست[5] — بسکہ ہیں بیخود و وارفتہ و حیراں گل و صبح

زندگانی نہیں بیش از نفسِ چند (اسد)

غفلت آرامیِ یاراں پہ ہیں خنداں گل و صبح

۵۶

۶۲/۵ بسکہ وہ پاکوبیاں در پردۂ وحشت ہیں یاد

ہے غلافِ دفچۂ خورشید، ہر یک گردباد

طرفہ موزونی ہے صرفِ
~~جمع ہیں موزونیاں~~ جنگ جویُہاے یار[1] — ہے سرِ مصراعِ صافِ تیغ، خنجر مستزاد

کیجے آہوُے ختن کو خضرِ صحراے طلب — مشک ہے سنبلستانِ زلف میں گردِ سواد

غنچہ کا دل خوں ہُوا لیکن زباں پیدا نہ کی[2] — گُل ہُوا ہے ایک زخمِ سینہ پر خواہانِ داد

بسکہ ہیں در پردہ مصروفِ سیہ کاری اسد[3]
آستر ہے خرقۂ زُہّاد کا صوفِ مداد

۶۳/۷ تو پست فطرت اور خیالِ بسا بلند[4] — اے طفلِ خود معاملہ قد سے عصا بلند

ویرانی جز آمد و رفتِ نفس، نہیں — ہے کوچہ ہاے نے میں، غبارِ صدا بلند

رکھتا ہے انتظارِ تماشاے حسنِ دوست — مژگانِ واکشادہ[5] سے دستِ دعا بلند

موقوف کیجیے یہ تکلّف نگاریاں — ہوتا ہے ورنہ شعلۂ رنگِ حنا بلند

قربانِ اوج ریزیِ چشمِ حیا پرست — یک آسماں ہے مرتبۂ پشتِ پا بلند

ہے دلبری کمیں گرِ ایجادِ یک نگاہ — کارِ بہانہ جوئیِ چشمِ حیا بلند

بالیدنی[6] نیاز قدِ جانفزا (اسد)
در ہر نفس بقدرِ نفس ہے قبا بلند

۶۴/۹ حسرتِ دستگہ و پاے تحمّل تا چند[7] — رگِ گردن خطِ پیمانۂ بے مُل تا چند

موئنہ بافتنِ ریشۂ سنبل تا چند

کوکبِ بختؔ بجز روزنِ پُر دود نہیں — عینکِ چشمِ جنوں حلقۂ کاکل تا چند

چشمِ بے خونِ دل و دل تہی از جوشِ نگاہ — بہ زباں عرضِ فسونِ ہوسِ گل تا چند

بزمِ داغِ طرب و باغِ کشادِ پُر رنگ — شمع و گل تا کے و پروانہ و بلبل تا چند

نالہ دامِ ہوس و دردِ اسیری معلوم — شرحِ بر خود غلطی ہائے تحمّل تا چند

جوہرِ آئینۂ فکرِ سخن موے دماغ — عرضِ حسرت پسِ زانوی تأمل تا چند

سادگی ہے عدمِ قدرت و ایجادِ غنا[۱] — ناکسی آئینۂ نازِ توکّل تا چند

اسدِ خستہ گرفتارِ دو عالمِ اوہام
مشکل آسان کُنِ یک خلق تغافل تا چند

۶۵/۷ بکامِ دل کریں کس رنگ گمرہاں فریاد — ہُوئی ہے[۲] لغزشِ پا لکنتِ زباں فریاد

کمالِ بندگیِ گل ہے رہنِ آزادی — ز دستِ مشتِ پر و خارِ آشیاں فریاد

نوازشِ نفسِ آشنا کہاں؟ ورنہ — برنگِ نے ہے نہاں در رہِ استخواں فریاد

تغافل آئینہ دارِ خموشیِ دل ہے — ہُوئی ہے محو بتقریبِ امتحاں فریاد

فدائے[۳] بیخبری نغمۂ وجود و عدم — جہان و اہلِ جہاں سے جہاں جہاں فریاد

نیازِ[۴] سنگدلی ہائے دشمناں ہمت — ز دستِ شیشگیِ[۵] طبعِ دوستاں فریاد

ہزار آفت و یک جانِ مستمند (اسدؔ)

خدا کے واسطے اے شاہِ بیکساں فریاد

۶۶/۷

شیشۂ آتشیں رُخِ پُر نور — عرق از خط چکیدۂ روغنِ مُور

بسکہ ہوں بعدِ مرگ بھی نگراں — مردمک سے ہے خالِ برلبِ گور

دانہ ہائے سرشک لاتی ہے — مژہ ہے ریشۂ رزِ انگور

ظلم کرنا گدائے عاشق پر — نہیں شاہانِ حسن کا دستور

دوستو، مجھ ستم رسیدہ سے — دشمنی ہے وصال کا مذکور

زندگانی پہ اعتماد غلط — ہے کہاں قیصر اور کہاں فغفور

کیجے ہوں اشک اور قطرہ زنی

اے اسدؔ ہے ہنوز دہلی دور

۶۷/۷

بس کہ مایل ہے وہ رشکِ ماہتاب آئینہ پر — ہے نفس تارِ شعاعِ آفتاب آئینہ پر

بازگشتِ جادہ پیمائے رہِ حیرت کہاں — غافلاں عکسِ جاں گرچہ رشکے ہیں آبِ آئینہ پر

بدگماں کرتی ہے عاشق کو خود آرائی تری — بیدلوں کو ہے براتِ اضطراب آئینہ پر

نازِ خود بینی کے باعث مجرمِ صد بیگناہ — جوہرِ شمشیر کو ہے پیچ و تاب آئینہ پر

دل کو توڑا جوششِ بیتابی سے غافل کیا کیا — رکھ دیا پہلو بوقتِ اضطراب آئینہ پر

ناتوانی نے نہ چھوڑا بسکہ بیش از عکسِ جم   مفت واگستردنی ہے فرشِ خوابِ آئینہ پر[۱]

ہو نگاہِ گُل رخاں کو سدِّ اسکندر اسد[۲]
گر کرے یوں امرِ نہی بو تراب آئینہ پر

۶۸/۶ دنداں کا خیال چشمِ تر کر[۳]   ہر دانۂ اشک کو گہر کر

آتی نہیں نیند اے شبِ تار   افسانہ زلفِ یار سر کر

اے دل بہ خیالِ عارضِ یار   یہ شامِ غم آپ پر سحر کر

ہر چند امید دور تر ہو   اے حوصلہ سعی بیشتر کر

ہیں آپ سے جا چکا ہوں اب بھی   اے بیخبری اسے خبر کر

افسانۂ[۴] اسد بایں درازی
اے غمزدہ قصہ مختصر کر

۶۹/۷ بینش بسعیِ ضبطِ جنوں نو بہار تر[۵]   دل در گدازِ نالہ نگاہ آبیار تر

قاتل بعزمِ ناز و دل از زخم در گداز[۶]   شمشیر آبدار و نگاہ آبدار تر

ہے کسوتِ عروجِ تغافل، کمالِ حسن   چشمِ سیہ بہ مرگِ نگہ، سوگوار تر

سعیِ خرام کاوشِ ایجادِ جلوہ ہے   جوشِ چکیدنِ عرق آئینہ کار تر

ہر گرد بادِ حلقۂ فتراکِ بیخودی   مجنونِ دشتِ عشق تحیّر شکار تر

اے چرخ خاک بر سرِ تعمیرِ کائنات   لیکن بنائے عہدِ وفا استوار تر

آئینہ[۷] داغِ حیرت[۸] و حیرت شکنج یاس   سیماب بے قرار و اسد بیقرار تر

فسونِ یک دلی ہے لذتِ بیدادِ دشمن پر
کہ وجدِ برق جوں پروانہ بال افشاں ہے خرمن پر

تکلف خار خارِ التماسِ بیقراری ہے
کہ رشتہ باندھتا ہے پیرہن انگشتِ سوزن پر

بہ رنگِ کاغذِ آتش زدہ نیرنگِ بیتابی
ہزار آئینہ دل باندھے ہے بالِ یک تپیدن پر

ہیں اور وہ بے سبب رنج آشنا دشمن کہ باندھے ہے
شعاعِ مہر سے تہمت نگہ کی چشمِ روزن پر

یہ کیا وحشت ہے اے دیوانہ پیش از مرگ واویلا
رکھی بے جا بنائے خانۂ زنجیر شیون پر

اسد بسمل ہے کس انداز کا قاتل سے کہتا ہے
کہ مشقِ ناز کر خونِ تمنا میری گردن پر

صفائے حیرتِ آئینہ ہے سامانِ زنگ آخر
تغیر آبِ برجا ماندہ کا پاتا ہے رنگ آخر

خطِ نوخیز نیلِ چشم زخمِ صافیِ عارض
لیا آئینہ نے حرزِ پرِ طوطی بچنگ آخر

ہلال آسا تہی رہ گر کشادن ہائے دل چاہے
ہوا مہ کثرتِ سرمایہ اندوزی سے تنگ آخر

تڑپ کر مر گیا وہ صیدِ بال افشاں کہ مضطر تھا
ہوا ناسورِ چشمِ تعزیت زخمِ خدنگ آخر

ز بس مستیٔ مے نوشاں ہوا ویرانہ میخانہ
ہوئی قطرہ فشانی ہائے مے بارانِ سنگ آخر

[اسد] پیری میں بھی آہنگِ شوقِ یار قائم ہے
نہیں ہے نغمہ سے خالی خمیدن ہائے چنگ آخر

ا

۲۷/۵ دیا یاروں نے بیہوشی میں درماں کا فریب آخر — ہوا سکتے سے ہیں آئینہ دستِ طبیب آخر

ستم کش مصلحت سے ہوں کہ خوباں تجھ پہ مائل ہیں — تکلف برطرف مل جائے گا تجھ سا رقیب آخر[۲]

رگِ گل جادۂ تارِ نگہ سے حد موافق ہے — ملیں گے منزلِ الفت میں ہم اور عندلیب آخر

غرورِ ضبط وقتِ نزع ٹوٹا بیقرارانہ[۳] — نیازِ بال افشانی ہوا[۴] صبر و شکیب آخر

(اسد) کی طرح میری بھی بغیر از صبح رخساراں

ہوئی شامِ جوانی اے دلِ حسرت نصیب آخر

۵

۳۷/۵ حسنِ خود آرا کو ہے مشقِ تغافل ہنوز — ہے کفِ مشاطہ[۶] میں آئینۂ گل ہنوز

سادگی یک خیال، شوخی صد رنگ نقش — حیرت آئینہ ہے جیبِ تامل ہنوز

سادہ و پرکار تر، غافل و ہشیار تر — مانگے ہے شمشاد سے شانۂ سنبل ہنوز

ساقی و تعلیم درد[۷] محفل و تمکیں گراں — سیلیِ استاد ہے ساغرِ بے مل ہنوز

شغلِ ہوس در نظر لیک حیا بے خبر — شاخِ گلِ نغمہ ہے، نالۂ بلبل ہنوز

دل کی صدائے شکست[۸] رنجِ طرب ہے (اسد)

شیشۂ بے بادہ سے چاہے ہے قلقل ہنوز

۹

۴۷ [illegible]

غنچہ میں دل تنگ ہے حوصلۂ گل ہنوز

دل میں ہے سودائے زلف مست تغافل ہنوز — ہے مژہ خوابناک ریشۂ سنبل ہنوز

پرورشِ نالہ ہے وحشتِ پرواز سے — ہے تہِ بال پری بیضۂ بلبل ہنوز

عشق کمین گاہ درد وحشتِ دل دور گرد — دام تہِ سبزہ ہے حلقۂ کاکل ہنوز

لذتِ تقریرِ عشق پردگیِ گوشِ دل — جوہرِ افسانہ ہے عرضِ تحمل[۱] ہنوز

آئینۂ امتحاں نذرِ تغافل اسد
شش جہت اسباب ہے وہمِ توکل ہنوز

۲

بیگانۂ وفا ہے ہوائے چمن ہنوز — وہ سبزہ سنگ پر نہ اُگا کوہکن ہنوز

یارب یہ دردمند ہے کس کی نگاہ کا — ہے ربطِ مشک و داغ سوادِ ختن ہنوز

جوں جادہ سر بکوئے تمنا ہے بے دلی[۳] — زنجیرِ پا ہے رشتۂ حب الوطن ہنوز[۴]

ہے نازِ مفلساں زرِ از دست رفتہ پر — ہوں گلفروشِ شوخیِ داغِ کہن ہنوز

میں دور گرد قربِ بساطِ نگاہ تھا — بیرونِ دل نہ تھی تپشِ انجمن ہنوز

تھا مجھ کو خار خارِ جنونِ وفا اسد
سوزن میں تھا نہفتہ گلِ پیرہن ہنوز

۱

۷۶/۵ ہیں ہوں سراب یک تپش آموختن ہنوز — زخمِ جگر ہے تشنۂ لب دوختن ہنوز

اے شعلہ فرصتے کہ سویدائے دل سے ہیں — کشتِ سپندِ صد جگر اندوختن ہنوز

مجنونِ فسونِ شعلہ خرامی فسانہ ہے — ہے جادہ شمع داغ[۲] نیفر دختن ہنوز

فانوسِ شمع ہے کفنِ ضبطِ مردگاں[۳] — در پردہ ہے معاملۂ سوختن ہنوز

کو یک شرر کہ سازِ چراغاں کروں اسد[۱]

بزمِ طرب ہے پردگیِ سوختن ہنوز

۴

۷۷ داغِ اطفال ہے دیوانہ بکہسار ہنوز — خلوتِ سنگ سے[۵] ہے نالہ طلبگار ہنوز

خانہ ہے سیل سے خو کردۂ دیدار ہنوز — دوربیں درزدہ ہے رخنۂ دیوار ہنوز

وسعتِ سعیِ کرم دیکھ کہ سرتا سرِ خاک — گزرے ہے آبلہ پا ابرِ گہربار ہنوز[۶]

یک قلم کاغذِ آتش زدہ ہے صفحۂ دشت — نقشِ پا میں ہے تپِ وحشتِ رفتار[۷] ہنوز

آئی یک عمر سے معذورِ تماشا نرگس — چشمِ شبنم میں نہ ٹوٹا مژۂ خار ہنوز

کیوں ہوا تھا طرفِ آبلۂ پا یا رب — جادہ ہے واشدنِ پیچشِ طومار ہنوز

ہوں خموشیِ چمنِ حسرتِ یک دید[۸] اسد

مژہ ہے شانہ کشِ طرۂ گفتار ہنوز

عجب نشاط سے جلاد کے چلے ہیں ہم آگے

کہ اپنے سائے [illegible]

[1]

۷۸ نہ بندھا تھا بعدم نقشِ دلِ مور ہنوز | تب ہے یاں دہنِ یار کا مذکور ہنوز

سبزہ ہے نوکِ زبانِ دہنِ گور ہنوز | حسرتِ عرضِ تمنّا میں ہوں رنجور ہنوز

صد تجلّی کدہ یک ناصیہ غربت میں[2] | پیرہن میں ہے غبارِ شررِ طور ہنوز

زخمِ دل میں ہے نہاں غنچۂ پیکانِ نگار | جلوۂ باغ ہے در پردۂ ناسور ہنوز

پا پُر از آبلہ راہِ طلبِ مے میں ہُوا | ہاتھ آیا نہیں یک دانۂ انگور ہنوز

گُل کھلے غنچے چٹکنے لگے اور صبح ہُوئی | سرخوشِ خواب ہے وہ نرگسِ مخمور ہنوز

اے (اسد) تیرگیٔ بختِ سیہ ظاہر ہے
نظر آتی نہیں صبحِ شبِ دیجور ہنوز

[3]

۷۹ کو بیابانِ تمنّا و کجا جولانِ عجز | آبلے پا کے ہیں یاں رفتار کو دندانِ عجز

ہو پذیرائے تکلّف[4] تحفۂ اہلِ نیاز | لے دل و اے جانِ ناز اے دین و اے ایمانِ عجز

بوسہ پا انتخابِ بدگمانی ہائے حسن | یاں ہجومِ عجز[5] سے تا سجدہ ہے جولانِ عجز

حسن کو غنچوں سے ہے پوشیدہ چشمی ہائے ناز | عشق تنے واکی ہے ہر یک خار سے مژگانِ عجز

اضطرابِ نارسائی موجدِ[6] شرمندگی | ہے عرق ریزیٔ خجلت جوششِ طوفانِ عجز

وہ جہاں مسند نشینِ بارگاہِ ناز ہو

قامتِ خوباں ہو محرابِ نیاز ستانِ عجز

بسکہ بے پایاں ہے صحرای محبّت اے (اسد)

گرد باد اس راہ کا ہے عقدۂ پیمانِ عجز

۸۰/۶ حاصلِ دلبستگی ہے کوتہیِ عمر و بس[۱] پایمالِ عقدہ ہاے منفصل[۲] تارِ نفس[۳]

کیوں نہ طوطیِ طبیعت نغمہ پیرائی کرے باندھتا ہے رنگِ گل آئینہ بر چاکِ قفس[۴]

اے ادا فہماں، صدا ہے تنگیِ فرصت سے خوں ہے بصحرائے تحیّر چشمِ قربانیِ جرس

تیز ہوتا ہے خشمِ تند خویاں[۵] عجز سے ہے رگِ سنگِ فسانِ تیغِ شعلہ خار و خس

سختیِ راہِ محبّت منعِ دخلِ غیر ہے پیچتابِ جادہ حکمِ[۶] جوہرِ تیغِ عسس

اے اسد[۱] ہم خود اسیرِ رنگ و بوے باغ ہیں

ظاہرا[۲] صیّادِ ناداں ہے گرفتارِ ہوس

۸۱/۵ دشتِ الفت میں ہے خاکِ کشتگاں محبوس و بس پیچتابِ جادہ ہا خطِ کفِ افسوس و بس

~~ہے بنیم گلزباں از نیم رنگی ہاے شمع~~

نیم رنگی ہاے شمعِ محفلِ خوباں سے ہے[۵] پیچکِ مہ صرفِ چاکِ پردۂ فانوس و بس

ہے تصوّر میں نہاں سرمایۂ صد گلستاں[۸] کاسۂ زانو ہے مجھ کو بیضۂ طاؤس و بس

کفر ہے غیر از گدازِ شوق رہبر خواستن راہِ صحراے حرم میں ہے جرس ناقوس و بس[۹]

اے اسد[۱] گل تختۂ مشقِ شگفتن ہو گئے[۱۰]

غنچۂ خاطر رہا افسردگی مانوس و بس

۸۲/۵ کرتا ہے بیادِ بتِ رنگیں دلِ مایوس رنگِ زنظر رفتہ حناے کفِ افسوس

تھا خواب میں کیا جلوہ نظر جوشِ زلیخا — ہے بالشِ دل سوختگاں میں پرِ طاؤس

حیرت ہے رخِ دوست کی از بس کہ ہیں بیکار — خوں قطرۂ شبنم سے ہے جوں شمع بفانوس

دریافتنِ صحبتِ اغیار غرض ہے — اے نامہ رساں نامہ رساں چاہیے جاسوس

ہے مشق (اسد) دست گہِ وصل کی منظور

ہوں خاک نشیں از پئے ادراکِ قدمبوس

۸۳/۹ زجوشِ اعتدالِ فصل و تمکینِ بہار آتش — بہ اندازِ حنا ہے رونقِ دستِ چنار آتش

نہ لیوے گر خسِ جوہر طراوت سبزۂ خط سے — لگاوے خانۂ آئینہ میں روئے نگار آتش

فروغِ عشق سے ہوتی ہے حلِ مشکلِ عاشق — نکالے ہے زپائے شمع بر جا ماندہ خار آتش

شرر ہے رنگ بعد اظہار تابِ جلوہ تمکیں — کرے ہے سنگ پر خورشید آبِ روئے کار آتش

نہ باوے بے گدازِ موم ربطِ پیکر آرائی — نکالے ہے نہالِ شمع از تخمِ شرار آتش

خیالِ دود تھا سر جوشِ سودائے غلط فہمی — اگر رکھتی نہ خاکستر نشینی کا غبار آتش

ہوائے پر فشانی برقِ خرمن ہائے خاطر ہے — زبانِ شعلۂ بیتاب ہے پروانہ زار آتش

نہیں برق و شرر جز وحشت و ضبطِ طپیدن ہا — بلا گردانِ بے پروا خرامیہائے یار آتش

(اسد) از دودِ آتش ابرِ دریا بار ہو پیدا

اگر ناگاہ ہو حیدر پرستوں سے دوچار آتش

۸۴/۵ بہ اقلیمِ سخن ہے گرد افروز سوادِ آتش

کہ ہے دودِ چراغاں سے ہیولائے مدادِ آتش

اگر مضمونِ خاکستر شدن دیباچہ آرا ہو — نہ باندھے شعلۂ جوّالہ غیر از گرد بادِ آتش

کرے ہے لطفِ اندازِ برہنہ گوئیِ خوباں — زوابالیدنِ مضمونِ سطرِ شعلہ یادِ آتش

دیا داغِ جگر کو آہ نے رنگِ شگفتن ہا — ہوئی بالیدہ تر از جنبشِ دامانِ بادِ آتش

اسد قدرت سے حیدر کی پڑی ہے[1] گبر و ترسا کے

شرارِ سنگِ بت سے در بنائے اعتقادِ آتش

۸۵/۶

جادۂ رہ خور کو وقتِ شام ہے تارِ شعاع — چرخ وا کرتا ہے ماہِ نو سے آغوشِ وداع

شمع سے ہے بزم انگشتِ تحیر در دہن — شعلۂ آوازِ رنگیں پر بہنگامِ سماع

جوں پرِ طاؤس جوہر تختہ مشقِ رنگ ہے — بسکہ ہے وہ قبلۂ آئینہ محوِ اختراع

رنجشِ حیرت سرشتاں سینہ صافی پیشکش — جوہرِ آئینہ ہے یاں گردِ میدانِ نزاع

چار سوئے دہر میں غفلت کا ہے بازار گرم — ورنہ نقصانِ تصور ہے خیالِ انتفاع

اے اسد ہیں آشنا بیگانۂ سوز و گداز

ورنہ کس کو میرے افسانے کی تابِ استماع[2]

۸۶/۵

رخِ نگار سے ہے سوزِ جاودانیِ شمع — ہوئی ہے آتشِ گل آبِ زندگانیِ شمع

زبانِ اہلِ زباں میں ہے مرگِ خاموشی — یہ بات بزم میں روشن ہوئی زبانیِ شمع

کرے ہے صرف بہ ایمائے شعلہ قصہ تمام — پتنگ سمجھے ہے طرزِ فسانہ خوانیِ شمع

ملا نہ ہم کو شعورِ فسانہ خوانیِ شمع[3]

غم اس کو حسرتِ پروانہ کا ہے اے شعلہ

ترے لرزنے سے ظاہر ہے ناتوانیِ شمع

جلے ہے دیکھ کے بالینِ یار پر مجھ کو

(اسد) ہے دل پہ مرے داغِ بدگمانیِ شمع

۸۷/۵ عشاق اشکِ چشم سے دھوویں ہر داغ

عشاق اشکِ چشم سے دھوویں ہزار داغ — دیتا ہے اور جوں گل و شبنم بہار داغ

جوں چشم واکشادہ ہے ہر ایک ظاہرا — رکھتا ہے اور داغ کا یاں انتظار داغ

جوں اعتماد نامہ و خط کا ہو مُہر سے — یوں عاشقوں میں ہے سببِ اعتبار داغ

بے لالہ عارضانِ چمن و باغ میں مجھے — دیتی ہے گرمیِ گل و بلبل ہزار داغ

در حالتِ تصوّرِ رُوئے بتاں (اسد)

دکھلائے ہے مجھے چمنِ لالہ زار داغ

۸۸/۶ بلبلوں کو دُور سے کرتا ہے منع بارِ باغ — ہے زبانِ پاسباں خارِ سرِ دیوارِ باغ

کون آیا جو چمن بیتابِ استقبال ہے — جنبشِ موجِ صبا ہے شوخیِ رفتارِ باغ

میں ہمہ حیرت جنوں بیتابِ دورانِ خُمار — مردمِ چشمِ تماشا نقطۂ پرکارِ باغ

آتشِ رنگِ رُخِ ہر گل کو بخشے ہے فروغ — ہے دمِ سردِ صبا سے گرمیٔ بازارِ باغ

کون گُل سے ضعفِ خاموشیِ بلبل کہہ سکے

نہ زبانِ غنچہ گویا، نہ زبانِ خارِ باغ
جوشِ گُل کرتا ہے استقبالِ تحریر (اسد)
زیرِ مشقِ شعر ہے نقش از پئے احضارِ باغ

۸۹/۶
نامہ بھی لکھتے ہو تو بخطِ غبار حیف | رکھتے ہو مجھ سے اتنی کدورت ہزار حیف
ہم رقیب سے نہیں کرتے وداعِ ہوش | مجبور یاں تلک ہوئے اے اختیار حیف
تھی میرے ہی جلانے کو اے آہِ شعلہ ریز | گھر پر پڑا نہ غیر کے کوئی شرار حیف
بیش از نفس بتاں کے کرم نے وفا نہ کی | تھا محملِ نگاہ بدوشِ شرار حیف
ہیں میری مشتِ خاک سے اس کو کدورتیں | پائی جگہ بھی دل میں تو ہو کر غبار حیف
دیتا [اسد] میں سرمہ بچشمِ رکابِ یار | آیا نہ میری خاک پہ وہ شہسوار حیف

۹۰/۵
عیسیِ مہرباں ہے شفاریز یک طرف | دردِ آفریں ہے طبعِ الم خیز یک طرف
سنجیدنی ہے ایک طرف رنجِ کوہکن | خوابِ گرانِ خسروِ پرویز یک طرف
خرمن بباد دادہ دعوی ہیں ہو سو ہو | ہم یک طرف ہیں برقِ شرر بیز یک طرف
ہر موُ بدن پہ شہپرِ پرواز ہے مجھے | بیتابیِ دلِ تپش انگیز یک طرف

یک جانب، اے (اسد) شبِ فرقت کا بیم ہے
دامِ ہوس ہے زلفِ دلآویز یک طرف

۹۱/۵ آئے ہیں پارہ ہائے جگر درمیانِ اشک — لایا ہے لعلِ بیش بہا کاروانِ اشک
ظاہر کرے ہے جنبشِ مژگاں سے مدعا — طفلانہ ہاتھ کا ہے اشارا زبانِ اشک
ہیں وادیٔ طلب میں ہُوا جملہ تن عرق — ہرچند محوِ قطرہ زنی تھا بسانِ اشک
دل خستگاں سے، گل کرے ہے صد چمن بہار — باغِ بخوں طپیدن و آبِ روانِ اشک

در حالِ انتظارِ قدومِ بتاں (اسد)
ہے بر سرِ مژہ نگراں، دیدبانِ اشک

۹۲/۹ گر تجھ کو ہے یقینِ اجابت دعا نہ مانگ — یعنی بغیرِ یک دلِ بے مدعا نہ مانگ
اے آرزو شہیدِ وفا خوں بہا نہ مانگ — جز بہرِ دست و بازوئے قاتل دعا نہ مانگ
گستاخیِ وصال ہے مشاطۂ نیاز — یعنی دعا بجز خمِ زلفِ دوتا نہ مانگ
برہم ہے بزمِ غنچہ بیک جنبشِ نشاط — کاشانہ بسکہ تنگ ہے غافل ہوا نہ مانگ

عیسیٔ طلسمِ حسن تغافل ہے، زینہار — جز پشتِ چشم نسخۂ عرضِ دوا نہ مانگ
میں دور گردِ عرضِ فریبِ نیاز ہوں — دشمن سمجھ، ولے نگہِ آشنا نہ مانگ
نظارہ دیگر و دلِ خونیں نفس دگر — آئینہ دیکھ، جوہرِ برگِ حنا نہ مانگ

یک بختِ اوج، نذرِ سبک باری اسد
خ
سر پر وبالِ سایۂ بالِ ہما نہ مانگ[1]

آتا ہے داغِ حسرتِ دل کا شمار یاد — مجھ سے حسابِ بے گنہی اے خدا نہ مانگ[2]

۹

بدر ہے آئینۂ طاقِ ہلال — غافلاں، نقصاں سے پیدا ہے کمال
ہے بیادِ زلفِ مشکینِ بتاں — روزِ روشن شامِ آئینۂ خیال
بسکہ ہے اصلِ دمیدنہا غبار — ہے نہالِ شکوۂ ریحاں سفال
صافیِ رخسار سے ہنگامِ شب — عکسِ داغِ مہ ہوا عارض پہ خال
نورِ خوباں سے یدِ بیضا ہے آج — ورنہ تھا خورشید یک دستِ سوال
شورِ حشر اُس فتنہ قامت کے حضور — سایہ آسا ہو گیا ہے پائمال

ہو جو بلبل پیروِ فکرِ (اسد)
غنچۂ منقارِ گل ہو زیرِ بال

۹۴/۷ ہوں بہ وحشت انتظار آوارۂ دشتِ خیال
اک سفیدی مارتی ہے دور سے چشمِ غزال

ہے قفس پروردہ گلشن بکس ہوائے بام کا
طوقِ قمری ہیں ہے سروِ باغ ریحانِ سفال

ہم غلط سمجھے تھے لیکن زخمِ دل پر رحم کر
آخر اس پردے میں تو ہنستی تھی اے صبحِ وصال

بیکسی افسردہ ہوں اے ناتوانی کیا علاج
جلوۂ خورشید سے ہے گرم پہلوے ہلال

شکوہ درد و دردِ داغ اے بے وفا معذور رکھ
خوں بہاے یک جہاں امید ہے تیرا خیال

عرضِ دردِ بے وفائی، وحشتِ اندیشہ ہے
خوں ہوا دل تا جگر یا رب زبانِ شکوہ لال

اُس جفا مشرب پہ عاشق ہوں کہ سمجھے ہے (اسد)
خونِ صوفی کو مباح اور مالِ سنّی کو حلال

سلہ

۹۵/۵ ہر عضو غم سے ہے شکن آسا شکستہ دل
جوں زلفِ یار ہوں میں سراپا شکستہ دل

ہے سرنوشت میں رقمِ وا شکستگی
ہوں جوں خطِ شکستہ، ہمہ جا شکستہ دل

امواج کی جو یہ شکنیں آشکار ہیں
ہے چشمِ اشک ریز سے دریا شکستہ دل

ناسازیِ نصیب و درشتیِ غم سے ہے
امّید نا امید و تمنّا شکستہ دل

ہے سنگِ ظلمِ چرخ سے میخانے میں (اسد)
صہبا فتادہ خاطر و مینا شکستہ دل

۹۶/۹ بہرِ عرضِ حالِ شبنم سے رقم ایجادِ گل
ظاہرا ہے اس چمن میں لالِ مادر زادِ گل

گر کرے پژمردہ انجامی کو داغِ یادِ گل | غنچہ سے منقارِ بلبل وارِ ہو فریادِ گل

گر بہ بزمِ باغ کھینچا چاہیے نقشِ رُخِ یار | شمع ساں ہو جائے رنگِ خامۂ بہزادِ گل

دستِ رنگیں سے جو رخ پر وا کرے زلفِ رسا | شاخِ گل میں ہو نہاں جوں شانہ در شمشادِ گل

سعیِ عاشق ہے فروغ افزائے آبِ رو یکار | یاں شرارِ تیشہ ہے بر تربتِ فرہادِ گل

ہے تصوّر صافیِ قطعِ نظر از جان و جسم | لختِ دل ہے بر سرِ شمعِ خیال آبادِ گل

ہو گیا در گلشن آبادِ جراحت ہائے دل | غنچۂ پیکانِ شاخِ ناوکِ صیّادِ گل

برق زارِ جلوہ سے از خود ربودن ہائے حسن | کھینچیے شمعِ بزمِ خلوت ، ہر چہ بادا بادِ گل

خاک ہے عرضِ بہارِ صد نگارستاں (اسد)
آرزوئیں کرتے ہیں از خاطرِ آزادِ گل

۹۷/۵ گر چہ ہے یک بیضۂ طاؤس آسا تنگ دل | ہے چمن سرمایۂ بالیدنِ صد رنگ دل

بیدلاں سے ہے تپش جوں خواہشِ آب از سراب | تھے شررِ طوفان باطل گر نہ رکھتا سنگ دل

رشتۂ فہمیدِ ممسک ہے بہ بندِ کوتہی | ہے گرہ بر کیسۂ درہم خیالِ تنگ دل

ہوں ز پا افتادۂ اندازِ یادِ حسنِ سبز | ہے بخوابِ سبزہ از جوشِ خمارِ رنگ دل

اے (اسد) خامش ہے طوطیِ شکر گفتارِ طبع
ظاہرا رکھتا ہے یاں آئینہ زیرِ زنگ دل

۹۸/۷ اثر کمندیِ فریادِ نارسا معلوم | غبارِ نالہ کمیں گاہِ مدعا معلوم

گو میں رہا رہینِ ستم ہائے روزگار
لیکن ترے خیال سے غافل نہیں رہا

بقدرِ حوصلۂ عشق جلوہ سازی ہے — وگرنہ خانۂ آئینہ کی فضا معلوم

بنالہ حاصلِ دل بستگی فراہم کر — متاعِ خانۂ زنجیر جز صدا معلوم

بہار در گرۂ غنچہ، شہر جولاں ہے — طلسمِ نازِ بجز تنگیِ قبا معلوم

طلسمِ خاک کمیں گاہِ یک جہاں سودا — بمرگ تکیۂ آسایشِ فنا معلوم

تکلف آئنۂ دو جہاں مدارا ہے — سراغِ یک نگہِ قہر آشنا معلوم

(اسد) فریفتۂ انتخابِ طرزِ جفا
وگرنہ دلبریِ وعدۂ وفا معلوم

۹۹/۷ ازاں جا کہ حسرت کشِ یار ہیں ہم — رقیبِ تمنائے دیدار ہیں ہم

رسیدن گلِ باغِ واماندگی ہے — عبث محمل آرائے رفتار ہیں ہم

نفس ہو نہ معزولِ شعلہ درودن — کہ ضبطِ تپش سے شرر کار ہیں ہم

تغافل کمیں گاہِ وحشت شناسی — نگہبانِ دلہائے اغیار ہیں ہم

تماشائے گلشن، تمنائے چیدن — بہار آفرینا، گنہ گار ہیں ہم

نہ ذوقِ گریباں، نہ پروائے داماں — نگاہ آشنائے گل و خار ہیں ہم

(اسد) شکوہ کفر و دعا ناسپاسی
ہجومِ تمنا سے لاچار ہیں ہم

۱۰۰/۶ یاں اشک جلا گرم ہے اور آہ جدا گرم

حسرت کدۂ عشق کی ہے آب و ہوا گرم

اس شعلہ نے گلگوں کو جو گلشن میں کیا گرم — پھولوں کو ہوئی باد بہاری وہ ہوا گرم

وا کر سکے یاں کون بجز کاوشِ شوخی — جوں برق ہے پیچیدگیِ بندِ قبا گرم

گر ہے سرِ دریوزگیِ جلوۂ دیدار — جوں پنجۂ خورشید ہوا دستِ دعا گرم

یہ آتشِ ہمسایہ کہیں گھر نہ جلا دے — کی ہے دلِ سوزاں نے مرے پہلو میں جا گرم

غیروں سے اُسے گرمِ سخن دیکھ کے غالب[۱]
میں رشک سے جوں آتشِ خاموش رہا گرم

۱۰۱/۹ بسکہ ہیں بدمستِ بشکن بشکنِ میخانہ ہم — موئے شیشہ سے اُگاتے ہیں خطِ پیمانہ ہم

غم نہیں ہوتا ہے آزادوں کو بیش از یک نفس — برق سے کرتے ہیں روشن شمعِ ماتم خانہ ہم

بسکہ ہر یک موئے زلفِ افشاں سے ہے تارِ شعاع — پنجۂ خور دیکھتے ہیں زیرِ دستِ شانہ ہم

نقشبندِ چاک ہے موج از فروغِ ماہتاب — سیل سے فرشِ کتاں کرتے ہیں در ویرانہ ہم

مشقِ از خود رفتگی سے ہیں بگلزارِ خیال — آشنا تعبیرِ خوابِ سبزۂ بیگانہ ہم

فرطِ بے خوابی سے ہیں شبہائے ہجرِ یار میں — جوں زبانِ شمع، داغِ گرمیِ افسانہ ہم

جانتے ہیں جوششِ سودائے زلفِ یار میں — سنبلِ آشفتہ کو موئے سرِ دیوانہ ہم

بسکہ وہ چشم و چراغِ محفلِ اغیار ہے — چپکے چپکے جلتے ہیں جوں شمعِ خلوت خانہ ہم

شامِ غم (میں)[۲] سوزِ عشقِ شمعِ رویاں سے (اسد)
پر فشانِ سوختن ہیں صورتِ پروانہ ہم

۱۰۲/۶ جس دم کہ جادہ وارِ ہو تارِ نفس تمام

پیمایشِ زمینِ رہِ عمر بس تمام

کیا دے صدا کہ کلفتِ گم گشتگاں سے آہ
ہے سرمۂ گردِ رہ بگولے جرس تمام

ترساں ہوں کوچہ گردیِ بازارِ عشق سے
ہیں خارِ راہ جوہرِ تیغِ عسس تمام

اے بالِ اضطراب کہاں تک فسردگی
یک پر زدن تپش میں ہے کارِ قفس تمام

گذرا جو آشیاں کا تصور بوقتِ بند
مژگانِ چشمِ دام ہوئے خار و خس تمام

کرنے نہ پائے ضعف سے شورِ جنوں (اسد)
اب کے بہار کا یوہیں گذرا برس تمام

ں

۱۰۲/۹ خوش وحشتے کہ عرضِ جنونِ فنا کروں
جوں گردِ راہ، جامۂ ہستی قبا کروں

گر بعدِ مرگ عرضِ جنونِ ہوا کروں[۲]
موجِ غبار سے پرِ یک دشت وا کروں

آ اے بہارِ ناز کہ جوشِ خرام[۳] سے
دستار گردِ شاخِ گلِ نقشِ پا کروں

خوشش اُفتادگی کہ بصحرائے انتظار
جوں جادہ، گردِ رہ سے نگہ سرمہ سا کروں

صبر اور یہ ادا کہ دل آوے اسیرِ چاک
درد اور یہ کمیں کہ رہِ نالہ وا کروں

وہ بے دماغِ منتِ اقبال ہوں کہ میں
وحشت بداغِ سایۂ بالِ ہما کروں

وہ التماسِ لذّتِ بیداد ہوں کہ میں   تیغِ ستم کو پشتِ خمِ التجا کروں

وہ رازِ نالہ ہوں کہ بہ شرحِ نگاہِ عجز   افشاں غبارِ سرمہ سے فردِ صدا کروں

لوں وامِ بختِ خفتہ سے یک خوابِ خوش اسد
لیکن یہ بیم ہے کہ کہاں سے ادا کروں

۱۰۴/۷   آنسو کہوں کہ آہ سوارِ ہوا کہوں   ایسا عناں گسیختہ آیا کہ کیا کہوں

اقبالِ کلفتِ دلِ بے مدعا رسا   اختر کو داغِ سایۂ بالِ ہما کہوں

مضمونِ وصل ہاتھ نہ آیا خیال کے   مرغِ فراپریدۂ رنگِ حنا کہوں

حلقے ہیں چشم ہائے کشادہ بسوئے دل   ہر تارِ زلف کو نگہِ سرمہ سا کہوں

در دیدنِ دلِ ستم آمادہ ہے محال   مژگاں کہوں کہ جوہرِ تیغِ قضا کہوں

طرز آفرینِ نکتہ سرائیِ طبع ہے   آئینۂ خیال کو طوطی نما کہوں

غالب ہے رتبہ فہمِ تصوّر سے کچھ پرے[۲]
ہے عجزِ بندگی جو علی کو خدا کہوں

۱۰۵/۹   جہاں تیرا نقشِ قدم دیکھتے ہیں   خیاباں خیاباں ارم دیکھتے ہیں

کسو کو زخود رستہ کم دیکھتے ہیں

کہ آہو کہ پابندِ رم دیکھتے ہیں

خطِ لختِ دل یک قلم دیکھتے ہیں — مژہ کو جواہر رقم دیکھتے ہیں

دل آشفتگانِ خالِ کُنجِ دہن کے — سویدا میں سیرِ عدم دیکھتے ہیں

ترے سروِ رعنا سے یک قدِ آدم — قیامت کے فتنے کو کم دیکھتے ہیں[ھ۱]

تماشا کہ؟ اے محوِ آئینہ بازی — تجھے کس تمنّا سے ہم دیکھتے ہیں

سراغِ تفِ نالہ لے داغِ دل سے — کہ شب رَو کا نقشِ قدم دیکھتے ہیں

سراب یقیں ہیں پریشاں نگاہاں — اسد کو گرا ز چشمِ کم دیکھتے ہیں

کہ ہم بیضۂ طوطیِ ہند غافل — تہِ بالِ شمعِ حرم دیکھتے ہیں[ھ۲]

۱۰۶/۷

جوں مردمکِ چشم میں ہوں جمع نگاہیں — خوابیدہ بحیرت کدۂ داغ ہیں آہیں

پھر حلقۂ کاکل میں پڑیں[ھ۳] دید کی راہیں — جوں دود فراہم ہوئیں روزن میں نگاہیں

پا یا سرِ ہر ذرہ جگر گوشۂ وحشت — ہیں داغ سے لبریز شقایق کی کلاہیں

کس دل پہ ہے عزمِ صفِ مژگانِ خود آرا[ھ۴] — آئینے کے پایاب سے اُتری ہیں سپاہیں

دیر و حرم آئینۂ تکرارِ تمنّا ... واماندگیِ شوق تراشے ہے پناہیں

یہ مطلع (اسد) جوہرِ افسونِ سخن ہو

گر عرضِ تپاکِ نفسِ سوختہ چاہیں

حسرت کشِ یک جلوۂ بیدل ہیں نگاہیں ... کھینچوں ہوں سویدائے دلِ چشم سے آہیں

۱۰۷/۷ جائے کہ پائے سیلِ بلا درمیاں نہیں ... دیوانگانِ غم کو سرِ خانماں نہیں

کس جرم سے ہے چشم تجھے حسرتِ قبول ... برگِ حنا مگر مژۂ خوں فشاں نہیں

ہر رنگ گردشِ آئنہ ایجادِ درد ہے ... اشکِ سحاب جز بوداعِ خزاں نہیں

اے عجز کیا کروں بہ تمنّائے بے خودی ... طاقت حریفِ سختیِ خوابِ گراں نہیں

عبرت سے پوچھ دردِ پریشانیِ نگاہ ... یہ گردِ وہم جز بسرِ امتحاں نہیں

گل غنچگی میں غرقۂ دریائے رنگ ہے ... اے آگہی فریبِ تماشا کہاں نہیں

برقِ بجانِ حوصلہ آتش فگن (اسد)

اے دل فسردہ طاقتِ ضبطِ فغاں نہیں

۱۰۸/۷ مرگِ شیریں ہو گئی تھی کوہکن کی فکر میں ... تھا حریرِ سنگ سے قطعِ کفن کی فکر میں

فرصتِ یک چشم حسرت ششِ جہت آغوش ہے ... ہوں سپند آسا وداعِ انجمن کی فکر میں

وہ غریبِ وحشت آبادِ تسلّی ہوں، جسے ... کوچہ دے ہے زخمِ دل صبحِ وطن کی فکر میں

سایۂ گل داغ و جوشِ نکہتِ گل موجِ دود ... رنگ کی گرمی ہے تاراجِ چمن کی فکر میں

فالِ ہستی، خارِ خارِ وحشتِ اندیشہ ہے — شوخیِ سوزن ہے ساماں پیرہن کی فکر میں

غفلتِ دیوانہ، جز تعبیرِ آگاہی نہیں — مغزِ سر خوابِ پریشاں ہے سخن کی فکر میں

مجھ میں اور مجنوں میں وحشت ساز دعویٰ ہے اسد

برگ برگِ بید ہے ناخن زدن کی فکر میں

۱۰۹/۵

ہے ترحم آفریں آرایشِ بیدادیاں — اشکِ چشمِ دام ہے ہر دانۂ صیادیاں

ہے گدازِ موم اندازِ چکیدن ہائے خوں — نیشِ زنبورِ عسل ہے نشترِ فصادیاں

ناگوارا ہے ہمیں احسانِ صاحب دولتاں — ہے زرِ گل، در نظر ہا جوہرِ فولادیاں

جنبشِ دل سے ہوئے ہیں عقدہ ہائے کار وا — کمتریں مزدورِ سنگیں دست ہے فرہادیاں

قطرہ ہائے خونِ بسمل زیبِ داماں ہیں (اسد)

ہے تماشا کردنی گل چینیِ جلادیاں

۱۱۰/۵

اے نواسازِ تماشا، سر بکف جلتا ہوں میں — یک طرف جلتا ہے دل اور یک طرف جلتا ہوں میں

شمع ہوں لیکن بپا در رفتۂ خارِ جستجو — مدعا گم کردہ ہر سو ہر طرف جلتا ہوں میں

ہے مساسِ دستِ افسوس آتش انگیزِ تپش — بے تکلف آپ پیدا کر کے تف جلتا ہوں میں

ہے تماشا گاہِ سوزِ تازہ ہر یک عضوِ تن — جوں چراغانِ دوالی صف بصف جلتا ہوں میں

غالب کی طرح[1]

شمع ہوں تو بزم میں جا پاؤں مانند اسد

بے محل اے مجلس آرائے نجف جلتا ہوں میں

۱۱۱/۹ فتادگی میں قدم استوار رکھتے ہیں
برنگِ جادۂ سر کوے یار رکھتے ہیں

برہنہ مستیِ صبحِ بہار رکھتے ہیں
جنوں حسرتِ یک جامہ وار رکھتے ہیں

طلسمِ مستیِ دل آں سوے ہجومِ سرشک
ہم ایک میکدہ دریا کے پار رکھتے ہیں

ہمیں حریرِ شرر بافِ سنگ خلعت ہے
یہ ایک پیرہنِ زرنگار رکھتے ہیں

نگاہِ دیدۂ نقشِ قدم ہے جادۂ راہ
گذشتگاں اثرِ انتظار رکھتے ہیں

ہوا ہے گریۂ سرشار ضبط سے تسبیح
ہزار دل پہ ہم اک اختیار رکھتے ہیں

برنگِ سایہ سرو کارِ انتظار نہ پوچھ
سراغِ خلوتِ شب ہائے تار رکھتے ہیں

بساطِ ہیچ کسی میں برنگِ ریگِ رواں
ہزار دل بوداعِ قرار رکھتے ہیں

جنونِ فرقتِ یارانِ رفتہ ہے غالب
برنگِ دشت دلِ پُرغبار رکھتے ہیں

۱۱۲/۸ تنِ بہ بندِ ہوس در نداده رکھتے ہیں

دلِ زکارِ جہاں اُفتادہ رکھتے ہیں

تمیز بخشیِ زشتی و نیکوئی پرحرف
بعکسِ آئنہ یک لوحِ سادہ رکھتے ہیں

ادب نے سونپی ہمیں سرمہ سائی حیرت
زباں بستہ و چشم کشادہ رکھتے ہیں

معاف بیہدہ گوئی ناصحانِ خاموش
دلِ بدستِ نگارے ندادہ رکھتے ہیں

بزاہداں رگِ گردن ہے رشتۂ زنار
سرِ بپائے بتِ نانہادہ رکھتے ہیں

برنگِ سایہ ہمیں بندگی میں ہے تسلیم
~~کہاں بندگی آیا ہے شیوۂ تسلیم~~
کہ داغِ دل بجبینِ کشادہ رکھتے ہیں

برنگِ سبزہ عزیزانِ کج زباں یکدست

ہزار تیغ بہ زہراب دادہ رکھتے ہیں

زمانہ سخت کم آزار ہے بجانِ اسد
وگرنہ ہم تو توقع زیادہ رکھتے ہیں

۱۱۳/۷

بغفلت عطرِ گل ہم آگہی مخمور ملتے ہیں — چراغانِ تماشا چشمِ صد ناسور ملتے ہیں
رہا کس جرم سے میں بیقرارِ داغ ہم طرحی — سمندر کو پرِ پروانہ سے کافور ملتے ہیں
چمن، نامحرمِ آگاہیِ دیدارِ خوباں ہے — سحر گل ہائے نرگس چند چشمِ کور ملتے ہیں
کجا جوہر، چہ عکسِ خط، بتاں وقتِ خود آرائی — دلِ آئینہ زیرِ پائے خیلِ مور ملتے ہیں
تماشا ہے بہار آئینۂ پرواز تسکیں ہے — بجیبِ گل کفِ پائے دلِ رنجور ملتے ہیں[۱]

ہوئی جن سے توقع خستگی کی داد پانے کی
وہ ہم سے بھی زیادہ خستۂ تیغِ ستم نکلے

گراں جانی سبک سار و تماشا بے دماغ آیا — کفِ افسوسِ فرصت سنگ کو دِ طور ملتے ہیں

اسد حسرت کش یادِ داغِ مشک آلودہ ہے یارب

لباسِ شمع پر عطرِ شبِ دیجور ملتے ہیں

۱۱۴/۶ سرشکِ آشفتہ سر تھا قطرہ زن مژگاں سے جانے میں — رہے یاں شوخیِ رفتار سے پا آستانے میں

ہجومِ مژدۂ دیدار و پروازِ تماشا ہا — گلِ اقبالِ خس ہے چشمِ بلبل آشیانے میں

ہوئی یہ بےخودی چشم و زباں کو تیرے جلوے سے — ~~کہ طوطی قفلِ زنگ بستہ~~

~~سخن حیراں تحیر پرفشاں پروانہ بیگانہ~~ — کہ طوطی قفلِ زنگ آلودہ ہے آئینہ خانے میں

ترے کوچے میں ہے مشاطۂ واماندگی قاصد — پرِ پرواز زلفِ ناز ہے ہدہد کے شانے میں

کجا معزولیِ آئینہ کو نزکِ خود آرائی — نمد در آب ہے اے سادہ پرکار اس بہانے میں

اسد آں عجزِ ابروئے مہِ نو حیرت ایما ہے

کہ یاں گم کر جبینِ سجدہ فرسا آستانے میں

۱۱۵/۶ فزوں کی دوستوں نے حرصِ قاتل ذوقِ کشتن میں — ہوئے ہیں بخیہ ہائے زخم جوہر تیغِ دشمن میں

۱۱۶/۶

غنچۂ ناشگفتہ کو دور سے مت دکھا کہ یوں — بوسے کو پوچھتا ہوں میں منہ سے مجھے بتا کہ یوں

پرسشِ طرزِ دلبری کیجیے کیا کہ بن کہے — اس کے ہر اک اشارے سے نکلے ہے یہ ادا کہ یوں

رات کے وقت مے پیے ساتھ رقیب کو لیے — آئے وہ یاں خدا کرے پر نہ کرے خدا کہ یوں

بزم میں اس کے روبرو کیوں نہ خموش بیٹھیے — اس کی تو خامشی میں بھی ہے یہی مدعا کہ یوں

میں نے کہا کہ بزمِ ناز چاہیے غیر سے تہی — سن کے ستم ظریف نے مجھ کو اٹھا دیا کہ یوں

جو یہ کہے کہ ریختہ کیونکہ ہو رشکِ فارسی — شعرِ اسد ایک بار پڑھ کے اسے سنا کہ یوں

تماشا کردنی ہے لطفِ زخمِ انتظارِ دل
سوادِ داغِ مرہم مردمک ہے چشمِ سوزن میں

دل و دین و خرد تاراجِ نازِ جلوہ پیرائی
ہوا ہے جوہرِ آئینہ خیلِ مور خرمن میں

ہوئی تقریبِ منعِ شوقِ دیدن خانہ ویرانی
کفِ سیلاب باقی ہے برنگِ پنبہ روزن میں

نکوہش مانعِ دیوانگی ہائے جنوں آئی
لگایا خندۂ ناصح نے بخیہ جیب و دامن میں

اسد زندانیِ تاثیرِ الفت ہائے خوباں ہوں
خمِ دستِ نوازش ہو گیا ہے طوق گردن میں

۱۱۷

خوں در جگر نہفتہ بہ زردی رسیدہ ہوں
خود آشیانِ طائرِ رنگِ پریدہ ہوں

ہے دستِ رد، بسیرِ جہاں بستنِ نظر
پائے ہوس بدامنِ مژگاں کشیدہ ہوں

میں چشمِ واکشادہ و گلشن نظر فریب
لیکن عبث کہ شبنمِ خورشید دیدہ ہوں

تسلیم سے یہ نالۂ موزوں ہوا حصول
اے بے خبر میں نغمۂ چنگِ خمیدہ ہوں

پیدا نہیں ہے اصلِ تگ و تازِ جستجو
مانندِ موجِ آب زبانِ بریدہ ہوں

میں بے ہنر کہ جوہرِ آئینہ تھا عبث
پائے نگاہِ خلق میں خارِ خلیدہ ہوں

میرا نیاز و عجز ہے مفتِ بتاں اسد
یعنی کہ بندۂ بدرمِ ناخریدہ ہوں

۱۱۸/ے

سودائے عشق سے دمِ سردِ کشیدہ ہوں — شامِ خیالِ زلف سے صبحِ دمیدہ ہوں

کی متصل ستارہ شناسی میں عمر صرف — تسبیحِ اشک ہائے زمژگاں چکیدہ ہوں

دورانِ سر سے گردشِ ساغر ہے متصل — خمخانۂ جنوں میں دماغِ رسیدہ ہوں

ظاہر ہیں میری شکل سے افسوس کے نشاں — مانندِ شانہ، دست بدنداں گزیدہ ہوں

دیتا ہوں کشتگاں کو سخن سے سرِ تپش — مضرابِ تارہائے گلوئے بریدہ ہوں

ہے جنبشِ زباں، بدہن سخت ناگوار — خونابۂ ہلاہلِ حسرت چشیدہ ہوں

جوں بوئے گل، ہوں گرچہ گرانبارِ مشتِ زر
لیکن اسد بوقتِ گذشتن جریدہ ہوں

۱۱۹/ے

ہوئی ہیں آبِ شرمِ کوششِ بے جا سے تدبیریں — عرق ریزِ تپش ہیں، موج کی مانند زنجیریں

خیالِ سادگی ہائے تصورِ نقشِ حیرت ہے — پرِ عنقا پہ رنگِ رفتہ سے کھینچے ہے تصویریں

بتانِ شوخ کی تمکین بعد از قتل کی حیرت — بیاضِ دیدۂ نخچیر پہ کھینچے ہے تصویریں

زبس ہر شمع یاں آئینۂ حیرت طرازی ہے — کرے ہیں غنچۂ منقارِ طوطی نقشِ گلگیریں

سپند آہنگیِ ہستی وسعیِ نالہ فرسائی — غبار آلودہ ہیں، جوں دودِ شمعِ کشتہ تقریریں

درشتیِ تامل ہے فسونِ پنبہ در گوشی — وگرنہ خواب کی مضمر ہیں افسانے میں تعبیریں

اسد طرزِ عروجِ اضطرابِ بسمل آہنگاں
سمجھتے ہیں تپش کو الفتِ قاتل کی تاثیریں

۱۲۰/۷

بے دماغی حیلہ جوئے ترکِ تنہائی نہیں — ورنہ کیا موجِ نفس زنجیرِ رسوائی نہیں
وحشی خو کردۂ نظارہ ہے حیرت جسے — حلقۂ زنجیر جز چشمِ تماشائی نہیں
قطرہ کو جوشِ عرق کرتا ہے دریا دستگاہ — جز حیا پرکارِ سعیِ بے سروپائی نہیں
چشمِ نرگس میں نمک بوتی ہے شبنم سے بہار — فرصتِ نشو و نما سازِ شکیبائی نہیں
کس کو دوں یا رب حسابِ سوزناکی ہائے دل — آمد و رفتِ نفس جز شعلہ پیمائی نہیں
مت رکھ اے انجام غافل سازِ ہستی پر غرور — مور کے پر ہیں سر و برگِ خود آرائی نہیں

سایۂ افتادگی بالین و بستر ہوں اسد
جوں صنوبر دل سراپا قامت آرائی نہیں

۱۲۱/۶

ظاہرا سر پنجۂ افتادگاں گیرا نہیں — ورنہ کیا دامان کی حسرت بہ نقشِ پا نہیں
آنکھیں پتھرائی ہیں نامحسوس ہے تارِ نگاہ — ہے زمیں از بسکہ سنگیں جادہ بھی پیدا نہیں
ہو چکے ہم جادہ ساں صد بار قطع و تا ہنوز — زینتِ یک پیرہن جوں دامنِ صحرا نہیں
ہو سکے ہے پردۂ جوشیدنِ خونِ جگر — اشک بعدِ ضبط کم از پنبۂ مینا نہیں
ہو سکے کب کلفتِ دل مانعِ سیلابِ اشک — گردِ ساحل سنگِ راہِ جوششِ دریا نہیں

اے اسد ہے دہر میں صد حشر یادِ آتشِ عمل
آگہی غافل کہ یک امروز بے فردا نہیں

۱۲۲/۷

ضبط سے مطلب بجز وارستگی دیگر نہیں — دامنِ تمثال آبِ آئینہ سے تر نہیں
ہوتے ہیں بے قدر در کنجِ وطن صاحبدلاں

~~۱۲۳~~ (ضمیمہ)

وہ فراق اور وہ وصال کہاں — وہ شب و روز و ماہ و سال کہاں
فرصتِ کاروبارِ شوق کسے — ذوقِ نظارۂ جمال کہاں
دل تو دل وہ دماغ بھی نہ رہا — شورِ سودائے خط و خال کہاں
تھی وہ اک شخص کے تصور سے — اب وہ رعنائیِ خیال کہاں
ایسا آساں نہیں لہو رونا — دل میں طاقت جگر میں حال کہاں
[illegible] — شعلہ [illegible] کو انفعال کہاں
ہم سے چھوٹا قمار خانۂ عشق — واں جو جاویں گرہ میں مال کہاں
فکرِ دنیا میں سر کھپاتا ہوں — میں کہاں اور یہ وبال کہاں
مضمحل ہو گئے قویٰ غالب — وہ عناصر میں اعتدال کہاں

عزلت آبادِ صدف میں قیمتِ گوہر نہیں

باعثِ ایذا ہے برہم خوردنِ بزمِ سرور
شیشہ ریزہ غیرِ عرضِ شوخیِ نشتر نہیں

واں سیاہی ہے سوادِ مردمک یاں داغِ مے
مہ حریفِ نازشِ ہم چشمیِ ساغر نہیں

ہے فلک بالانشیں فیضِ خمِ گردیدنی
عاجزی سے ظاہرا رتبہ کوئی برتر نہیں

دل کو اظہارِ سخن اندازِ فتح الباب ہے
یاں صریرِ خامہ غیر از اصطکاکِ در نہیں

کب تلک پھیرے اسد لب ہائے تفتہ پر زباں
تابِ جوشِ تشنگی اے ساقیِ کوثر نہیں

۱۲۴ / ۵

ضمانِ جادہ رویاندن ہے خطِ جامِ مینوشاں
وگرنہ منزلِ حیرت سے کیا واقف ہیں مدہوشاں

نہیں ہے ضبط بجز مشاطگی ہائے غم آرائی
کہ میلِ سرمۂ چشمِ داغ میں ہے آہِ خاموشاں

بہ ہنگامِ تصور ساغر زانو سے پیتا ہوں
مے کیفیتِ خمیازہ ہائے صبح آغوشاں

نشانِ روشنیِ دل نہاں ہے تیرہ بختوں کا
نہیں محسوس دودِ مشعلِ بزمِ سیہ پوشاں

پریشانی اسد در پردہ ہے سامانِ جمعیت
کہ ہے آبادیِ صحرا ہجومِ خانہ بردوشاں

۱۲۵ / ۷

نہیں ہے بے سبب قطرے کو شکلِ گوہر افسردن
گرہ ہے حسرتِ آبے بروے کار آوردن

مہ نو سے ہے رہزن وار نعلِ واژگوں باندھا
نہیں ممکن بجولاں ہائے گردوں دخل پے بردن

خمارِ ضبط سے بھی نشۂ اظہار پیدا ہے
تراوش شیرۂ انگور کی ہے مفت افشردن

خراب آبادِ غربت میں عبث افسوسِ ویرانی
گلِ از شاخِ دور افتادہ ہے نزدیک پژمردن

فغان و آہ سے حاصل بجز دردِ سرِ یاراں
خوشا اے غفلت آگاہاں نفس دزدیدن و مردن

دریغا بستنِ رختِ سفر سے ہو کے ہیں غافل
رہا پامال حسرت ہائے فرشِ بزم گستردن

اسد ہے طبع مجبورِ تمنا آفرینی ہا
فغاں بے اختیاری و فریبِ آرزو خوردن

۱۲۶/۵ دیکھیے مت چشمِ کم سے سوئے ضبط افسردگاں — جوں صدف پُر در ہیں دنداں در جگر افشردگاں
گرمِ تکلیفِ دلِ رنجیدہ ہے از بسکہ چرخ — قرصِ کافوری ہے مہر از بہرِ سرما خوردگاں
رنجشِ دلہا جہاں ویراں کرے گی اے فلک — دشت ساماں ہے غبارِ خاطرِ آزردگاں
ہاتھ پر سو ہاتھ، تا ہم جنبشِ فرسودنی — شوقِ مفتِ زندگی ہے، اے بغفلت مردگاں
خار سے گل سینہ افگارِ جفا ہے اے اسد
برگ ریزی ہے پر افشانیِ ناوک خوردگاں

۱۲۷/۵ سازشِ صلحِ بتاں میں ہے نہاں جنگیدن — نغمہ و چنگ ہیں جوں تیر و کماں فہمیدن
بسکہ شرمندہ بوئے خوشِ گل رویاں ہے — نکہتِ گل کو ہے غنچے میں نفس دزدیدن
ہے فروغِ رخِ افروختۂ خوباں سے — شعلۂ شمع پر افشانِ بخود لرزیدن
گلشنِ زخم کھلاتا ہے جگر میں پیکاں — گرہِ غنچہ ہے سامانِ چمن بالیدن
چمنِ دہر میں ہوں سبزۂ بیگانہ اسد
وائے اے بے خودی و تہمتِ آرامیدن

۱۲۸/۷ صاف ہے از بسکہ عکسِ گل سے گلزارِ چمن — جانشینِ جوہرِ آئینہ ہے خارِ چمن
ہے نزاکت بسکہ اس موسم میں معمارِ چمن — قالبِ گل میں ڈھلے ہے خشتِ دیوارِ چمن
تیری آرایش کا استقبال کرتی ہے بہار — جوہرِ آئینہ ہے یاں نقشِ احضارِ چمن
الفتِ گل سے غلط ہے دعوئِ وارستگی — سرو ہے با وصفِ آزادی گرفتارِ چمن

بسکہ پائی یار کی رنگیں ادائی سے شکست — ہے کلاہِ نازِ گل برطاقِ دیوارِ چمن

وقت ہے گر بلبلِ مسکیں زلیخائی کرے — یوسفِ گل جلوہ فرما ہے بہ بازارِ چمن

وحشت افزا گریہ ہا موقوفِ فصلِ گل اسد

چشمِ دریا ریز ہے میزابِ سرکارِ چمن

۱۲۹/۵

منقار سے رکھتا ہوں ہم چاکِ قفس کو — تا گل زجگر زخم میں ہے راہِ نفس کو

بے باک ہوں از بسکہ بہ بازارِ محبت — سمجھا ہوں زرہ جوہرِ شمشیرِ عسس کو

رہنے دو گرفتارِ بزندانِ خموشی — چھیڑو نہ مجھ افسردۂ دزدیدہ نفس کو

پیدا ہوئے ہیں ہم الم آبادِ جہاں میں — فرسودنِ پائے طلب و دستِ ہوس کو

نالاں ہو اسد تو بھی سرِ راہ گذر پر

کہتے ہیں کہ تاثیر ہے فریادِ جرس کو

۱۳۰/۵

اگر وہ آفتِ نظارہ جلوہ گستر ہو — ہلالِ ناخنکِ دیدہ ہائے اختر ہو

بیادِ قامت اگر ہو بلند آتشِ غم — ہر ایک داغِ جگر آفتابِ محشر ہو

عجب نہیں ہے تحریرِ حالِ گریۂ چشم — کہ سطحِ آب پہ ہر موجِ نقش مسطر ہو

امیدوار ہوں تاثیرِ تلخ کامی سے — کہ قندِ بوسۂ شیریں لباں مکرر ہو

۱۳۱/۱۰

(اس کلام قلمی کی اور کاتب کا ہے)

[illegible]

اسدؔ پہ گوشۂ چشمِ عنایت اے آفت
کہ یہ سرشکِ زچشم افتادہ، گوہر ہو

۱۳۲/۷

بیدردئ بسجدۂ الفت فسردہ ہو — جوں شمعِ غوطہ داغ میں کھا گروضو نہ ہو
دل درکفِ تغافلِ ابرے یار سونپ — آئینہ ایسے طاق پہ گم کر کہ تو نہ ہو
زلفِ خیالِ نازک و اظہار بے قرار — یارب کہ شوق شانہ کشِ گفتگو نہ ہو
تمثالِ نازِ جلوہ گرِ نقشِ اعتبار — ہستی عدم ہے آئینہ گر روبرو نہ ہو
مژگانِ خلیدۂ رگِ ابرِ بہار ہے — نشتر بمغزِ پنبۂ مینا فرو نہ ہو
عرضِ نشاطِ دید ہے مژگانِ انتظار — یارب کہ خارِ پیرہنِ آرزو نہ ہو

واں پرفشانِ دامِ نظر ہوں جہاں اسدؔ
صبحِ بہار بھی قفسِ رنگ و بو نہ ہو

۱۳۳/۹

حسد پیمانہ ہے دل عالمِ آب تماشا ہو — کہ چشمِ تنگ شاید کثرتِ نظّارہ سے وا ہو
بہم بالیدنِ سنگ و گلِ صحرا یہ کیفیت — کہ تارِ جادہ ہا کہسار کو زنّارِ مینا ہو
حریفِ وحشتِ نازِ نسیمِ عشق جب آؤں — کہ مثلِ غنچہ عجزِ یک گلستاں دل مہیّا ہو
بجائے دانہ خرمن یک بیاباں بیضۂ قمری — مجھے حاصل وہ نسخہ ہے کہ جس سے خاک پیدا ہو
کرے کیا سازِ بینش وہ تماشا بزمِ آگاہی — جسے موئے دماغِ بے خودی خوابِ زلیخا ہو
جنونِ عیش ہے یارب سر و سامانِ آزادی — کروں یک گوشہ دامن تر گرآب ہفت دریا ہو
وہ دل جوں شمع بہرِ دعوتِ نظّارہ لایعنی — نگہ لبریزِ اشک و سینہ معمورِ تمنّا ہو
اگر وہ سروِ جاں بخشِ خرامِ اہتزاز آوے — کفِ ہر خاکِ گلشن شکلِ قمری نالہ فرسا ہو
نہ دیکھیں روئے یک دل سردِ غیر از شمعِ کافوری — خدایا اس [illegible] گرمِ تماشا ہو
بزمِ غالب اہلِ قدر

۱۳۴/۸

مبادا بے تکلف فصل کا برگ و نوا کم ہو

~~خوشا عالم کہ در طوفان مے~~

مگر طوفان مے میں پیچش موج صبا گم ہو

سبب وارستگاں کو ننگ ہمت ہے، خداوندا
اثر سرمے سے اور لبہائے عاشق سے صدا گم ہو

نہیں ہے درد تسکین نکوہش ہائے بیدرداں
کہ موج گریہ میں صد خندۂ دنداں نما گم ہو

~~مانع سگ بر سر کو خفتن کو عجز تب یمی~~

ہوئی ہے ناتوانی بیدمانع شوخی مطلب
جبیں میں در لباس سجدہ لے دست دعا گم ہو

تجھے ہم مفت دیویں یک جہاں چین جبیں لیکن
مبادا بے حجاب طبع بنقش مدعا گم ہو

~~صفائے موج گوہر بلا گرداں تمکیں~~

بلا گردان تمکین بتاں صد موجۂ گوہر
عرق بھی حسن کے عارض پہ تکلیف حیا گم ہو

اٹھاوے کب وہ جان شرم تہمت قتل عاشق کی
کہ جس کے ہاتھ میں مانند خون رنگ حنا گم ہو

کریں خوباں جو سیر حسن اسد یک پردہ نازک تر
دم صبح قیامت در گریبان قبا گم ہو

۱۳۵ / ۷

خشکی مے نے تلف کی مے کدے کی آبرو
کاسۂ دریوزگی ہے جام بر دست سبو

بہر جاں پروردن یعقوب بال چاک سے
وام لیتی ہے پر پرواز پیراہن کی بو

گرد ساحل ہے نم شرم جبین آشنا
گر نہ باندھے قلزم الفت میں سر جائے کدو

گرمی شوق طلب ہے عین تاپاک وصال
غافلاں آئینہ داں ہے نقش پائے جستجو

رہن خاموشی میں ہے آرایش بزم وصال
ہے پر پرواز رنگ رفتہ خون گفتگو

ہے تماشا حیرت آبادِ تغافلہاے شوق ۔ یک رگِ خوابؔ سراسر جوشِ خونِ آرزو

خوے شرمِ سردِ بازاری ہے سیلِ خانماں

ہے اسد نقصاں میں مفت اور صاحبِ سرمایہ تو

۱۳۶/۷

اشکِ چکیدہ رنگِ پریدہ ۔ ہر طرح ہوں میں از خود رمیدہ

گویا دمجھ کو کرتے ہیں خوباں ۔ لیکن بسانِ دردِ کشیدہ

ہے رشتۂ جاں فرطِ کشش سے ۔ مانندِ نبضِ دستِ بُریدہ

تو نا ہے افسوس موے خمِ زلف ۔ ہے شانہ یکسر دستِ گزیدہ

خالِ سیاہ رنگیں رخاں سے ۔ ہے داغ لالہ در خوں طپیدہ

جوشِ جنوں سے جوں کسوتِ گل ۔ سرتا بپا ہوں جیبِ دریدہ

یارو اسد کا نام و نشاں کیا

بیدل فقیر آفت رسیدہ

۱۳۷/۶

خوشا طوطی و کنجِ آشیانہ ۔ نہاں در زیرِ بال آئینہ خانہ

سرشکِ بر زمیں اُفتادہ آسا ۔ اُٹھا یاں سے نہ میرا آب و دانہ

حریفِ عرضِ سوزِ دل نہیں ہے ۔ زباں ہر چند ہو جاوے زبانہ

دلِ نالاں سے ہے بے پردہ پیدا ۔ نواے بربط و چنگ و چغانہ

کرے کیا دعویِ آزادیِ عشق

گرفتارِ الم ہاے زمانہ

اسد اندیشۂ رشتہ شدن ہے
نہ پھریے مُہرہ ساں خانہ بخانہ

۱۳۸
ب

رفتار سے شیرازۂ اجزاے قدم باندھ
اے آبلہ، محمل پئے صحراے عدم باندھ

بے کاریِ تسلیم بہر رنگِ چمن ہے
گر خاک ہو گلدستۂ صد نقشِ قدم باندھ

اے جادہ بہ سر رشتۂ یک ریشۂ دویدن
شیرازۂ صد آبلہ چوں سبحہ بہم باندھ

حیرت حدِ اقلیمِ تمنّا سے پری ہے
تا آئنہ آئینِ گلستانِ ارم باندھ

پامردِ یک انداز نہیں قامتِ ہستی
طاقت اگر اعجاز کرے تہمتِ خم باندھ

دیباچۂ وحشت ہے اسد شکوۂ خوباں
خوں کردۂ دل اندیشۂ مضمونِ ستم باندھ

۱۳۹
د

خلق ہے صفحۂ عبرت سے سبق ناخواندہ
ورنہ ہے چرخ و زمیں یک ورقِ گرداندہ

مے کدے ہیں دلِ افسردگیِ بادہ کشاں
موجِ مے مثلِ خطِ جام ہے برجا ماندہ

خواہشِ دل ہے زباں کو سببِ گفت و بیاں
ہے سخن گرد ز دامانِ ہوس افشاندہ

کوئی آگاہ نہیں باطنِ ہم دیگر سے
ہے ہر اک فرد جہاں میں ورقِ ناخواندہ

اے اسد ہاے یہ بے حاصلیِ بوالہوساں
یعنی ہیں ہرزہ ازاں سو و ازیں سو راندہ

۱۴۰ / د

بسکہ مے پینے لگے بادہ کشاں پوشیدہ — خطِ پیمانۂ مے ہے نفسِ دزدیدہ

بغرورِ طرحِ قامت و رعنائیِ سرد — طوق ہے گردنِ قمری میں رگِ بالیدہ[له]

کی ہے وا اہلِ جہاں نے بگلستانِ جہاں — چشمِ غفلت نظرِ شبنمِ خورتادیدہ

اے دریغا کہ نہیں طبعِ نزاکت ساماں — ورنہ کانٹے میں تلے ہے سخن سنجیدہ

اے اسد بہرِ رم آموختنی ہائے تپش
چاہیے خاطرِ جمع و دلِ آرامیدہ

۱۴۱ / ک

از مہر تا بہ ذرّہ دل و دل ہے آئینہ — طوطی کو شش جہت سے مقابل ہے آئینہ

حیرت ہجومِ لذّتِ غلطانیِ تپش — سیمابِ بالش و کمرِ دل ہے آئینہ

غفلت ببالِ جوہرِ شمشیر پرفشاں — یاں پشتِ چشمِ شوخیِ قاتل ہے آئینہ

حیرت نگاہِ برق تماشا بہارِ شوخ — در کسوتِ ہوا پرِ بسمل ہے آئینہ

یاں رہ گئے ہیں ناخنِ تدبیر ٹوٹ کر — جوہر طلسمِ عقدۂ مشکل ہے آئینہ

ہم زانوے تامّل و ہم جلوہ گاہِ گل — آئینہ بندِ خلوت و محفل ہے آئینہ

دل کارگاہِ فکر و اسد بے نوائے دل

یاں سنگِ آستانۂ بیدل ہے آینہ

۱۴۲/ے

جوشِ دل ہے نشۂ ہائے فطرتِ بیدل نپوچھ   قطرہ سے میخانۂ دریائے بے ساحل نپوچھ

پہن گشتن ہائے دل، بزمِ نشاطِ گرد باد   لذّتِ عرضِ کشادِ عقدۂ مشکل نپوچھ

آبلۂ پیمانۂ اندازۂ تشویش تھا   اے دماغِ نارسا، خمخانۂ منزل نپوچھ

نے صبا بالِ پری، نے شعلہ حرزِ عافیت   شمع سے جز عرضِ افسونِ گدازِ دل نپوچھ

یک مژہ برہم زدن، حشرِ دو عالم فتنہ ہے   یاں سراغِ عافیت جز دیدۂ بسمل نپوچھ

بزم ہے یک پنبۂ مینا گدازِ ربط سے   عیش کر غافل حجابِ نشۂ محفل نپوچھ

تا تخلّص جامۂ شنگرفی ارزانی اسد

شاعری جز سازِ درویشی نہیں حاصل نپوچھ

۱۴۳/ے

جز دل، سراغِ دردِ بدل خفتگاں نپوچھ   آئینہ عرض کر، خط و خالِ بیاں نپوچھ

پروازِ یک تبِ غمِ تسخیرِ نالہ ہے   گرمیِ نبضِ خار و خسِ آشیاں نپوچھ

تو عرضِ ناز کر، دلِ پروانہ ہے بہار   بے تابیِ تجلیِ آتش بجاں نپوچھ

غفلت متاعِ کفّۂ میزانِ عدل ہیں   یارب حسابِ سختیِ خوابِ گراں نپوچھ

ہر داغِ تازہ یک دلِ داغِ انتظار ہے   عرضِ فضائے سینۂ دردِ امتحاں نپوچھ

ہندوستان سایۂ گل پائے تخت تھا   نازِ بہارِ رفتۂ وصلِ بتاں نپوچھ

لکھتا تھا کل وہ نامہ رساں سے بسوزِ دل
دردِ جدائیِ اسد اللہ خاں نپوچھ

۱۴۴ / ۷ (٥)

ضبط سے اسپند جوں مردم اقامت گیر ہے — مجمرِ بزم فسردن دیدۂ نخچیر ہے
آشیاں بندِ بہارِ عیش ہوں ہنگامِ قتل — یاں پرِ پرواز رنگِ رفتہ بال تیر ہے
ہے جہاں فکرِ کشیدنہائے نقشِ روئے یار — ماہتاب ہالہ پیرا گردۂ تصویر ہے
وقتِ حسن افروزیِ زینت طرازاں جائے گل — از نہالِ شمع پیدا غنچۂ گلگیر ہے
گریہ سے بندِ محبت میں ہوئی نام آوری — لختِ لختِ دل نگیں خانہ زنجیر ہے
ریزشِ خوں ہے سراسر جرعہ نوشیہائے یار — یاں گلوئے شیشۂ مے قبضۂ شمشیر ہے

جو بشامِ غم چراغِ خلوتِ دل تھا اسد
وصل میں وہ سوزِ شمعِ مجلسِ تقریر ہے

۱۴۵ / ۵ (٥٤)

کرے ہے رہرواں سے خضرِ راہِ عشق جلادی — ہوا ہے موجۂ ریگِ رواں شمشیرِ فولادی
نظر بندِ تصور ہے قفس میں لطفِ آزادی — شکستِ آرزو کے رنگ کی کرتا ہوں صیادی
کرے ہے حسن ویراں کارِ روئے سادہ رویاں پہ — غبارِ خط سے تعمیرِ بنائے خانہ بربادی
چنار آسا عدم سے یادِ دل پر آتش آیا ہوں — تہی آغوشیِ دستِ تمنا کا ہوں فریادی

اسد از بسکہ فوجِ دردِ غم سرگرمِ جولاں ہے
غبارِ راہِ ویرانی ہے ملکِ دل کی آبادی

۱۴۶ / ۶ (٥)

یہ سرنوشت میں میری ہے اشک افشانی — کہ موجِ آب ہے ہر خطِ چینِ پیشانی
جنونِ وحشتِ ہستی یہ عام ہے کہ بہار — کرے ہے کسوتِ طاؤس میں پرافشانی

لبِ نگار میں آئینہ دیکھ آبِ حیات یہ گم ہی سکندر رہے محوِ حیرانی

نظر بہ غفلتِ اہلِ جہاں ہوا ظاہر کہ عیدِ خلق پہ حیراں ہے چشمِ قربانی

لکھوں وہ مصرعِ برجستہ وصفِ قامت میں کہ سرو ہو نہ سکے جس کا مصرعِ ثانی

اسد میں کثرتِ دلہائے خلق سے جانا

کہ زلفِ یار ہے مجموعۂ پریشانی

۱۴۷/۱

ہے آرمیدگی میں نکوہش بجا مجھے صبحِ وطن ہے خندۂ دنداں نما مجھے

ہے پیچ تابِ رشتۂ شمعِ سحر گہی خجلت گدازیِ نفسِ نارسا مجھے

واں رنگہا بہ نہفتۂ تدبیر ہیں ہنوز یاں شعلۂ چراغ ہے برگِ حنا مجھے

کرتا ہے بسکہ باغ میں تو بے حجابیاں آنے لگی ہے نکہتِ گل سے حیا مجھے

پروازہا نیازِ تماشائے حسنِ دوست بالِ کشادہ ہے نگہِ آشنا مجھے

از خود گذشتگی میں خموشی پہ حرف ہے موجِ غبارِ سرمہ ہوئی ہے صدا مجھے

یاں آب و دانہ موسمِ گل میں حرام ہے زنارِ واگسستہ ہے موجِ صبا مجھے

تا چند پست حوصلگی ہائے طبعِ خام اے آرزو بلندیِ دستِ دعا مجھے

ہے مستِ امتحانِ ہوس طینتی اسد

اے جوشِ عشق بادۂ مرد آزما مجھے

کھلتا کسی پہ کیوں مرے دل کا معاملہ شعروں کے انتخاب نے رسوا کیا مجھے

۱۴۹/۸

ہر رنگِ سوز پردۂ یک ساز ہے مجھے بالِ سمندر آئینۂ ناز ہے مجھے

۱۵۲/۱۰

عشق مجھ کو نہیں وحشت ہی سہی
میری وحشت تری شہرت ہی سہی

قطع کیجیے نہ تعلق ہم سے
کچھ نہیں ہے تو عداوت ہی سہی

میرے ہونے میں ہے کیا رسوائی
اے وہ مجلس نہیں خلوت ہی سہی

ہم بھی دشمن تو نہیں ہیں اپنے
غیر کو تجھ سے محبت ہی سہی

ہم بھی تسلیم کی خو ڈالیں گے
بے نیازی تری عادت ہی سہی

اپنی ہستی ہی سے ہو جو کچھ ہو
آگہی گر نہیں غفلت ہی سہی

عمر ہر چند کہ ہے برق خرام
دل کے خوں کرنے کی فرصت ہی سہی

کچھ تو دے اے فلکِ ناانصاف
آہ و فریاد کی رخصت ہی سہی

ہم کوئی ترکِ وفا کرتے ہیں
نہ سہی عشق مصیبت ہی سہی

یار سے چھیڑ چلی جائے اسد
گر نہیں وصل تو حسرت ہی سہی

طاؤسِ خاک، حسنِ نظر باز ہے مجھے — ہر ذرہ چشمکِ نگہِ ناز ہے مجھے

آغوشِ گل ہے آئینۂ ذرہ ذرہ خاک — عرضِ بہار جوہرِ پرواز ہے مجھے

ہے بوئے گل غریبِ تسلی کہ وطن — ہر جزوِ آشیاں پرِ پرواز ہے مجھے

ہے جلوۂ خیال سویدائے مردمک — جوں داغِ شعلہ سر خطِ آغاز ہے مجھے

وحشت بہار نشہ و گل ساغرِ شراب — چشمِ پری شفق کدۂ راز ہے مجھے

فکرِ سخن بہانۂ پروازِ خامشی — دودِ چراغ سرمۂ آواز ہے مجھے

ہے خامہ فیضِ بیعتِ بیدلؒ بکف اسد
ہر نیستاں قلم روِ اعجاز ہے مجھے

۱۵۰

کہوں کیا گرم جوشی وقت میں آتشِ عذاروں کی — کہ شمعِ خانۂ دل آتشِ مے سے فروزاں کی

ہمیشہ مجھ کو طفلی میں (بھی) مشقِ تیرہ روزی تھی — سیاہی ہے مرے ایام میں لوحِ دبستاں کی

بہ زلفِ سرو شاں رہتی ہے شب بیدار ظاہر سے — زبانِ شانہ سے تعبیرِ صد خوابِ پریشاں کی

دریغ آہِ سحرگہ کارِ بادِ صبح کرتی ہے — کہ ہوتی ہے زیادہ سرد مہری شمع رویاں کی

ہنر پیدا کیا ہے میں نے حیرت آزمائی میں — کہ جوہر آئینہ کا ہر پلک ہے چشمِ حیراں کی

بیادِ گرمیٔ صحبت برنگِ شعلہ دہکے ہے — چھپاؤں کیونکر غالب سوزشیں داغِ نمایاں کی

۱۵۱

جنوں تہمت کشِ تسکیں نہ ہو گر شادمانی کی — نمک پاشِ خراشِ دل ہے لذت زندگانی کی

کشاکش ہائے ہستی سے کرے کیا سعیِ آزادی — ہوئی زنجیرِ موجِ آب کو فرصت روانی کی

نہ کھینچے سعیِ نقشِ نارسا زلفِ تمنا کو — پریشاں تر ہے موئے خامہ سے تدبیر مانی کی

گماں ہم بھی رگ و پے رکھتے ہیں انصاف بہتر ہے — نہ کھینچے طاقتِ خمیازہ تہمت ناتوانی کی

تکلف برطرف فرہاد و اظہارِ سبک دستی — خیال آساں تھا لیکن خوابِ خسرو نے گرانی کی

پس از مردن بھی دیوانہ زیارت گاہِ طفلاں ہے — شرارِ سنگ نے تربت پہ میری گل فشانی کی

اسد کو بوریے میں دھر کے پھونکا موجِ ہستی نے[۱]
فقیری میں بھی باقی ہے شرارت نوجوانی کی

۱۵۳/۷ نکوہش ہے سزا فریادیِ بیدادِ دلبر کی — مبادا خندۂ دنداں نما ہو صبحِ محشر کی

رگِ لیلیٰ کو خاکِ دشتِ مجنوں ریشگی بخشے — اگر بووے بجائے دانہ دہقاں نوک نشتر کی

بجز دیوانگی ہوتا نہ انجامِ خود آرائی — اگر پیدا نہ کرتا آئینہ زنجیر جوہر کی

پرِ پروانہ شاید بادبانِ کشتیِ مے تھا — ہوئی گرمیِ مجلس سے روانی دورِ ساغر کی

تھکا جب قطرہ بیدست و پا بالا دویدن سے — زہِ یادگاریہا گرہ دیتا ہے گوہر کی

غرورِ لطفِ ساقی نشۂ بیباکیِ مستاں — نمِ دامانِ عصیاں ہے طراوت موجِ کوثر کی

اسد جز آبِ بخشیدن ز دریا خضر کو کیا تھا
ڈبوتا چشمۂ حیواں میں گر کشتی سکندر کی

۱۵۴/۶ آنکھوں میں انتظار سے جاں پرشتاب ہے — آتا ہے آ، وگرنہ یہ پا در رکاب ہے

۱۵/۱۲ ماہ

پھر کچھ اک دل کو بے قراری ہے
سینہ جویائے زخمِ کاری ہے

پھر جگر کھودنے لگا ناخن
آمدِ فصلِ لالہ کاری ہے

قبلۂ مقصدِ نگاہِ نیاز
پھر وہی پردۂ عماری ہے

قطعہ

چشم دلالِ جنسِ رسوائی
دل خریدارِ ذوقِ خواری ہے

وہی صد رنگ نالہ فرسائی
وہی صد گونہ اشک باری ہے

دل ہوائے خرامِ ناز سے پھر
محشرستانِ بیقراری ہے

جلوہ پھر عرضِ ناز کرتا ہے
روزِ بازارِ جاں سپاری ہے

پھر اسی بے وفا پہ مرتے ہیں
پھر وہی زندگی ہماری ہے

قطعہ

پھر کھلا ہے درِ عدالتِ ناز
گرم بازارِ فوجداری ہے

ہو رہا ہے جہان میں اندھیر
زلف کی پھر سرشتہ داری ہے

پھر دیا پارۂ جگر نے سوال
ایک فریاد و آہ و زاری ہے

پھر ہوئے ہیں گواہِ عشق طلب
اشک باری کا حکم جاری ہے

دل و مژگاں کا جو مقدمہ تھا
آج پھر اس کی روبکاری ہے

بے خودی بے سبب نہیں غالب
کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

ظاہر ہے طرزِ قید سے صیّاد کی غرض — جو دانہ دام میں ہے سو اشکِ کباب ہے

حیراں ہوں دامنِ مژہ کیوں جھاڑتا نہیں — خطِ صفحۂ عذار پہ گردِ کتاب ہے

جوں نخلِ ماتم ابر سے مطلب نہیں مجھے — رنگِ سیاہ نیل غبارِ سحاب ہے

ممکن نہیں کہ سو دلِ خوباں میں کارگر — تاثیرِ جستنِ اشک سے نقش بر آب ہے

دیکھ اے اسد بدیدۂ باطن کہ ظاہرا
ہر ایک ذرہ غیرتِ صد آفتاب ہے

۱۵۵

بے خود بسکہ خاطرِ بیتاب ہو گئی — مژگانِ واکشادہ رگِ خواب ہو گئی

موجِ تبسم از لبِ آلودۂ مسی — آئینہ دارِ تیغِ سیہ تاب ہو گئی

رخسارِ صاف نے جو دیے جلوہ ہائے نور — زلفِ پری نشاں شبِ مہتاب ہو گئی

یک لمحہ انتظار کی طاقت نہ لا سکی — اے جانِ برلب آمدہ بیتاب ہو گئی

غالب زبسکہ سوکھ گئے اشک چشم میں
آنسو کی بوند، گوہرِ نایاب ہو گئی

۱۵۶

ہجومِ غم سے یاں تک سرنگونی مجھ کو حاصل ہے — کہ تارِ دامن و تارِ نظر میں فرق مشکل ہے

ہوا ہے مانعِ عاشق نوازی نازِ خود بینی — تکلف برطرف آئینۂ تمیز حائل ہے

بسیلِ اشک لختِ دل ہے دامن گیر مژگاں کا — غریقِ بحر جویائے خس و خاشاکِ ساحل ہے

بہا ہے یاں تک اشکوں میں غبارِ کلفتِ خاطر

کہ چشمِ تر میں ہر یک پارۂ دل پائے در گل ہے

نکلتی ہے تپش میں بسملوں کی برق کی شوخی　　　زبس دل میں خیالِ گرمیِ اندازِ قاتل ہے

~~اسد وہ گل کہ جس گلستاں میں جلوہ فرمائی~~

وہ گل جس گلستاں میں جلوہ فرمائی کرے غالبؔ[1]

چٹکنا غنچۂ گل کا صدائے خندۂ دل ہے

۱۵۸/۶

جنوں رسوائیِ وارستگی زنجیر بہتر ہے　　　بقیدِ مصلحت دلبستگی تدبیر بہتر ہے

خوشا خود بینی و تدبیر و غفلت نقد اندیشی　　　بدین عجز اگر بدنامیِ تقدیر بہتر ہے

درونِ جوہرِ آئینہ جوں برگِ حنا خوں ہے　　　بتاں نقشِ خود آرائی حیا تعمیر بہتر ہے

دلِ آگاہ تسکیں خیزِ بیدردی نہو یارب　　　نفس آئینہ دارِ آہِ بے تاثیر بہتر ہے

خدایا چشم تا دل درد ہے افسونِ آگاہی　　　نگہ حیرت سوادِ خوابِ بے تعبیر بہتر ہے

تمنا ہے اسد قتلِ رقیب اور شکر کا سجدہ[2]

دعائے دل بمحرابِ خمِ شمشیر بہتر ہے

۱۵۹/۶

مژہ پہلوئے چشم اے جلوۂ ادراک باقی ہے　　　ہوا وہ شعلہ داغ اور شوخیِ خاشاک باقی ہے

چمن میں کچھ نہ چھوڑا تو نے غیر از بیضۂ قمری　　　عدم میں بہر فرقِ سرو مشتِ خاک باقی ہے

گداز سعیِ بینش شستہ و شوئے نقشِ خود کامی　　　سراپا شبنم آئینِ یک نگاہِ پاک باقی ہے

ہوا ترکِ لباسِ زعفرانی دلکشا، لیکن　　　ہنوز آفت نسب یک خندہ یعنی چاک باقی ہے

چمن زارِ تمنا در خزاں پیچیدہ ہے لیکن　　　بہارِ نیم رنگِ آہِ حسرت ناک باقی ہے

نہ حیرت چشمِ ساقی کی نہ صحبت دورِ ساغر کی

مری محفل میں غالب

~~اسد محفل میں میری~~ گردشِ افلاک باقی ہے

۱۶۰/۷

خموشیوں میں تماشا ادا نکلتی ہے — نگاہ دل سے تری سرمہ سا نکلتی ہے

بحلقۂ خمِ گیسو ہے راستی آموز — دہانِ[2] مار سے گویا صبا نکلتی ہے

برنگِ شیشہ ہوں یک گوشۂ دلِ خالی — کبھی پری مری خلوت میں آ نکلتی ہے

بہار شوخ و چمن تنگ و رنگِ گل دلچسپ — نسیم باغ سے پا در حنا نکلتی ہے

نہ پوچھ سینۂ عاشق سے آبِ تیغِ نگاہ — کہ زخمِ روزنِ در سے ہوا نکلتی ہے

فشارِ تنگیِ صحبت سے آتی ہے شبنم — صبا جو غنچے کی خلوت میں جا نکلتی ہے

اسد کو حسرتِ عرضِ نیاز تھی دمِ قتل

ہنوز یک سخنِ بے صدا نکلتی ہے

۱۶۱/۵

زبسکہ مشقِ تماشا جنوں علامت ہے — [4] کشاد و بستِ مژہ سیلیِ ندامت ہے

بہ پیچ و تابِ ہوس سلکِ عافیت مت توڑ — نگاہِ خفتہ سر رشتۂ سلامت ہے

وفا مقابل و دعوائے عشق بے بنیاد — جنونِ ساختہ و فصلِ گل قیامت ہے

نجانوں کیوں کہ مٹے داغِ طعنِ بدعہدی — تجھے کہ آئینہ بھی ورطۂ ملامت ہے

اسد بہارِ تماشائے گلستانِ حیات

وصالِ لالہ عذارانِ سرو قامت ہے

۱۶۲/۷

ترجبیں رکھتی ہے شرمِ قطرہ سامانی مجھے — موجِ گردابِ حیا ہے چینِ پیشانی مجھے

شبنم آسا کو مجالِ سبحہ گردانی مجھے — ہے شعاعِ مہر زنارِ سلیمانی مجھے

بلبلِ تصویر ہوں بیتابِ اظہارِ تپش

کون ہوتا ہے حریف مئے مرد افگن عشق
ہے مکرر لب ساقی پہ صلا میرے بعد

ھ ۱

جنبشِ نالِ قلم جوشِ پرافشانی مجھے

حسرتے اے ضبط سوزش حیرتِ اظہارِ حال — داغ ہے مُہرِ دہن جوں چشم قربانی مجھے

شوخ ہے مثلِ حباب از پوست بیروں آمدن — ہے گریباں گیرِ فرصت ذوقِ عریانی مجھے

وا کیا ہرگز نہ ظالم عقدۂ تارِ نفس — ناخنِ بُرّیدہ ہے تیغِ صفاہانی مجھے

ہوں ہیولائے دو عالم صورتِ تقریر اسد

فکر نے سونپی خموشی کی گریبانی مجھے

لعل خاں بتاریخ اول صفر ۱۲۳۵ھ در ماہ ... ۸

ھ ۲

۱۶۳/۵

ہم زباں آیا نظر فکرِ سخن میں تو مجھے — مردمک ہے طوطیِ آئینۂ زانو مجھے

پابدامن ہو رہا ہوں بسکہ میں صحرا نورد — خارِ پا ہیں جوہرِ آئینۂ زانو مجھے

چاہیئے درمانِ ریشِ دل بھی تیغِ یار سے — مرہمِ زنگار ہے وہ وسمۂ ابرو مجھے

یادِ مژگاں ہیں بہ نشتر زارِ صحرائے خیال — چاہیے وقتِ تپش یکدست صد پہلو مجھے

کثرتِ جور و ستم سے ہو گیا ہوں بے دماغ

خوبرویاں نے اسد آخر کیا بدخو مجھے

ھ ۳

۱۶۴/۵

باعثِ واماندگی ہے عمرِ فرصت جو مجھے — کردیا ہے پا بزنجیرِ رمِ آہو مجھے

خاکِ فرصت بر سرِ ذوقِ فنائے انتظار — ہے غبارِ شیشۂ ساعت رمِ آہو مجھے

اضطرابِ عمرِ بے مطلب نہیں آخر کہ ہے

جستجوے فرصتِ ربطِ سر و زانو مجھے

فرصتِ آرامِ غش ہستی ہے بحرانِ عدم — ہے شکستِ رنگِ امکاں گردشِ پہلو مجھے

محوِ ایماے فنا ہے، فرصتِ پیری اسد

قامتِ خم سے ہے حاصل شوخیِ ابرو مجھے

۱۶۵

یاد ہے شادی میں عقدِ نالۂ یارب مجھے — سبحۂ زاہد ہوا ہے خندہ زیرِ لب مجھے

ہے کشادِ خاطرِ وابستہ، در رہنِ سخن — تھا طلسمِ قفلِ ابجد خانۂ مکتب مجھے

صبح ناپیدا ہے کلفت خانۂ ادبار میں — توڑنا ہوتا ہے رنگِ یک نفس ہر شب مجھے

شوخیِ طالع سے ہوں ذوقِ معاصی میں اسیر — نامۂ اعمال ہے تاریکیِ کوکب مجھے

دردِ ناپیدا و بے جا تہمتِ وارستگی — پردہ دار یادگی ہے وسعتِ مشرب مجھے

طبع ہے مشتاقِ لذت ہاے حسرت اے اسد

آرزو سے ہے شکستِ آرزو مطلب مجھے

ص

۱۶۶

کاوشِ دزدِ حنا پوشیدہ افسوں ہے مجھے — ناخنِ انگشتِ خوباں نعلِ وارژوں ہے مجھے

ریشۂ شہرت دوانیدن ہے، رفتن زیرِ خاک — خنجرِ جلاد برگِ بیدِ مجنوں ہے مجھے

ہو گئے ہم یکدگر جوشِ پریشانی سے جمع — گردشِ جامِ تمنا دورِ گردوں ہے مجھے

حسرت اے آغاز و انجام سیہ شامِ شباب

ماہ کی مانند کاہش روز افزوں ہے مجھے

غنچگی ہے بر نفس پیچیدنِ فکر اے اسد
وا شگفتن ہائے دل در رہنِ مضموں ہے مجھے

۴

۱۶۸ دیکھ تری خوئے گرم دل بطپش رام ہے — طائرِ سیماب کو شعلہ رگِ دام ہے
شوخیٔ چشمِ حبیب فتنۂ ایام ہے — قسمتِ بختِ رقیب گردشِ صد جام ہے
جلوۂ بینش پناہ بخشے ہے ذوقِ نگاہ — کعبہ کسوت سیاہ مردمک احرام ہے
کو نفس و چہ غبار جرأت عجز آشکار — در تپش آبادِ شوق، سرمہ صدا نام ہے
عظمتِ افسردگی، تہمتِ تمکیں نہ ہو — اے ہمہ خواب گراں، حوصلہ بدنام ہے
بزم وداعِ نظر یاس طرب نامہ بر — فرصتِ رقصِ شرر بوسہ بہ پیغام ہے

گریۂ طوفاں رکاب نالۂ محشر عناں
بے سروساماں اسد فتنہ سرانجام ہے

۴

۱۶۹ بسکہ سودائے خیالِ زلف وحشت ناک ہے — تا دلِ شب آبنوسی شانہ آسا چاک ہے
یاں فلاخن بازکس کا نالۂ بیباک ہے — جادہ تا کہسار موئے چینیٔ افلاک ہے
ہے دو عالم تا زنیت صیدِ رشتۂ دلدل سوار — یاں خطر پر کارِ ہستی حلقۂ فتراک ہے

خلوتِ بال و پرِ قمری میں وا کر راہِ شوق　　　جادۂ گلشن، بہ رنگِ ریشہ زیرِ خاک ہے

عیش گرمِ اضطراب و اہلِ غفلت سرد مہر　　　دورِ ساغر، یک گلستاں برگِ ریزِ تاک ہے

عرضِ وحشت پر ہے نازِ ناتوانی ہائے دل　　　شعلۂ بے پردہ چینِ دامنِ خاشاک ہے

ہے کمندِ موجِ گل آشفتہ فتراکی، اسد
رنگ، یاں جیسے سوارِ توسنِ چالاک ہے

م

۱۸۱۷

چشمِ خوباں، مے فروشِ نشتہ زارِ ناز ہے　　　سرمہ گویا، دودِ موجِ شعلہ آواز ہے

نقشِ صد سطرِ تبسم ہے، بر آبِ زیرِ کاہ　　　حسن کا خط پر، نہاں خندیدنی انداز ہے

ہے صریرِ خامہ ریزش ہائے استقبالِ ناز　　　نامہ خود پیغام کو بال و پرِ پرواز ہے

سر نوشتِ اضطراب انجامیِ الفت نپوچھ　　　نالِ خامہ خار در پیراہنِ آغاز ہے

نالۂ دل نغمہ ریزاں ہے بمضرابِ خیال　　　رشتہ جا یاں نوا سامانِ بندِ ساز ہے

شرم ہے، وضعِ تاملِ انتخابِ یک نگاہ　　　اضطرابِ چشم بر پا دوختہ غماز ہے

شوخیِ اظہار کو، جز وحشتِ مجنوں اسد
بسکہ لیلائے سخن محمل نشینِ راز ہے

م

۱۷۱ بسکہ حیرت سے زپا افتادۂ زنہار ہے | ناخنِ انگشت تبخالِ لبِ بیمار ہے
زلف سے شب درمیاں دادن نہیں قدرت دریغ | ورنہ محشر ہا بہ رہنِ صافیِ رخسار ہے
در خیال آبادِ سودائے سرِ مژگانِ دوست | صد رگِ جاں جادۂ صحرائے نشتر زار ہے
بسکہ ویرانی سے کفر و دیں ہوئے زیر و زبر | گردِ صحرائے حرم در کوچۂ زنار ہے
اے سرِ شوریدہ ساماں عشق و پاسِ آبرو | یک طرف سودا و یک سو منتِ دستار ہے
وصل میں دل انتظارِ طرفہ رکھتا ہے مگر | بہرِ تاراجِ تمنا، فتنۂ درکار ہے

خانماں ہا پائمالِ شوخیِ دعویٰ اسد
سایۂ دیوار، سیلابِ در و دیوار ہے

۱۷۲ کوہ کے ہوں بارِ خاطر، گر صدا ہو جائیے | بے تکلف اے شرارِ جستہ کیا ہو جائیے
یاد رکھیے نازہائے رفتۂ دل بردگی | آشیانِ طائرِ رنگِ حنا ہو جائیے
بیضہ آسا ننگِ بال و پر ہے (یہ) کنجِ قفس | از سرِ نو زندگی ہو گر رہا ہو جائیے
داد از دستِ جفائے صدمۂ ضرب المثل | گر ہمہ افتادگی جوں نقشِ پا ہو جائیے
لطفِ عشقِ ہر یک اندازِ دگر دکھلائے گا | بے تکلف یک نگاہِ آشنا ہو جائیے
از دلِ ہر دردمندے جوشِ بیتابی زدن | اے ہمہ بے مدعائی، یک دعا ہو جائیے

وسعتِ مشربِ نیازِ کلفتِ وحشت اسد
یک بیاباں سایۂ بالِ ہما ہو جائیے

۱۷۳

کوشش ہمہ بیتابِ ترددشکنی ہے — صد جنبشِ دل یک مژہ برہم زدنی ہے
آئینہ و شانہ ہمہ دست و ہمہ زانو — اے حسن مگر حسرتِ پیماں شکنی ہے
رامش گرِ اربابِ فنا نالۂ اسپند — عیشِ ابد از خویش بروں تاختنی ہے
گو حوصلہ پامردِ تغافل نہیں لیکن — خاموشیِ عاشق گلہ کم سخنی ہے
دی لطفِ ہوائے جنوں طرفہ نزاکت — تا آبلہ پروازِ تنک پیرہنی ہے
ازبسکہ ہے محوِ چمن تکیہ زدن ہا — گلبرگ پہ بالشِ سرو چمنی ہے

فریادِ اسد بے نگہی ہائے بتاں سے
سچ کہتے ہیں واللہ کہ اللہ غنی ہے

۱۷۴

کاشانۂ ہستی کہ برانداختنی ہے — یاں سوختنی چارہ گرِ ساختنی ہے
ہے شعلۂ شمشیرِ فنا حوصلہ افگار — اے داغِ تمنا سپر انداختنی ہے
جز خاک بسر کردن بے فائدہ حاصل — ہر چند بمیدانِ ہوس تاختنی ہے
اے بے ثمراں حاصلِ تکلیفِ دمیدن — گردن بتماشائے گل افراختنی ہے

ہے سادگیِ ذہن، تمنائے تماشا
جائے کہ اسد رنگِ چمن باختنی ہے

۱۷۵

حکمِ بیتابی نہیں اور آرمیدن منع ہے — باوجودِ مشقِ وحشت ہا رمیدن منع ہے
شرمِ آئینہ تراشِ جبہۂ طوفاں ہا — آب گردیدن روا لیکن چکیدن منع ہے

بے خودی فرماں روائے حیرت آبادِ جنوں | زخم دوزی جرم و پیراہن دریدن منع ہے
مژدۂ دیدار سے رسوائیِ اظہار دور | آج کی شب چشمِ کوکب تک پریدن منع ہے
بیمِ طبعِ نازکِ خوباں سے وقتِ سیرِ باغ | ریشۂ زیرِ زمیں کو بھی دویدن منع ہے
یار معذورِ تغافل ہے عزیزاں شگفتنے | نالۂ بلبل بگوشِ گل شنیدن منع ہے

مانعِ بادہ کشی ناداں ہے، لیکن اے اسد
بے ولائے ساقیِ کوثر کشیدن منع ہے

۱۷۷/۶ ۴
چارسوئے عشق میں صاحب دوکانی مفت ہے | نقد ہے داغِ دل، اور آتش زبانی مفت ہے
زخمِ دل پر باندھیے حلوائے مغزِ استخواں | تندرستی فائدہ، اور ناتوانی مفت ہے
نقدِ انجم تا کجا از کیسہ بیروں ریختن | یعنی اے پیرِ فلک، تمامِ جوانی مفت ہے
گر نہیں پاتا درونِ خانہ ہر بیگانہ جا | بر درِ نکشودۂ دل پاسبانی مفت ہے
چونکہ بالائے ہوس پر ہر قبا کوتاہ ہے | بر ہوس ہائے جہاں دامن فشانی مفت ہے

مال و جاہ و دست و پا بے زر خریدہ ہیں اسد
پس بہ ہائے دگر راحت رسانی مفت ہے

۱۷۸/۷
بیتابیِ یادِ دوست، ہمرنگِ تسلی ہے | غافل بہ نقشِ مجنوں محمل کشِ لیلی ہے
کلفت کشیِ ہستی، بدنامِ دورنگی ہے | یاں تیرگیِ ایام، خالِ رخِ زنگی ہے
دیدن ہمہ بالیدن، کردن ہمہ افسردن | خوشتر ز گل و غنچہ چشم و دلِ ساقی ہے

وہمِ تپشِ ہستی ایجادِ سیہ مستی — تسکیں دہِ صد محفل، یک ساغرِ خالی ہے
زندانِ تحمل ہیں مہمانِ تغافل ہیں — بے فائدہ یاروں کو فرقِ غم و شادی ہے
ہووے نہ غبارِ دل تسلیم زمیں گیراں — مغرور نہ ہو ناداں سرنا سرِ گیتی ہے
ہوں وقتِ سخن گوئی ہر صورت اسد معذور
یاں زورقِ خودداری طوفانیِ معنی ہے

۱۷۹/۵
گلشن کو تری صحبت از بسکہ خوش آئی ہے[1] — غنچوں کے شگفتن میں آغوش کشائی ہے
از بسکہ سکھاتا ہے غم ضبط کے اندازے — داغوں کا نظر آنا خود چشم نمائی ہے
آئینہ نفس سے ہو حیران کدورت ہا — یاں جوشِ غبارِ دل سامانِ صفائی ہے
ہنگامِ تصور ہوں دریوزہ گرِ بوسہ — یہ کاسۂ زانو ہے یا جامِ گدائی ہے
وہ دیکھ کے حسن اپنا مغرور ہوا غالب[2]
صد جلوۂ آئینہ یک صبحِ جدائی ہے

۱۸۰/۲
دریوزۂ ساماں ہا اے بے سر و سامانی — ایجادِ گریباں ہا در پردۂ عریانی
تمثالِ تماشا ہا، اقبالِ تمنا ہا — عجز نے عرقِ شرمے اے آینہ حیرانی
دعوائے جنوں باطل تسلیم عبث حاصل — پروازِ فنا مشکل میں عجزِ تن آسانی
بیگانگیِ خوہا، موجِ رمِ آہو ہا — دامِ گلۂ الفت، زنجیرِ پشیمانی
پروازِ تپش رنگی، گلزارِ ہمہ تنگی — خوں ہو قفسِ دل میں اے سعیِ پر افشانی
سنگ آمد و سخت آمد دردِ سرِ خودداری — معذورِ سبکساری، مجبورِ گراں جانی

گلزارِ تمنّا ہوں گلچینِ تماشا کو

صد نالہ اسد بلبل در بندِ زباں دانی

۱۸۱/۵

نظر بہ نقصِ گدایاں کمال بے ادبی ہے ۔ کہ خارِ خشک کو بھی دعویِ چمن نسبی ہے

ہوا وصال سے شوقِ دلِ حریص زیاد ۔ لبِ قدح پہ کفِ بادہ جوشِ تشنہ لبی ہے

خوشا خیالِ کسانے کہ محوِ بے خبری ہیں ۔ حصولِ یاس و الم رزقِ مدّعا طلبی ہے

چمن میں کس کی یہ برہم ہوئی ہے بزمِ تماشا ۔ کہ برگِ لالہ و گل شیشہ ریزہ حلبی ہے

اسد کو کیوں نہ ہو امیدِ لطفِ بندہ نوازی

علی ولیِ اسد اللہ جانشینِ نبی ہے

۱۸۲/۶

دلا غلط ہے تمنائے خاطر افروزی ۔ کہ بوسۂ لبِ میگوں میں ہے گلو سوزی

طلسمِ آئینہ زانوئے فکرِ خود بینی ۔ ہنوز حسن کو ہے سعیِ جلوہ افروزی

ہوئی ہے سوزشِ دل بسکہ داغِ بے اثری ۔ اُگے ہے دودِ جگر سے شبِ سیہ روزی

بہ پر فشانیِ پروانہ چراغِ مزار ۔ کہ بعدِ مرگ بھی ہے لذتِ جگر سوزی

تپش تو کیا، نہ ہوئی مشقِ یک پر افشاندن رہا ہیں ضعف سے شرمندۂ نو آموزی
اسد ہمیشہ پئے کفشِ پائے سیم تناں
شعارِ مہر سے کرتا ہے چرخ زر دوزی

۱۸۴/۶ خبر نگہ کو نگہ چشم کو عدو جانے وہ جلوہ کر کہ نہ میں جانوں اور نہ تو جانے
نفس بہ نالہ رقیب و نگہ بہ اشک عدو زیادہ اس سے گرفتار ہوں کہ تو جانے
تپش ہے شرم بقدرِ چکیدنِ عرقے مباد حوصلہ معذورِ جستجو جانے
جنوں فسردۂ تمکیں ہے، کاش عہدِ وفا گدازِ حوصلہ کو پاسِ آبرو جانے
زباں سے عرضِ تمنائے خامشی معلوم مگر وہ خانہ بر اندازِ گفتگو جانے
مسیح کشتۂ الفت بجز علی خاں ہے
کہ جو اسد تپشِ نبضِ آرزو جانے

۴

۱۸۵/۸ اگر گل حسن و الفت کی بہم جوشیدنی جانے پرِ بلبل کے افسردن کو دامن چیدنی جانے
فسونِ حسن سے ہے شوخیِ گل گو نہ آرائی بہار اُس کی کفِ مشاطہ میں بالیدنی جانے
نوائے بلبل و گل، پاسبانِ بے دماغی ہا بیک مژگانِ خوباں صد چمن خوابیدنی جانے
زہے شب زندہ دارِ انتظارستاں کہ وحشت سے

مژہ در پیچکِ ہر سوزن آسا چیدنی جانے

خوشا شوقے کہ جوشِ حیرتِ اندازِ قاتل سے — نگہ شمشیر میں جوں جوہر آرامیدنی جانے

جفا شوخ و ہوس گستاخ مطلب ہے، مگر عاشق — نفس در قالبِ خشتِ لحد دزدیدنی جانے

نوائے طائرانِ آشیاں گم کردہ آتی ہے — تماشا ہے کہ رنگِ رفتہ برگردیدنی جانے

اسد جاں نذرِ الطافے کہ ہنگامِ ہم آغوشی

زبانِ ہر سرِ مو حالِ دل پرسیدنی جانے

ص

۱۸۶

گلستاں یک تماشا پیش پا افتادہ مضموں ہے — اگر باندھے کفِ پا پر حنا آئینہ موزوں ہے

بہارِ گل، دماغِ نشۂ ایجادِ مجنوں ہے — ہجومِ برق سے چرخ و زمیں یک قطرۂ خوں ہے

رجوعِ گریہ سوئے دل خوشا سرمایۂ طوفاں — برانگشتِ حبابِ اشک ناخن نعلِ وارژوں ہے

عدم وحشت سراغ و ہستی آئین بندِ ویرانی — دماغِ دو جہاں پر سنبل و گل یک شبیخوں ہے

تماشا ہے علاجِ بے دماغی ہائے دل غافل — سویدا مردمِ چشمِ پریِ نظارہ افسوں ہے

فنا کرتی ہے زائل سرنوشتِ کلفت اظہاری — سحر از بہرِ شستِ و شوئے داغِ ماہ صابوں ہے

اسد ہے آج مژگانِ تماشا کی حنا بندی

چراغانِ نگاہ و شوخیِ اشکِ جگر گوں ہے

ھ

۱۸۷/۶

صبح سے معلوم آثارِ ظہورِ شام ہے — غافلاں آغازِ کار آئینۂ انجام ہے

بسکہ صیاداں براہِ عشق ہیں صرفِ کمیں — جادۂ رہ سر بسر مژگانِ چشمِ دام ہے

بسکہ تیرے جلوۂ دیدار کا ہے اشتیاق — ہر بُتِ خورشید طلعت آفتابِ بام ہے

مستعدِ قتلِ یک عالم ہے جلادِ فلک — کہکشاں موجِ شفق میں تیغِ خوں آشام ہے

کیا کمالِ عشق نقص آبادِ گیتی میں ملے — پختگی ہائے تصور یاں خیالِ خام ہے

ہو جہاں وہ ساقیِ خورشید رو مجلس فروز

واں اسد تارِ شعاعِ مہر خطِ جام ہے

۱۸۸/۶

دیکھتا ہوں وحشتِ شوقِ خروش آمادہ سے — فالِ رسوائی، سرشکِ سر بصحرا دادہ سے

دام گر سبزے میں پنہاں کیجیے طاؤس ہو — جوشِ نیرنگِ بہارِ عرضِ صحرا دادہ سے

پا ترابِ سیلِ طوفانِ صدائے آب ہے — نقشِ پا جو کان میں کھینچے ہے انگلی جادہ سے

بزمِ مے وحشت کدہ ہے کس کی چشمِ مست کا — شیشے میں نبضِ پری پنہاں ہے موجِ بادہ سے

خیمۂ لیلیٰ سیاہ و خانۂ مجنوں خراب — جوشِ ویرانی ہے عشقِ داغ بیروں دادہ سے

~~بزمِ ہستی وہ تماشا گاہ ہے جس کو اسد~~

بزمِ ہستی وہ تماشا ہے کہ غالب ہم جسے

دیکھتے ہیں چشمِ از خوابِ عدم نکشادہ سے

۱۸۹/۷ اے خیالِ وصل نادر ہے مے آشامی تری

پختگی ہائے کباب دل ہوئی خامی تری

چھا گیا فرطِ صفا سے زلف کا اعضا میں عکس | ہے نزاکت جلوہ اے ظالم سیہ فامی تری

تجھ کو اے غفلت نسب پروائے مشتاقاں کہاں | یاں نگاہ آلودہ ہے دستارِ بادامی تری

برگ ریزی ہائے گل ہے وضعِ زرافشاندنی | باج لیتی ہے گلستاں سے گل اندامی تری

بسکہ ہے عبرت ادیب یادگیہائے ہوس | میرے کام آئی دلِ مایوس ناکامی تری

ہم نشینیِ رقیباں گرچہ ہے سامانِ رشک | لیکن اُس سے ناگوارا تر ہے بدنامی تری

سر بزانوے کرم رکھتی ہے شرمِ ناکسی

اے اسد بے جا نہیں ہے غفلت آرامی تری

۱۹۰/۵ چشمِ گریاں بسملِ شوقِ بہارِ دید ہے | اشک ریزی عرضِ بالِ افشانیِ امید ہے

دامنِ گردوں میں رہ جاتا ہے ہنگامِ وداع | گوہرِ شب تابِ اشکِ دیدۂ خورشید ہے

رتبۂ تسلیم خلعت مشربانِ فردوس زیب ہے | چشمِ قربانی گلِ شاخِ ہلالِ عید ہے

کچھ نہیں حاصل تعلق میں بغیر از سوز و ساز | اے خوشا رندے کہ شمعِ خلوتِ تجرید ہے

کثرتِ اندوہ سے حیران و مضطر ہے اسد

یا علیؑ وقتِ عنایاتِ دمِ تائید ہے

۱۹۱/۶ وہ مژہ برآہ روبانیدن از دل تیز ہے | یہ زمیں مثلِ نیستاں سخت ناوک خیز ہے

تیشۂ فولاد و دست و بازوئے فرہاد کیا — بے ستوں خوابِ گرانِ خسرو پرویز ہے

نرگسیں چشماں کے کھائے ہیں بس تیرِ نگاہ — پردۂ بادام یک غربالِ حسرت بیز ہے

خوں چکاں ہے جادہ مانندِ رگِ سودائیاں — سبزۂ صحرائے الفت نشترِ خوں ریز ہے

ہے بہارِ تیز رو گلگونِ نکہت پر سوار — یک شکستہ رنگِ گل صد جنبشِ مہمیز ہے

عارضِ گل دیکھ روئے یار یاد آیا اسد

جوششِ فصلِ بہاری اشتیاق انگیز ہے

١٩٢ / ٨

نظر پرستی و بیکاریِ خود آرائی — رقیبِ آئینہ ہے حیرتِ تماشائی

ز خود گذشتنِ دل کاروانِ حیرت ہے — نگہ غبارِ ادب گاہِ جلوہ فرمائی

بچشم در شدہ مژگاں ہے شوخیِ رگِ خواب — نہ پوچھ نازکیِ وحشتِ شکیبائی

نہیں ہے حوصلہ پامردِ کثرتِ تکلیف — جنونِ ساختہ حرزِ فسونِ دانائی

خرابِ نالۂ بلبل شہیدِ خندۂ گل — ہنوز دعویِ تمکین و بیمِ رسوائی

شکستِ سازِ خیال آنسوئے دل افتادن — ہنوز نالہ پر افشانِ ذوقِ رعنائی

ہزار قافلۂ آرزو بیابانِ مرگ — ہنوز محملِ حسرت بدوشِ خود رائی

وداعِ حوصلہ توفیقِ شکوۂ عجز وفا

اسد ہنوز گمانِ غرورِ مرزائی

١٩٣ / ٩ گدائے طاقتِ تقریر ہے زباں تجھ سے ۴

کہ خامشی کو ہے پیرایۂ بیاں تجھ سے

فسردگی میں ہے فریادِ بیدلاں تجھ سے
چراغِ صبح و گلِ موسمِ خزاں تجھ سے

بہارِ حیرتِ نظّارہ سخت جانی ہے
حنائے پائے اجل خونِ کشتگاں تجھ سے

پری بشیشہ و عکسِ رخ اندر آئینہ
نگاہِ حیرتِ مشّاطہ خوں فشاں تجھ سے

طراوتِ سحر ایجادیِ اثر یک سو
بہارِ نالہ و رنگینیِ فغاں تجھ سے

چمن چمن گلِ آئینہ در کنارِ ہوس
امید محوِ تماشائے گلستاں تجھ سے

نیاز پردۂ اظہارِ خود پرستی ہے
جبینِ سجدہ فشاں تجھ سے آستاں تجھ سے

بہانہ جوئیِ رحمت کمیں گرِ تقریب
وفائے حوصلہ و رنجِ امتحاں تجھ سے

اسد موسمِ گل در طلسمِ کنجِ قفس
خرام تجھ سے صبا تجھ سے گلستاں تجھ سے

۱۹۵ / ۱۱

شکلِ طاؤس گرفتار بنایا ہے مجھے
ہوں وہ گلدام کہ سبزے میں چھپایا ہے مجھے

پرِ طاؤس تماشا نظر آیا ہے مجھے
ایک دل تھا کہ بصد چشم دکھایا ہے مجھے

عکسِ خط تا سخنِ ناصحِ دانا سرسبز
آئنہ بیضۂ طوطی نظر آیا ہے مجھے

سنبلستانِ جنوں ہوں ستمِ نسبتِ زلف
موکشاں خانۂ زنجیر میں لایا ہے مجھے

گرد بادِ آئینۂ محشرِ خاکِ مجنوں
یک بیاباں دلِ بیتاب اٹھایا ہے مجھے

حیرتِ کاغذِ آتش زدہ ہے جلوۂ عمر
ڈھونڈھ خاکسترِ صد آئینہ پایا ہے مجھے

لالہ و گل بہم آئینۂ اخلاقِ بہار

ہوں میں وہ داغ کہ پھولوں میں بسایا ہے مجھے

درد اظہارِ تپش کسوتیِ گل معلوم
ہوں میں وہ چاک کہ کانٹوں سے سلایا ہے مجھے

جامِ ہر ذرہ ہے سرشارِ تمنا مجھ سے
کس کا دل ہوں کہ دو عالم سے لگایا ہے مجھے

بے دماغِ تپش و عجز دو عالم فریاد
ہوں میں وہ خاک کہ ماتم میں اُڑایا ہے مجھے

جوشِ فریاد سے لوں گا دیتِ خواب اسد
شوخیِ نغمۂ بیدل نے جگایا ہے مجھے

۱۹۶/۹ باغ تجھ بن گلِ نرگس سے ڈراتا ہے مجھے ۴
چاہوں گر سیرِ چمن آنکھ دکھاتا ہے مجھے

ماہِ نو ہوں کہ فلک عجز سکھاتا ہے مجھے
عمر بھر ایک ہی پہلو پہ سُلاتا ہے مجھے

نالہ سرمایۂ یک عالم و عالم کفِ خاک
آسماں بیضۂ قُمری نظر آتا ہے مجھے

جوہرِ تیغ بسر چشمۂ دیگر معلوم
ہوں میں وہ سبزہ کہ زہراب اُگاتا ہے مجھے

مدعا محوِ تماشائے شکستِ دل ہے
آئنہ خانے میں کھینچے لیے جاتا ہے مجھے

شورِ تمثال ہے کس رشکِ چمن کا یارب
آئنہ بیضۂ بلبل نظر آتا ہے مجھے

عبرت آئنہ انجام جنوں ہوں جوں شمع
کس قدر داغِ جگر شعلہ اُٹھاتا ہے مجھے

میں ہوں اور حسرتِ جاوید، نگہ ذوقِ خیال
بفسونِ نگہ ناز ستاتا ہے مجھے

حیرتِ فکرِ سخن ساز سلامت ہے اسد
دل پسِ زانوئے آئینہ بٹھاتا ہے مجھے

۱۹۷/۷ قتلِ عشاق نہ غفلت کشِ تدبیر آوے ۴
یارب آئینہ بطاقِ خمِ شمشیر آوے

بالِ طاؤس ہے رعنائیِ ضعفِ پرواز
کون ہے داغ کہ شعلے کا عناں گیر آوے

عرضِ حیرانیِ بیمارِ محبت معلوم عیسیٰ آخر بکفِ آئینہ تصویر آوے
ذوقِ راحت اگر احرامِ تپش ہو جوں شمع پائے خوابیدہ بدل جوئیِ شبگیر آوے
اُس بیاباں میں گرفتارِ جنوں ہوں کہ جہاں موجۂ ریگ سے دل پائے بزنجیر آوے
وہ گرفتارِ خرابی ہوں کہ جُوں فوارہ سیلِ صیاد کمیں خانۂ تعمیر آوے

سرِ معنی بگریبانِ شقِ خامہ اسد
چاکِ دل شانہ کشِ طرۂ تحریر آوے

۱۹۸/۱۱

تشنۂ خونِ تماشا جو وہ پانی مانگے آئنہ چشمکِ اندازِ روانی مانگے
رنگ سے گل نے دمِ عرضِ پریشانیِ بزم برگِ گل ریزۂ مینا کی نشانی مانگے
زلف تحریر پریشانِ تقاضا ہے مگر شانہ ساں مو بزباں خامۂ مانی مانگے
آمدِ خط ہے نہ کر خندۂ شیریں کہ مباد چشمِ مور آئنۂ دل نگرانی مانگے
ہوں گرفتارِ کمیں گاہِ تغافل کہ جہاں خوابِ صیاد سے پرواز گرانی مانگے
چشمِ پرواز و نفس خفتہ، مگر ضعفِ امید شہپرِ کاہ پئے مژدہ رسانی مانگے
تو وہ افسوں کہ نجیرش کو تماشا جانے دل وہ افسانہ کہ آشفتہ بیانی مانگے
وحشتِ شورِ تماشا ہے کہ جوں نکہتِ گل نمکِ زخمِ جگر، بال فشانی مانگے
نقشِ نازِ بتِ طناز بآغوشِ رقیب پائے طاؤس پئے خامۂ مانی مانگے
وہ تبِ عشق تمنا ہے کہ جوں رشتۂ شمع شعلہ تا نبضِ جگر ریشہ دوانی مانگے

گر ملے حضرتِ بیدل کا خطِ لوحِ مزار
اسد آئینۂ پردازِ معانی مانگے

۱۹۹/۸

~~ہر قدم دوریٔ منزل ہے نمایاں مجھ سے~~ ~~میری رفتار سے بھاگے ہے بیاباں مجھ سے~~[1]

خوابِ جمعیتِ مخمل ہے پریشاں مجھ سے
رگِ بستر کو ملی شوخیِ مژگاں مجھ سے

کنجِ تاریک و کمیں گیریِ اختر شمری
عینکِ چشم ہوا روزنِ زنداں مجھ سے

غمِ عشاق نہ ہو سادگی آموزِ بتاں
آرزو خانۂ آئینہ ہے ویراں مجھ سے

بستنِ عہدِ محبت ہمہ نادانی تھا
چشمِ نکشودہ رہا عقدۂ پیماں مجھ سے

آتش افروزیِ یک شعلۂ ایما تجھ سے
چشمک آرائیِ یک شہرِ خموشاں مجھ سے[2]

اے تسلی، ہوسِ وعدہ فریب افشاں ہے
ورنہ کیا ہو نہ سکے نالہ بساماں مجھ سے

اے اسد دسترسِ وصلِ تمنا معلوم
کاش ہو قدرتِ برچیدنِ داماں مجھ سے

۲۰۰/۷

فرصتِ آئینہ، صد رنگِ خود آرائی ہے
روز و شب یک کفِ افسوسِ تماشائی ہے

شرمِ طوفانِ خزاں رنگِ طرب گاہِ بہار
گلِ مہتاب بکف چشمِ تماشائی ہے

وحشتِ زخمِ وفا دیکھ کہ سرتاسرِ دل
بخیہ جوں جوہرِ تیغ آفت گیرائی ہے

شمع آسا چہ سرِ دعویٰ و کو پائے ثبات
گلِ صد شعلہ بیک جیب شکیبائی ہے

نالۂ خونیں ورق و دل گلِ مضمونِ شفق
چمن آرائے نفسِ وحشتِ تنہائی ہے

بوئے گل فتنۂ بیدار و چمن جامۂ خواب
وصل ہر رنگ تپش کسوتِ رسوائی ہے

باغِ خاموشیِ دل ہے سخنِ عشق اسد
نفسِ سوختہ رمزِ چمن ایمائی ہے

۲۰۱

داغِ پشتِ دستِ عجز، شعلہ خس بدنداں ہے — اے ہوس عرق ہا، کارِ عشق آساں ہے

کارگاہِ ہستی میں لالہ داغ ساماں ہے — برقِ خرمنِ راحت، خونِ گرمِ دہقاں ہے

حیرت چکیدنہا، خونبہائے دیدن ہا — رنگِ گل کے پردے میں آئنہ پرافشاں ہے

عشق کے تغافل سے ہرزہ گرد ہے عالم — روئے شش جہت آفاق پشتِ چشمِ زنداں ہے

غنچہ تا شگفتن ہا، برگِ عافیت معلوم — باوجودِ دل جمعی خوابِ گل پریشاں ہے

گل بکوہ از لالہ، بزم سازِ بے تابی — مثلِ دودِ مجمر ہا، داغ بال افشاں ہے

اے کرم نہ ہو غافل ورنہ عشق ہے بیدل — از گہر صدف خالی پشتِ چشمِ نیساں ہے

جو بزلت کی تقریبیں چھپا ہے خاموشی

ہند میں اسد نالاں، نالہ در صفاہاں ہے

۲۰۲

گریہ سرشاریِ شوق بہ بیاباں زدہ ہے — قطرۂ خونِ جگر چشمکِ طوفاں زدہ ہے

گریہ بے لذتِ کاوش نہ ہو جرأت کشِ شوق — قطرۂ اشکِ دل برصفِ مژگاں زدہ ہے

نقش، رنگینیِ سعیِ قلمِ مانی ہے — بکمرِ دامنِ صد رنگ گلستاں زدہ ہے

بے تماشا نہیں جمعیتِ چشمِ بسمل — مژدہ فالِ دو جہاں خوابِ پریشاں زدہ ہے

وسعتِ آئینہ دو پرواز عدم تا ہستی — یک شرربالِ دل و دیدۂ چراغاں زدہ ہے

درسِ نیرنگ ہے کس عرضِ نگہ کا یارب — غنچہ صد آئنہ زانوئے گلستاں زدہ ہے

سازِ وحشت رقمی ہا کہ بہ اظہارِ اسد

دشت در ریگ آئینہ صفحہ افشاں زدہ ہے

۲۰۴/۷

خوابِ غفلت بہ کمیں گاہِ نظر پنہاں ہے ۴ شام سایہ میں بہ تاراجِ سحر پنہاں ہے

دو جہاں گردشِ یک سبحۂ اظہارِ نیاز نقدِ صد دل بہ گریبانِ سحر پنہاں ہے

خلوتِ دل میں نہ کر دخل بجز سجدۂ شوق آستاں میں صفتِ آئنہ در پنہاں ہے

فکرِ پرواز جنوں ہے سببِ ضبط نہ پوچھ اشک جوں بیضۂ مژگاں تہِ پر پنہاں ہے

ہوش لے برزہ سرا تہمتِ بیدردی چند نالہ در گردِ تمنائے اثر پنہاں ہے

وہمِ غفلت مگر احرامِ فسردن باندھے ورنہ ہر سنگ کے سینے میں شرر پنہاں ہے

دردِ وحشت اسد آئینۂ اظہارِ نشاط
خندۂ گل بہ لبِ زخمِ جگر پنہاں ہے

۲۰۵/۷

دامانِ دل بوہمِ تماشا نہ کھینچیے ۵ اے مدعی خجالتِ بے جا نہ کھینچیے

گل چشمکِ اشارۂ جیبِ دریدہ ہے نازِ بہار جز بہ تقاضا نہ کھینچیے

گر صفحہ کو نہ دیجیے پردازِ سادگی جز خطِ عجز، نقشِ تمنا نہ کھینچیے

حیرت حجابِ جلوہ و وحشت غبارِ راہ پائے نظر بدامنِ صحرا نہ کھینچیے

واماندگی بہانہ و دل بستگی فریب دردِ طلب بہ آبلۂ پا نہ کھینچیے

دیدارِ دوستانِ لباسی ہے ناگوار صورت بکارخانۂ دیبا نہ کھینچیے

ہے بے خمار نشۂ خونِ جگر اسد
دستِ ہوس بگردنِ مینا نہ کھینچیے

۲۰۶/۷

تا چند نازِ مسجد و میخانہ کھینچیے ۵ جوں شمع، دل بخلوتِ جانانہ کھینچیے

بہزاد نقشِ یک دلِ صد چاک عرض کر گر زلفِ یار کھینچ نہ سکے شانہ کھینچیے

شوریدگی کے ہاتھ سے سر ہے وبالِ دوش
صحرا میں اے خدا کوئی دیوار بھی نہیں

راحت کمینِ شوخیِ تقریبِ نالہ ہے | پاے نظر بہ دامنِ افسانہ کھینچیے
زلفِ پری بسلسلۂ آرزو رسا | یک عمر دامنِ دلِ دیوانہ کھینچیے
پروازِ آشیانۂ عنقاے ناز ہے | بالِ پری بوحشتِ بیجانہ کھینچیے
یعنی دماغِ غفلتِ ساقی رسیدہ تر | خمیازۂ خمار سے پیمانہ کھینچیے

ہے ذوقِ گریہ عزمِ سفر کیجیے اسد
رختِ جنونِ سیل بہ ویرانہ کھینچیے

۲۰۷/۷
کرتا ہے گل، جنونِ تماشا کہیں جسے | ۴ گلدستۂ نگاہ، سویدا کہیں جسے
ہے انتظار سے شرر آبادِ رستخیز | مژگانِ کوہکن رگِ خارا کہیں جسے
کس فرصتِ وصال پہ ہے گل کو اے خدا | زخمِ فراق، خندۂ بیجا کہیں جسے
ہے تار و پودِ فرشِ تبسم بہ بزمِ عیش | صبحِ بہار، پنبۂ مینا کہیں جسے
پھونکا ہے کس نے گوشِ محبت میں اے خدا | افسونِ انتظار، تمنا کہیں جسے
سر پر ہجومِ دردِ غریبی سے ڈالیے | وہ ایک مشتِ خاک کہ صحرا کہیں جسے

ہے چشمِ تر میں حسرتِ دیدار سے اسد
شوقِ عناں گسیختہ، دریا کہیں جسے

۲۰۸/۷
منت کشی میں حوصلہ بے اختیار ہے | ۴ دامانِ صد کفن تہِ سنگِ مزار ہے
عبرت طلب ہے حلِ معماے آگہی | شبنم گدازِ آئینۂ اعتبار ہے
ہے ذرہ ذرہ تنگیِ جا سے غبارِ شوق | گر دام یہ ہے وسعتِ صحرا شکار ہے
خجلت کشِ وفا سے شکایت نہ چاہیے | اے بے حیا طلسمِ عرق بے غبار ہے

کس کا سراغ جلوہ ہے حیرت کو اے خدا — آئینہ فرشِ شش جہتِ انتظار ہے
چھڑکے ہے شبنم آئینۂ برگِ گل پہ آب — اے عندلیب وقتِ وداعِ بہار ہے

کیفیتِ ہجومِ تمنا رسا اسد
خمیازہ ساغرِ مے رنجِ خمار ہے

۲۰۹/۵

مستی بذوقِ غفلتِ ساقی ہلاک ہے — موجِ شراب یک مژہ خوابناک ہے
کلفت طلسمِ جلوۂ کیفیتِ دگر — زنگار بستہ آئینہ یک برگِ تاک ہے
ہے عرضِ جوہرِ خط و خالِ ہزار عکس — لیکن ہنوز دامنِ آئینہ پاک ہے
ہوں خلوتِ فسردگیِ انتظار میں — وہ بے دماغ، جس کو تمنا تپاک ہے

جوشِ جنوں سے کچھ نظر آتا نہیں اسد
صحرا ہماری آنکھ میں یک مشتِ خاک ہے

۲۱۰/۵

حسن بے پروا خریدارِ متاعِ جلوہ ہے — آئنہ زانوے فکرِ اختراعِ جلوہ ہے
عجزِ دیدنہا بناز و نازِ رفتنہا بچشم — جادۂ صحراے آگاہی شعاعِ جلوہ ہے
اختلافِ رنگ و بو طرحِ بہارِ بے خودی — صلحِ کل گردِ ادب گاہِ نزاعِ جلوہ ہے
تا کجا اے آگہی رنگِ تماشا باختن[۲] — چشمِ وا گردیدہ آغوشِ وداعِ جلوہ ہے

حسنِ خوباں بسکہ بے قدرِ تماشا ہے اسد
آئنہ یک دستِ ردِ امتناعِ جلوہ ہے

۲۱۱/۶

خود فروشی ہاے ہستی بسکہ جاے خندہ ہے — ہر شکستِ قیمتِ دلہا صداے خندہ ہے
شوخیِ اظہارِ دنداں ہا براے خندہ ہے — دعویِ جمعیتِ احباب، جاے خندہ ہے
ہیں عدم میں غنچہ ہا عبرت کشِ انجامِ گل — یک جہاں زانو تأمل در قفاے خندہ ہے
عیشِ بیتابی خرامِ کلفتِ افسردگی — عرضِ دنداں در دلِ افشردن بناے خندہ ہے
نقشِ عبرت در نظر یا نقدِ عشرت در بساط

دو جہاں وسعت بقدرِ یک فضائے خندہ ہے

جائے استہزا ہے عشرت کوشیِ ہستی اسد
صبح و شبنم فرصتِ نشو و نمائے خندہ ہے

۲۱۲/ے
شوخیِ مضراب جولاں آبیارِ نغمہ ہے — برگ ریزِ ناخنِ مطرب بہارِ نغمہ ہے
کس سے اے غفلت تجھے تعبیر آگاہی ملے — گوش ہا بیتابی و دل بیقرارِ نغمہ ہے
سازِ عیشِ بیدلی ہے خانہ ویرانی مجھے — سیل یاں کوکِ صدائے آبشارِ نغمہ ہے
شُنبلی خواں ہے بذوقِ تارِ گیسوئے دراز — نالۂ زنجیرِ مجنوں ریشہ دارِ نغمہ ہے
نشہ ہا شادابِ رنگ و ساز ہا مستِ طرب — شیشۂ مے سروِ سبزِ جوئبارِ نغمہ ہے
شوخیِ فریاد سے ہے پردۂ زنبورِ گل — کسوتِ ایجادِ بلبل خارِ خارِ نغمہ[ا] ہے

غفلت استعداد ذوق و مدعا غافل اسد
پنبۂ گوشِ حریفاں پود و تارِ نغمہ ہے

۲۱۳/ے
نشۂ مے بے چمن دودِ چراغِ کشتہ ہے — جام داغِ شعلہ اندودِ چراغِ کشتہ ہے
رحم کر ظالم[ا] کہ کیا بودِ چراغِ کشتہ ہے — نبضِ بیمارِ وفا دودِ چراغِ کشتہ ہے
داغِ بمدیگر ہیں اہلِ باغ، گر گل ہو شہید — لالہ چشمِ حسرت آلودِ چراغِ کشتہ ہے
شور ہے کس بزم کی عرضِ جراحت خانہ کا — صبح یک زخمِ نمک سودِ چراغِ کشتہ ہے
نامرادِ جلوۂ دو رہر رنگ حسرت گل کرے — لالہ داغِ شعلہ فرسودِ چراغِ کشتہ ہے

ہو جہاں تیرا دماغِ خوے نازک نیم مست — خوابِ نازِ گلرخاں دودِ چراغِ کشتہ ہے

ہے دلِ افسردہ داغِ آرزوے شوخ اسد

شعلہ آخر فالِ مقصودِ چراغِ کشتہ ہے

۲۱۴/۷

عبارت بسکہ تجھ سے گرمیِ بازارِ بستر ہے — فروغِ شمعِ بالیں طالعِ بیدارِ بستر ہے

بذوقِ شوخیِ اعضا تکلف بارِ بستر ہے — معافِ پیچ و تابِ کشمکش ہر تارِ بستر ہے

معمائے تکلف سربمہرِ چشم بستن ہا — گدازِ شمعِ محفل پیچشِ طومارِ بستر ہے

مژہ فرشِ رہ و دل ناتوان و آرزو مضطر — بپائے خفتہ سیرِ وادیِ پرخارِ بستر ہے

سرشکِ سربصحرا دادہ نور العینِ داماں ہا — دلِ بے دست و پا افتادہ برخوردارِ بستر ہے

بہ طوفاں گاہِ جوشِ اضطرابِ وحشتِ شبہا — شعاعِ آفتابِ صبحِ محشر تارِ بستر ہے

اسد جوشِ بہارِ دیدۂ بیدار کے صدقے

ہماری دید کو خوابِ زلیخا عارِ بستر ہے

۲۱۵/۵

خطر ہے رشتۂ الفت رگِ گردن نہ ہو جاوے — غرورِ دوستی آفت ہے تو دشمن نہ ہو جاوے

بپاسِ شوخیِ مژگاں سرِ ہر خار سوزن ہے — تبسم برگِ گل کو بخیۂ دامن نہ ہو جاوے

۲۱۶/۴ ش

بھاؤ تاؤ ہے وضع چھوڑے
چاہے کچھ یہ دل نہ توڑے

تقریر کا اس کی حال مت پوچھ
معنی ہیں بہت و لفظ تھوڑے

مژ مژہ کو دل و جگر کو
پیکاں ہی سے عاشق نے پھوڑے

عاشق تو کرے جفا سے کم [illegible]
اندوہ رجعا سے [illegible]

آجائے بام کوئی کب تک
دیوار سے اپنے سر کو پھوڑے

جاتے ہیں رقیب کو تقاضا اس کے
کاغذ کے دوڑتے ہیں گھوڑے

غمخوار کو ہے قسم کہ زنہار
غالب کو نہ تشنہ کام چھوڑے

حیرت زدہ طرب ہے یہ شخص
دم جب [illegible]

ہاں تیرا [illegible] سے اس کے منہ میں
محفل میں [illegible]

عروجِ نشہ ہے یہ تا قدم قدِ چمن رویاں　　بجاے خود وگرنہ سرو بھی میناے خالی ہے

ہوا آئینہ جامِ بادہ، عکسِ روے گلگوں سے　　سوادِ خالِ رخ، داغِ شرابِ پرتگالی ہے

بپاے نامۂ مو طے رہِ وصفِ کمر کیجیے　　کہ تارِ جادۂ سرمنزلِ نازک خیالی ہے

اسد اٹھنا قیامت قامتوں کا وقتِ آرایش

لباسِ نظم میں بالیدنِ مضمونِ عالی ہے

۲۱۹/۸

شبنم بہ گلِ لالہ نہ خالی ز ادا ہے　　داغِ دلِ بیدرد، نظرگاہِ حیا ہے

دل خوں شدۂ کشمکشِ کثرتِ اظہار[1]　　آئینہ بدستِ بتِ بدمستِ حنا ہے

تمثال میں تیری ہے وہ شوخی کہ بصد ذوق　　آئینہ بہ اندازِ گل آغوش کشا ہے

قمری کفِ خاکستر، بلبل قفسِ رنگ　　اے نالہ نشانِ جگرِ سوختہ کیا ہے؟

مجبوری و دعواے گرفتاریِ الفت

دامن[2] تہِ سنگ آمدہ احرامِ وفا ہے

اے پرتوِ خورشیدِ جہاں تاب ادھر بھی　　سائے کی طرح ہم پہ عجب وقت پڑا ہے[3]

سررشتۂ بیتابیِ دل در گرہِ عجز　　پرواز بخوں خفتہ و فریاد رسا ہے[4]

ظاہر ہے اسد حالِ شہیدانِ گذشتہ[5]

تیغِ صنم آئینۂ تصویر نما ہے

۲۲۰/۵

زلفِ سیہ افعی نظرِ بدقلمی ہے　　ہرچند خطِ سبز[6] زمرد رقمی ہے

ہم[7] مشقِ وفا جانتے ہیں لغزشِ پا تک　　اے شمع تجھے دعویِ ثابت قدمی ہے

جراحت دوزیِ عاشق ہے جا ہے رحم ترساں ہوں — کہ رشتہ تارِ اشکِ دیدۂ سوزن نہ ہو جاوے

غضب شرم آفریں ہے رنگ ریزی ہائے خود بینی — سپیدی آئینہ کی پنبۂ روزن نہ ہو جاوے

سمجھ اس فصل میں کوتاہیِ نشو و نما غالبؔ[1]

اگر گل سرو کے قامت (پہ) پیراہن نہ ہو جاوے

۲۱۷ نوائے خفتۂ الفت، اگر بیتاب ہو جاوے — پرِ پروانہ تارِ شمع پر مضراب ہو جاوے

نمک بر داغِ مشک آلودۂ وحشت تماشا ہے — سوادِ دیدۂ آہو شبِ مہتاب ہو جاوے[2]

اگر وحشت عرق افشانِ بے پروا خرامی ہو — بیاضِ دیدۂ آہو کفِ سیلاب ہو جاوے

طراوت جوششِ طوفانِ آبِ گل سے ممکن ہے[3] — کہ ہر یک گرد بادِ گلستاں گرداب ہو جاوے

اثر میں یاں تک اے دستِ دعا دخلِ تصرف کر — کہ سجدہ قبضۂ تیغِ خمِ محراب ہو جاوے

برنگِ گل اگر شیرازہ بندِ بے خودی رہیے — ہزار آشفتگی مجموعۂ یک خواب ہو جاوے

اسد باوصفِ مشقِ بے تکلف خاک گردیدن

غضب ہے گر غبارِ خاطرِ احباب ہو جاوے

۲۱۸ دلِ بیمار، از خود رفتہ تصویرِ نہالی ہے — کہ مژگاں ریشہ دار نیستانِ شیر قالی ہے

سرورِ نشۂ گردش اگر کیفیت افزا ہو — نہاں ہر گرد بادِ دشت میں جامِ سفالی ہے

ہر غنچہ اسدؔ بارگہِ شوکتِ گل ہے
دل فرشِ رہِ ناز ہے بیدل اگر آوے

۲۲۳
۱۱

تحیّر ہے گریباں گیرِ ذوقِ جلوہ پیرائی — ملی ہے جوہرِ آئینہ کو جوں بخیہ گیرائی

نگاہ اس چشم کی افزوں کرے ہے ناتوانائی — پرِ بالش ہے وقتِ دیدِ مژگانِ تماشائی

شکستِ قیمتِ دل آنسوئے عذر شناسائی — طلسمِ ناامیدی ہے خجالت گاہِ پیدائی

پرِ طاؤس ہے نیرنگ داغِ حیرت انشائی — دو عالم دیدۂ بسمل چراغاں جلوہ پیمائی

شرارِ سنگ سے پا در حنا گلگونِ شیریں ہے — ہنوز اے تیشۂ فرہاد عرضِ آتشیں پائی

غرورِ دستِ رد نے شانہ توڑا فرقِ ہُدہُد پر — سلیمانی ہے ننگِ بے دماغانِ خود آرائی

جنوں افسردہ و جاں ناتواں اے جلوہ تکلیفے — گئی یک عمر خودداری بہ استقبالِ رعنائی

جنونِ بیکسی ساغرکشِ داغِ پلنگ آیا — شررِ کیفیتِ مے سنگ عرضِ نازِ مینائی

خدایا خوں ہو رنگِ امتیاز و نالہ موزوں ہو — جنوں کو سخت بیتابی ہے تکلیفِ شکیبائی

نگاہِ عبرت افسوں گاہ برق و گاہ مشعل ہے — ہوا ہر جلوت و خلوت سے حاصل فنِ تنہائی

خراباتِ جنوں میں ہے اسد وقتِ قدح نوشی
بہ عشقِ ساقیِ کوثر، بہارِ بادہ پیمائی

۲۲۴
۹

غم و عشرت قدم بوسِ دلِ تسلیم آئیں ہے — دعائے مدعا گم کردگانِ عشق، آمیں ہے

تماشا ہے کہ ناموسِ وفا رسوائی آئیں ہے — نفس تیری گلی میں خوں ہو اور بازار رنگیں ہے

لبِ عیسیٰ کی جنبش کرتی ہے گہوارہ جنبانی — قیامت کشتۂ لعلِ بتاں کی خواب سنگیں ہے

ہمارا دیکھنا گر ننگ ہے سیرِ گلستاں کو

ہے عرضِ شکستِ آئینہ، جرأتِ عاشق — جز آہ، کہ سرلشکرِ وحشت علمی ہے
واماندۂ شوقِ طربِ وصل نہیں ہوں — اے حسرتِ بسیار تمنا کی کمی ہے

وہ پردہ نشیں اور اسد آئینۂ اظہار
شہرت چمنِ فتنہ و عنقا ارمی ہے

۲۲۱/۵

اُس قامتِ رعنا کی جہاں جلوہ گری ہے — [۲] تسلیم فروشی روشِ کبکِ دری ہے
شرمندۂ الفت ہوں سدا واطلبی سے — ہر قطرۂ شربت مجھے اشکِ شکری ہے
سرمایۂ وحشت ہے دلا سایۂ گلزار — ہر سبزۂ نوخاستہ یاں بالِ پری ہے
روشن ہوئی یہ بات دمِ نزع کہ آخر — فانوسِ کفن بہرِ چراغِ سحری ہے

~~آئے ہیں اسد ہم رہِ اقلیم عدم سے~~
ہم آئے ہیں غالب رہِ اقلیم عدم سے [۳]
یہ تیرگیِ حال لباسِ سفری ہے

۲۲۲/۹

تا چند نفس غفلتِ ہستی سے بر آوے — قاصد تپشِ نالہ ہے یارب خبر آوے
ہے طاقِ فراموشیِ سوداے دو عالم — وہ سنگ کہ گلدستۂ جوشِ شرر آوے
درد آئینۂ کیفیتِ صد رنگ ہے یارب — خمیازۂ طرب ساغرِ زخمِ جگر آوے
تمثالِ بتاں گر نہ رکھے پنبۂ مرہم — آئینہ بعریانیِ داغِ جگر آوے
جمعیتِ آوارگیِ دید نہ پوچھو — دل تا مژۂ آغوشِ وداعِ نظر آوے
زاہد کہ جنوں سبحۂ تحقیق ہے یارب — زنجیریِ صد حلقۂ بیرونِ در آوے
اے ہرزہ دریِ وحشتِ تمکینِ جنوں کھینچ — تا آبلہ محمل کشِ موجِ گہر آوے
وہ تشنۂ سرشارِ تمنا ہوں کہ جس کو — ہر ذرہ بکیفیتِ ساغر نظر آوے

شرارِ آہ سے موجِ صبا دامانِ گلچیں ہے

پیامِ تعزیت پیدا ہے اندازِ عیادت سے
شبِ ماتم تر دامانِ دودِ شمعِ بالیں ہے

بیابانِ فنا ہے بعد صحرائے طلب تازی
پسینا توسنِ ہمّت کا سیلِ خانہ زیں ہے[۱]

بہارِ باغ پامالِ خرامِ جلوہ فرمایاں
حنا سے دست و خونِ کشتگاں سے تیغ رنگیں ہے

نہیں ہے سرنوشتِ عشق غیر از بے دماغی ہا
جبیں پر میری مدِّ خامۂ قدرت خطِ چیں ہے

اسد جز حسن منّت ناگوارا[۲] ہے طبیعت پر
کشادِ عقدۂ محوِ ناخنِ دستِ نگاریں ہے

۲۲۵/۵

محوِ آرامیدگی سامانِ بیتابی کرے
چشم میں توڑے نمکدانِ ناشکر خوابی کرے

آرزوئے خانہ آبادی نے ویراں تر کیا
کیا کروں گر سایۂ دیوار سیلابی کرے

نغمہ ہا وابستۂ یک عقدۂ تارِ نفس
ناخنِ مشکل کشا[۳] لاؤں کہ مضرابی کرے

زخم ہائے کہنہ برجا ماندۂ خوں مردگی[۴]
اے خوشا گر آبِ تیغِ یار تیزابی کرے

گر سحر دود جلوہ ریزِ بے نقابی ہو اسد
رنگِ رخسارِ گلِ خورشید مہتابی کرے[۵]

۲۲۶/۷

اے خوشا وقتے کہ ساقی یک خمستاں وا کرے
تار و پودِ فرشِ محفل پنبۂ مینا کرے

گر تبِ آسودۂ مژگانِ تصرّف وا کرے
رشتۂ پا شوخیِ بالِ نفس پیدا کرے

گر دکھاؤں صفحۂ بے نقشِ رنگِ رفتہ، آہ[۶]
دستِ ردّ سطرِ تبسّم یک قلم انشا کرے

جوشِ اندازِ شہیدانِ نفس دزدیدہ ہو
نوحۂ ماتم بآوازِ پرِ عنقا کرے

ہو تنور ستان طلسمِ حلقۂ گرداب ہا[۷]

عکس گر طوفانیِ آئینۂ دریا کرے

یک دریدۂ شفقت بستۂ دورِ شش جہت حسرتستاں ہے خیالِ خانہ ویراں کیا کرے

ناتوانی سے نہیں سر در گریبانی اسد
جملہ تن ہوں یک خمِ تسلیم جو آقا کرے

۲۲۷

چاک کی خواہش اگر وحشت بعریانی کرے صبح کے مانند زخمِ دل گریبانی کرے

بتکدہ گر چشمِ مستِ یار سے پائے شکست موئے شیشہ دیدۂ ساغر کی مژگانی کرے

خطِ عارض سے لکھا ہے زلف کو الفت نے عہد یک قلم منظور ہے جو کچھ پریشانی کرے

ہاتھ پر گر ہاتھ مارے یار وقتِ قہقہہ کرمکِ شب تاب آسا مہ پر افشانی کرے

وقت اس افتادہ کا خوش جو قناعت سے اسد
نقشِ پائے مور کو تختِ سلیمانی کرے

۲۲۸

بہ نقصِ ظاہری رنگِ کمالِ طبع پنہاں ہے کہ ہر مدعائے دل زبانِ لال زنداں ہے

خموشی خانہ زادِ چشم بے پروا نگاہاں ہے غبارِ سرمہ یاں گردِ سوادِ گرستاں ہے

صفائے اشک میں داغِ جگر آئینہ پرتو ہے پرِ طاؤس برقِ ابرِ چشمِ اشکباراں ہے

بوئے زلفِ مشک افشاں میں ہم افزونِ آشفتن کہ شاخِ آہوان دودِ چراغ آسا پریشاں ہے

تکلف برطرف ہے جانستاں تر لطفِ بدخویاں نگاہِ بے حجابِ ناز تیغِ تیزِ عریاں ہے

اسد بہ فرطِ غم نے کی تلف کیفیتِ شادی
کہ صبحِ عید مجھ کو بدتر از چاکِ گریباں ہے

۲۲۹

جہاں زندانِ موجِ ناں دلہا سے پریشاں ہے طلسمِ شش جہت یک حلقۂ گردابِ طوفاں ہے

نہیں ہے مزدِ صاحب دلاں جز کسبِ جمعیت سویدا میں نفس مانندِ خطِ در نقطہ پنہاں ہے

غبارِ دشت وحشت سرمہ سازِ انتظار آیا کہ چشمِ آبلہ میں طولِ میلِ راہ مژگاں ہے

۲۳۰

کیا تنگ ہم ستم زدگاں کا جہان ہے
جس میں کہ ایک بیضۂ مور آسمان ہے

ہے کائنات کو حرکت تیرے ذوق سے
پرتو سے آفتاب کے ذرے میں جان ہے

کی اس نے گرم سینۂ اہلِ ہوس میں جا
آوے نہ کیوں پسند کہ ٹھنڈا مکان ہے

ہے بارے اعتمادِ وفاداری اس قدر
ہم بھی اسی میں خوش ہیں کہ نامہربان ہے

بیٹھا ہے جو کہ سایۂ دیوارِ یار میں
فرماں روائے کشورِ ہندوستان ہے

کیا خوب تم نے غیر کو بوسہ نہیں دیا
بس چپ رہو ہمارے بھی منہ میں زبان ہے

دلی میں رہنے والے اسد کو ستاؤ مت
بیچارہ چند روز کا یہ میہمان ہے

بازیچۂ اطفال ہے دنیا مرے آگے
ہوتا ہے شب و روز تماشا مرے آگے

طرازِ خانۂ محمل ہے بر دوشِ رمِ آہو
ز وحشت ہائے مجنوں شوخیِ لیلیٰ نمایاں ہے

نقابِ یار ہے غفلت نگاہی ہائے بینندہ
ز خود پوشیدنیہا پردۂ تصویرِ عریاں ہے

اسد بندِ قبائے غنچۂ گلزار سامانی
اگر ہوئے شگفتن جوشِ یک عالم گلستاں ہے

۲۳۱
ہجومِ نالہ حیرت عاجزِ عرضِ یک افغاں ہے
خموشی ریشۂ صد نیستاں سے خس بدنداں ہے

کجا مے، کو عرق، سعیِ عروجِ نشۂ رنگیں تر
خطِ رخسارِ ساقی تا خطِ ساغر چراغاں ہے

رہا بے قدر دل در پردۂ جوشِ ظہور آخر
گل و نرگس ہم آئینہ در اقلیمِ کوراں ہے

تکلف سازِ رسوائی ہے، غافل شرمِ رعنائی
دلِ خوں گشتہ در دستِ حنا آلودہ عریاں ہے

تماشا سرخوشِ غفلت ہے، با وصفِ حضورِ دل
ہنوز آئینہ خلوت گاہِ نازِ ربطِ مژگاں ہے

تکلف برطرف، ذوقِ زلیخا جمع کر ورنہ
پریشاں خوابِ آغوشِ وداعِ یوسفستاں ہے

اسد جمعیتِ دل در کنارِ بیخودی خوشتر
دو عالم آگہی سامانِ یک خوابِ پریشاں ہے

۲۳۲
تغافل مشربی سے ناتمامی بسکہ پیدا ہے
نگاہِ مست در چشمِ تماشا، زنّارِ مینا ہے

تصرف وحشیوں میں ہے تصور ہائے مجنوں کا
سوادِ چشمِ آہو عکسِ خالِ روئے لیلا ہے

محبت طرزِ پیوندِ نہالِ دوستی جانے
دویدن ریشہ ساں مفتِ رگِ خوابِ زلیخا ہے

کیا یکسر گدازِ دل نیازِ جوششِ حسرت
سویدا نسخۂ تہ بندیِ داغِ تمنا ہے

نہیں ہوتا پریدن جلوہ رنگ از فرطِ خوں ریزی
حنائے پنجۂ صیاد، مرغِ رشتہ برپا ہے

اسد گردانۂ دُرِّ نجف تعویذِ بازو ہو
غریقِ بحر جوں تمثالِ در آئینہ رہتا ہے

۲۳۳
اثر سوزِ محبت کا قیامت بے محابا ہے
کہ رگ سے سنگ میں تخمِ شرر کا ریشہ پیدا ہے

نہاں ہے گوہرِ مقصود جیبِ خود شناسی میں
کہ یاں غواص ہے تمثال اور آئینہ دریا ہے

عزیزاں گرچہ بہلاتے ہیں ذکرِ وصل سے لیکن
مجھے افسونِ خواب افسانۂ خوابِ زلیخا ہے

نفس تو بہرِ تسکینِ طپیدن ہائے طفلِ دل
بیادِ رنگ ہائے رفتہ گلچینِ تماشا ہے

بسعیِ غیر ہے قطعِ لباسِ خانہ بربادان
کہ تارِ جادۂ رہ رشتۂ دامانِ صحرا ہے

اسد شب ہائے تاریکِ فراقِ شعلہ رویاں میں
چراغِ خانۂ دل سوزشِ داغِ تمنا ہے

۲۳۴
بہ بزمِ مے پرستی حسرتِ حلیف بیجا ہے
کہ یاں کف بر لبِ پیمانہ از جوشِ تقاضا ہے

نشاطِ دیدۂ بینا ہے کو خواب و چہ بیداری
بہم آوردہ مژگاں بوسۂ جیبِ تماشا ہے

نہ لائی شوخیِ اندیشہ تابِ رنجِ نومیدی
کفِ افسوس سودن عہدِ تجدیدِ تمنا ہے

نگہ معمارِ حسرت ہا، چہ آبادی چہ ویرانی
کہ مژگاں جس طرف وا ہو بکف دامانِ صحرا ہے

نہ ہو گر جوشِ اشک آئینۂ در آبلہ خفتن
بجولاں گاہِ مطلب ہا نگاہِ عاجزاں پا ہے

بہ سختی ہائے قیدِ زندگی معلوم آزادی
شرر در بندِ دامِ رشتۂ در رگہائے خارا ہے

اسد یاسِ تمنا سے عبث امیدِ آزادی
کدازِ آرزوہا آبیارِ آرزوہا ہے

۲۳۵/۴
بہ پروردن ہا سراپا لطف گستر سایہ ہے
پنجۂ مژگاں بطفلِ اشک دستِ دایہ ہے

فصلِ گل میں دیدۂ خونیں نگاہانِ جنوں
دولتِ نظارۂ گل سے شفق سرمایہ ہے

شورشِ باطن سے یاں تک مجھ کو غفلت ہے کہ آہ
شیونِ دل جوں سرودِ خانۂ ہمسایہ ہے

اے اسد آباد ہے مجھ سے جہانِ شاعری
خامہ میرا تختِ سلطانِ سخن کا پایہ ہے

۲۳۶/۵
وہ نہا کر آبِ گل سے سایۂ گل کے تلے
بال کس گرمی سے سکھلاتا تھا سنبل کے تلے

کثرتِ جوشِ سویدا سے نہیں تل کی جگہ | خال کب مشاطہ دے سکتی ہے کاکل کے تلے
بسکہ خوباں باغ کو دیتے ہیں وقتِ مے شکست | بال اُگ جاتا ہے شیشے کا رگِ گل کے تلے
ہے پرافشاندن طپیدن ہا بہ تکلیفِ ہوس | ورنہ صد گلزار ہے یک بالِ بلبل کے تلے

پے بہ مقصد بُردنی ہے خضر سے اے اسد
جادۂ منزل ہے خطِ ساغرِ مُل کے تلے

۲۳۷
جوہرِ آئینہ ساں مژگاں بدل آسودہ ہے | قطرۂ اشکِ ترا دیدہ، نگاہ آلودہ ہے
در طلسمِ عاجزی اے اضطرابِ آرام کو | پرفشانی ہا فریبِ خاطرِ آسودہ ہے
اے ہوس عرضِ بساطِ نازِ مشتاقاں نہ پوچھ | جوں پرِ طاؤس چندیں داغ مشک اندودہ ہے
ہے ریا کا رتبہ بالاتر تصور کردنی | تیرگیِ داغ سے مہ بیم مس اندودہ ہے
ہے سوادِ خط پریشاں موئی ماتم زدہ | خامہ میرا شمعِ قبرِ کشتگاں کا دودہ ہے
پنبۂ مینا سے شیشے رکھ لو تم اپنے کان میں | مے پریشاں، ناصحِ بے حرفہ گو بیہودہ ہے

کثرتِ انشائے مضمونِ تحیر سے اسد
ہر سرِ انگشت نوکِ خامۂ فرسودہ ہے

۲۳۸ / ۵
بہارِ تعزیت آبادِ عشق ماتم ہے | کہ تیغِ یار ہلالِ مہِ محرم ہے
بہ ہن ضبط ہے آئینہ بندیِ گوہر | وگرنہ بحر میں ہر قطرہ چشمِ پُرنم ہے
چمن میں کون ہے طرز آفرینِ رنگِ نیاز | کہ گل ہے بلبلِ رنگیں بہ بیضہ شبنم ہے
اگر نہ ہووے رگِ خواب صرفِ شیرازہ

تمام دفترِ ربطِ مزاج درہم ہے

اسد بناز کی طبعِ آرز و انصاف

کہ ایک وہم ضعیف و غمِ دو عالم ہے

۲۳۹ عذارِ یار، نظر بندِ چشمِ گریاں ہے
عجب کہ پرتوِ خور، شمعِ شبنمستاں ہے

زباں بکامِ خموشاں ز فرطِ تلخیِ ضبط
برنگِ پستہ، بہ زہرابِ وادہ پیکاں ہے

قبائے جلوہ نسب ہے لباسِ عریانی
بطرزِ گل رگِ جاں مجھ کو تارِ داماں ہے

لبِ گزیدۂ معشوق ہے دلِ افگار
نشانِ جوہرِ شمشیر، زخمِ دنداں ہے

کشودِ غنچۂ دلہا، عجب نہ رکھ غافل
صبا خرامیِ خوباں، بہار ساماں ہے

فغاں کہ بہرِ شفائے حصولِ ناشدنی
دماغ ناز کشِ منتِ طبیباں ہے

اسد جہاں کہ علی بر سرِ نوازش ہو
کشادِ عقدۂ دشوار کار آساں ہے

۲۴۰ شفق بدعویِ عاشق، گواہِ رنگیں ہے
کہ ماہ دزدِ حنائے کفِ نگاریں ہے

کرے ہے بادہ ترے لب سے کسبِ رنگِ فروغ
خطِ پیالہ، سراسر نگاہِ گلچیں ہے

عیاں ہے پائے حنائی سے پرتوِ خورشید
رکابِ روزنِ دیوارِ خانۂ زیں ہے

جبینِ صبح، امیدِ فسانہ گویاں پر
درازیِ رگِ خوابِ بتاں، خطِ چیں ہے

ہوا نشانِ سوادِ دیارِ حسن عیاں
کہ خط غبارِ زمیں خیزِ زلفِ مشکیں ہے

بجا ہے گر نہ سنے نالہ ہائے بلبلِ زار
کہ گوشِ گل نمِ شبنم سے پنبہ آگیں ہے

نہ پوچھ کچھ سر و سامان و کار و بار اسد

جنوں معاملہ، بیدل، فقیر، مسکیں ہے

۲۴۱ روتا ہوں بسکہ در ہوسِ آرمیدگی جوں گوہر اشک کو ہے فراموش چکیدگی

برخاکِ افتادگیِ کشتگانِ عشق ہے سجدۂ سپاس بہ منزل رسیدگی

انساں نیاز مند ازل ہے کہ جوں کماں مطلب ہے ربط سے رگ و پے کی خمیدگی

بے بسملِ ادائے چمن عارضاں بہار گلشن کو رنگِ گل سے ہے در خوں طپیدگی

دیکھا نہیں ہے ہم نے بعشقِ بتاں اسد

غیر از شکستہ حالی و حسرت کشیدگی

۲۴۲ عاشق نقابِ جلوۂ جانانہ چاہیے فانوسِ شمع کو پرِ پروانہ چاہیے

ہے وصل، ہجر عالمِ تمکین و ضبط میں معشوقِ شوخ و عاشقِ دیوانہ چاہیے

ساقی بہارِ موسمِ گل ہے سرور بخش پیماں سے ہم گزر گئے، پیمانہ چاہیے

دیوانگاں ہیں حاملِ رازِ نہانِ عشق اے بے تمیز گنج بویرانہ چاہیے

جادو ہے طرزِ گفتگوے یار اے اسد

یاں جز فسوں نہیں اگر افسانہ چاہیے

۲۴۳ یوں بعدِ ضبطِ اشک پھرا گرد یار کے

جس طرح پانی پیوے کوئی وار وار کے[۱]

سیماب پشت گرمیِ آئینہ دے ہے ہم — حیراں کیے ہوئے ہیں دلِ بیقرار کے

بعد از وداعِ یار بخوں در طپیدہ ہیں — نقشِ قدم ہیں ہم کفِ پائے نگار کے

ظاہر ہے ہم سے کلفتِ بختِ سیاہ روز — گویا کہ تختہ مشق ہیں خطِ غبار کے

حسرت سے دیکھ رہتے ہیں ہم آب و رنگِ گل — مانندِ شبنم اشک ہیں مژگانِ خار کے

طرزِ گلِ شگفتہ کنارِ وداع ہے — اے بلبلو چلو کہ چلے دن بہار کے[۲]

ہم مشقِ فکرِ وصل و غمِ ہجر سے اسد
قابل نہیں رہے ہیں غمِ روزگار کے

۲۴۴/۵

بہ فکرِ حیرتِ رم آئنہ پردازِ زانو ہے — کہ مشکِ نافہ تمثالِ سوادِ چشمِ آہو ہے

ترحم میں ستم کوشاں کے ہے سامانِ خوں ریزی — سرشکِ چشمِ یار آبِ دمِ شمشیرِ ابرو ہے

کرے ہے دستِ فرسودِ ہوس تابِ پریدنہا[۳] — پرِ افشاندہ در کنجِ قفس تعویذِ بازو ہے

ہوا چرخِ خمیدہ ناتواں بارِ علائق سے — کہ ظاہر پنجۂ خورشید دستِ زیرِ پہلو ہے

اسد تا کے طبیعت طاقتِ ضبطِ الم لاوے
فغانِ دل بہ پہلو نالۂ بیمارِ بدخو ہے

ہ ۱

۲۴۵/۵ بدست آوردنِ دل، گوہرِ دریاے شاہی ہے — وگرنہ خاتمِ دستِ سلیماں فلسِ ماہی ہے
سخن تاریک طبعوں کا، ہے اظہارِ کثافت ہا[۲ھ] — کہ زنگِ خامۂ فولاد، ماناے سیاہی ہے
خمیدن نشۂ مے میں، ہے شرمِ زشت اعمالی — دماغِ زُہد میں آخر غرورِ بے گناہی ہے
نہیں ہے خالی آرایش سے، بے سامانیِ عاشق — شکستِ جاں، اندازِ آفرینِ کج کلاہی ہے

اسد خوباں بھی دورِ چرخ سے رنجیدۂ خاطر ہیں
گریباں چاکیِ گلہا نشانِ دادخواہی ہے

ہ ۳

۲۴۶/۷ نہ چھوڑو محفلِ عشرت میں جاے مے کشاں خالی — کمیں گاہِ بلا ہے، ہوگیا شیشہ جہاں خالی
نہ دوڑا ریشۂ دیوانگی، صحنِ بیاباں میں — کہ تارِ جادہ سے، ہے سُبحۂ ریگِ رواں خالی
دکانِ ناوکِ تاثیر ہے، از خود تہی ماندن — سراسر عجز ہوکر، خانہ مانندِ کماں خالی
محبت ہے نواسازِ فغاں، درپردۂ دلہا — کرے ہے مغز سے مانندِ نے کے استخواں خالی
عبث ہے خطِ ساغر جلوہ، طوقِ گردنِ قمری — مےِ اُلفت سے ہے میناے سرو بوستاں خالی
نہ بھولو ریزشِ اعدا د کی قطرہ فشانی پر — عزیزاں ہے بہ رنگِ صفر، جامِ آسماں خالی

اسد ہنستے ہیں میرے گریہ ہاے زار پہ مردم

بھرا ہے دہر بیدردی سے دل کیجیے کہاں خالی

۲۴۷/۵ ہوا جب حسن کم، خط بر عذار ساده آتا ہے ۔۔۔ کہ بعد از صافِ مے، ساغر میں دُردِ بادہ آتا ہے

محیطِ دہر میں بالیدن از خود واگذشتن ہے[۱] ۔۔۔ کہ یاں ہر یک حباب آسا شکست آمادہ آتا ہے

نہیں ہے مزرعِ الفت میں حاصل جز تلف گشتن[۲] ۔۔۔ نظر دانہ سرِ شکِ بر زمیں افتادہ آتا ہے

دیارِ عشق میں جاتا ہے جو سوداگری ساماں ۔۔۔ متاعِ زندگانی با بغارت دادہ آتا ہے

اسدؔ وارستگاں باوصفِ ساماں بے تعلق ہیں
صنوبر گلستاں میں بادلِ آزادہ آتا ہے

۲۴۸/۵ نگاہِ سرمہ سا[۳] نے، عرضِ تکلیفِ شرارت کی ۔۔۔ بہ ابروئے[۴] خمِ تیغِ صفاہانی اشارت کی

روانی موجِ مے کی، گر خطِ جام آشنا ہووے ۔۔۔ لکھے کیفیت اُس سطرِ تبسم کی عبارت کی

ہوئی ریزشِ عرق کی جوششِ اسہال ذوبانی[۵] ۔۔۔ تبِ خجلت[۶] نے یہ نبضِ رگِ گل میں حرارت کی

شہِ گل نے کیا جب بندوبستِ گلشن آرائی ۔۔۔ عصائے سبزۂ نرگس کو دی خدمت نظامت کی

زبس نکلا غبارِ دل بوقت اشک خاموشی[۷]
اسدؔ کھائے ہوئے سرمے نے آنکھوں میں بصارت کی

۲۴۹/۵ خدایا، دل کہاں تک دن بصد رنج و تعب کاٹے ۔۔۔ خمِ گیسو ہو شمشیرِ سیہ تاب اور شب کاٹے

کریں گر قدرِ اشکِ دیدۂ عاشق خود آرایاں — صدف دندانِ گوہر سے بہ حسرت اپنے لب کاٹے

ہوے یہ رہروانِ دل خستہ شرمِ نارسائی سے — کہ دستِ آرزو سے یک قلم پاے طلب کاٹے

فغاں بر حالِ رنجورے کہ فرطِ ناتوانی سے — بقدرِ یک نفس جادہ بصد رنج و تعب کاٹے

اسد کو جرأتِ بوسیدنِ پاے چمن رویاں
کہ میں نے دست و پا باہم بشمشیرِ ادب کاٹے

۲۵۰ — تماشاے جہاں مفتِ نظر ہے — کہ یہ گلزار باغِ رہ گزر ہے

جہاں شمعِ خموشی جلوہ گر ہے — پرِ پروانگاں بالِ شرر ہے

بجیبِ اشکِ چشمِ سرمہ آلود — مسی مالیدہ دندانِ گہر ہے

شفق ساں موجۂ خوں ہے رگِ خواب — کہ مژگانِ کشودہ نیشتر ہے

کرے ہے روے روشن آفتابی — غبارِ خطِ رخ گردِ سحر ہے

ہوئی یک عمر صرفِ مشقِ نالہ — اثر موقوف بر عمرِ دگر ہے

اسد ہوں میں پر افشانِ رمیدن
سوادِ شعر در گردِ سفر ہے

۲۵۱ — بسکہ زیرِ خاک با آبِ طراوت راہ ہے — ریشہ سے ہر تخم کا ڈو، اندرونِ چاہ ہے

چشمہ ہائے باغ میں از عکسِ گلہائے سمن — فلسِ ماہی آئنہ پردازِ داغِ ماہ ہے

حسن و رعنائی میں باہم صد سرو گردن ہے فرق — سرو کے قامت پہ گل یک دامنِ کوتاہ ہے

واں سے ہے تکلیفِ عرضِ بے دماغی ہائے دل — یاں صریرِ خامہ مجھ کو نالۂ جانکاہ ہے

اے اسد مایوس مت ہو از درِ شاہِ نجف
صاحبِ دلہا، وکیلِ حضرتِ اللہ ہے

۵۵

۲۵۲ بسکہ چشم از انتظارِ خوش خطاں بے نور ہے — یک قلم شاخِ گلِ نرگس عصائے کور ہے

ہوں تصور ہائے ہمدوشی سے بدمستِ شراب — حیرتِ آغوشِ صافی، ساغرِ بلور ہے

ہے زِ پا افتادگیِ نشۂ بیماری مجھے — در نظر تب خالۂ لب، دانۂ انگور ہے

ہے عجب مُردوں کو غفلت ہائے اہلِ دہر سے — سبزہ جوں انگشتِ حیرت، در دہانِ گور ہے

درد ہے غم آفریں در حسرت آبادِ جہاں — ہائے ماتم خانۂ زادِ نالۂ رنجور ہے

کیا کروں غم ہائے پنہاں لے گئے صبر و قرار — دزد ہو گر خانگی تو پاسباں معذور ہے

ہو جہاں اورنگ آرا جانشینِ مصطفیٰ
واں اسد تختِ سلیماں نقشِ پائے مور ہے

۵٦

۲۵۳ سوختگاں کی خاک میں ریزشِ نقشِ داغ ہے — آئینۂ بساطِ ناز مثلِ گلِ چراغ ہے

لطفِ خمارِ مے کو ہے، در دلِ ہم دگر اثر　　پنبۂ شیشۂ شراب کفِ لبِ ایاغ ہے

صفت صفائے طبع ہے، شوخیِ عرضِ سوختن　　داغِ دلِ سیہ دلاں مردمِ چشمِ زاغ ہے

رنجشِ یار مہرباں، عیش و طرب کا ہے نشاں　　گرد کدورتِ بتاں مثلِ غبار باغ ہے

شعر کی فکر کو اسد چاہیے ہے دل و دماغ

عذر، کہ یہ فسردہ دل بے دل و بے دماغ ہے

تمام شد غزلیات بعونہ تعالیٰ فقط

عنوان صحیفۂ رباعیات

(۱)

اے رونقِ مدّعائے تمکیں مددے　　جان و دلِ خاتم النبیّیں مدد ے

اے قبلہ و قبلہ گاہِ ایماں نظرے　　وے خانہ خدائے کعبۂ دیں مددے

(۲)

لیلیٰ، بہوا عناں سپرد افسوں را　　زنگ است کہ بستہ در گرہ ہاموں را

از بسکہ بعجز میکشد بار رفتا　　دل در بر ناقہ میطپید مجنوں را

(۳)

اے حسن مخور فریب رعنائی ہا　　عشق است و ہزار کار فرمائی ہا
آئینہ مند در آب دارد غافل　　چیزے می خواہد ایں خود آرائی ہا

(۴)

ندرت کشیش بکارگاہِ تحریر　　گر خواب زند نقش بب الد تعبیر
گردد زتحیرّ فسوں پردازی　　بالِ قلمش، نگہ بچشمِ تصویر

(۵)

ایں بادہ کہ از میکدۂ جسم آمد　　پیمانۂ عشرتِ دو عالم آمد
بر چہرۂ نامِ خویش صادے کردم　　یعنی این جا بچشم خواہم آمد

(۶)

گوئی کہ ہنوز جستجو خواہی کرد　　عشقِ بتِ دیگر آرزو خواہی کرد
اے عمر چہ می فریبی از طولِ امل　　با ماکہ وفا کرد کہ تو خواہی کرد؟

(۷)

آں را کہ دلے بہ بیکسی ہم خانہ است　　گلزارِ زمانہ سبزۂ بیگانہ است
با ہمچو منے کہ دوستی دشمنِ اوست　　سگ نیز اگر وفا کند دیوانہ است

(۸)

ہر چند جنوں فسردہ ساماں نبود　　بدمستی و ہوشیاری آساں نبود
گشتند نظر پرست نادانے چند　　غافل کہ نظر پرست ناداں نبود

(۹)

مرد آں کہ بہ وہمِ خود ہراساں نبود — در بندِ طلسمِ نفع و نقصاں نبود
ہمواریِ وضع را، تغافل شرط است — اے مدّعیاں، کریم ناداں نبود

(۱۰)

پیمانۂ بزمِ عیشِ ما گوشِ خود است — صافِ مۓ ما، ترانۂ جوشِ خود است
ہر جا کہ قدم نہیم، آغوشِ خود است — آئینہ مدام، خانہ بر دوشِ خود است

(۱۱)[1]

شاہیم و جنونِ[2] ما ز تمکیں دلتنگ — داریم بہ بحر و بر ز وحشت آہنگ
مرجاں دِرَویم ز ارّۂ پشتِ نہنگ — برکوہ زنیم سکّہ از داغِ پلنگ

(۱۲)

انگورے کز دست انجمن پرداز ی — می ریزی و سُبحۂ خودش می سازی؟
اے محتسب، آخر از خدا می ترسی؟ — بازی بازی بریشِ بابا بازی!

(۱۳)

گفتم کہ اسد؟ گفت: دلِ آشفتۂ من — گفتم نفسش؟ گفت: بجوں خفتۂ من
گفتم: "سخنش، باایں نزاکت گفتن؟" — گفت: "ایں ہمہ مدّعائے ناگفتۂ من"

(۱۴)

ہر چند کہ دوستی میں کامل ہونا — لیکن نہیں[3] یک زباں و یک دل ہونا
میں تجھ سے اور مجھ سے تو پوشیدہ — ہے مفت نگاہ کا مقابل ہونا

(۱۵)

بعد از اتمامِ بزمِ عیدِ اطفال ایّامِ جوانی رہے ساغر کش حال
آ پہنچے ہیں تا سوادِ اقلیمِ عدم اے عمرِ گذشتہ یک قدم استقبال!

(۱۶)

شب زلف و رخِ عرق فشاں کا غم تھا کیا شرح کروں کہ طرفہ تر عالم تھا
رویا میں ہزار آنکھ سے تا بسحر ہر قطرۂ اشکِ چشم، چشمِ نم تھا

۱۷

دل تھا کہ جو جانِ دردِ تمہید سہی بیتابیٔ اشک و حسرتِ دید سہی
ہم اور فسردن اے تجلّی افسوس تکرار روا نہیں تو تجدید سہی

(۱۸)

سامانِ ہزار جستجو، یعنی دل ساغر کشِ خونِ آرزو، یعنی دل
پشت و رخِ آئینہ ہے دین و دنیا منظور ہے دو جہاں سے تو یعنی دل

(۱۹)

اے کاش بتاں کا خنجرِ سینہ شگاف پہلوے حیات سے گذر جاتا صاف
اک تسمہ لگا رہا کہ تار و زے چند ہیتے نہ مشقتِ گدائی سے معاف

(۲۰)

اے کثرتِ فہم بے شمار اندیشہ ہے اصلِ خرد سے شرمسار اندیشہ
یک قطرۂ خون و دعوتِ صد نشتر یک وہم و عبادتِ ہزار اندیشہ

(۲۱)

بے گریہ، کمال تر جبینی ہے مجھے ۔۔۔ در بزمِ وفا، خجل نشینی ہے مجھے
محرومِ صدا رہا، بغیر از یک تار ۔۔۔ ابریشمِ ساز، موئے چینی ہے مجھے

(۲۲)

گر جوہرِ امتیاز ہوتا ہم میں ۔۔۔ رسوا کرتے نہ آپ کو عالم میں
ہیں نقش و نگیں کہیں کہ نقبِ شعور ۔۔۔ یہ چور پڑا ہے خانۂ خاتم میں

(۲۳)

ہے خلق حسد قماش، لڑنے کے لیے ۔۔۔ وحشت کدۂ تلاش، لڑنے کے لیے
جوں کاغذِ باد کو ہوا وجہِ ہوس ۔۔۔ ملتے ہیں یہ بد معاش لڑنے کے لیے

(۲۴) ھ

گلخنِ شرر اہتمام بستر ہے آج ۔۔۔ یعنی تبِ عشق، شعلہ پرور ہے آج
ہوں دردِ ہلاکِ نامہ بر سے بیمار ۔۔۔ قارورہ مرا، خونِ کبوتر ہے آج

تمت تمام شد

تاریخ چہار دہم رجب المرجب یوم سہ شنبہ سنہ ہجری وقت دو پہر روز باقیمانند فقیر بیدل، اسد اللہ خان عرف مرزا نوشہ، متخلص بہ اسد عفی اللہ عنہ، از تحریر دیوان حسرت عنوان خود فراعنت یافتہ، بہ فکرِ کاوشِ مضامینِ دیگر رجوع بجناب روح میرزا علیہ الرحمۃ آورده

آج واں تیغ و کفن باندھے ہوئے جاتا ہوں میں
عذر میرے قتل کرنے میں وہ اب لاویں گے کیا

تصریحات

صفحہ ۵۱

۱؎ اس غزل کے کل ۱۰ اشعار ہیں۔ پانچ دیوان میں ملتے ہیں اور پانچ ق میں اس نسخے کی غزل کا پہلا اور دوسرا شعر دیوان میں موجود ہے اور پانچ یعنی ۲، ۳، ۴، ۶، ۷ ق میں ہیں۔

۲؎ ع : ۱۴۲

۳؎ ع : ۱۱

۴؎ ع : ۱۱ : نفس آتش میں ہے

۵؎ ع : ۱۴۲

صفحہ ۵۳

۱؎ ع : ۱۱ : جو مژہ

۲؎ اس غزل کے پانچ شعر ق میں اور صرف مقطع دیوان میں۔

۳؎ ع : ۱۲ : جلوۂ زندانِ بیتابی

۴؎ ع ۱۲ : برقِ خرمنِ سعی پسند

۵؎ ع ۱۱ : مہِ اختر فشاں کی بہرِ استقبال آنکھوں سے

۶؎ ع ۱۱ : تغافل بدگمانی بلکہ میری سخت جانی سے

۷؎ ع ۱۴۲ : داغِ جگر ہدیہ

۸؎ اس غزل کے تین شعر ق میں اور تین یعنی ۱، ۲، ۳ دیوان میں

۹؎ ع ۱۴۳ : آساں ہے۔

۱۰؎ ع ۱۴۳ : ہوائے سیرِ گل

صفحہ ۵۵

۱؎ تعداد اشعار ق میں ۷ ہے

۲؎ ع ۲۲ : سیلِ غیر از جانبِ دریا

۳؎ 'زمژگاں نم آگئیں' لکھ کر کاٹ دیا ہے۔

۴؎ ع ۲۲ : سیاہ از حلقہ ہائے

۵؎ ع ۲۲ : اب سر پہ اڑاتا ہوں

۶؎ ع ۲۲ : گئے وہ دن کہ پانی جام مے سے

۷؎ تعداد اشعار ۶

۸؎ پہلے یہ مصرع لکھا تھا جسے قلم زد کر دیا ہے:

اوگہ چشم سفید از پنبۂ روزن تماشا ہے

صفحہ ۵۷

۱؎ ع ۲۲ : عزلت نشیں۔

۲؎ ع ۲۲ : تعداد اشعار پانچ

۳؎ ع ۲۲ : فسونِ دعوی طاقت

۴؎ ع ۲۲ : از جیبم خستن ہا

۵؎ ع ۲۲ : بار جستن ہا

۶؎ ع ۲۲ : رنگ [نسخہ عرشی میں یہ شعر مکرر ہے دیکھو ع ۲۷]

۷؎ ع ۲۷ : یہ شعر دوسری غزل میں ہے۔

۸؎ ع ۲۳ : چھ اشعار

صفحہ، ۵۹

لہ ع ۲۲ : خرچی — ۲ے ع ۲۳ : تعداد اشعار ۶

۳ے ع ۲۳ : کرے ہے حسنِ خوباں پردے میں مشاطگی اپنی

۴ے ع ۲۳ : کرتی ہے۔ — ۵ے ع ۲۳ : حیرت پرستاراں

۶ے عام کی جگہ پہلے "مطلب از" لکھا تھا۔ جسے قلم زد کیا ہے۔ ع ۲۳ : بت پرستی سے غرض

۷ے ع ۲۴ : تعداد اشعار ۶ — ۸ے ع ۲۴ : جوں شرار سنگ

صفحہ، ۶۱

لہ ع ۲۴ : لڑوا دے — ۲ے ع ۲۴ : سے ہے

۳ے ع ۲۴ : تعداد اشعار ۹ — ۴ے ع ۲۴ : سلسلہ

۵ے ع ۲۴ : میں اس طرح ہے، اصل : دیدہ کر خوں ہو تماشا چمن

۶ے ع ۲۴ : اس کے بدلے مقطع یوں ہے :

شوق سامانِ فضول ہے ورنہ غالب — ہم میں سرمایۂ ایجادِ تمنا کب تک

اس کے علاوہ دو شعر ق میں اور زائد ہیں۔

۷ے ع ۲۷ : تعداد اشعار ۶ — ۸ے ع ۲۷ : پر طاؤس سے

صفحہ، ۶۳

لہ ع ۲۸ : ذوقِ تماشائے شہادت — ۲ے ع ۲۸ : تعداد اشعار ۸ (ایک شعر زائد)

۳ے اس زمین میں ۹ شعر ہیں چار ق میں اور پانچ دیوان میں پہلے تین شعر ع : ۱۵ میں اور چوتھا ع ۱۴۹ پر ملے گا۔

صفحہ، ۶۵

لہ ع ۱۵۰ : بے خونِ دل ہے چشم میں موجِ نگہ غبار — ۲ے ع ۱۵۰ : بساطِ نشاط دل۔

۳ے اس غزل میں سات شعر ہیں چھ ق میں اور ایک مقطع دیوان میں

۴ے ع ۱۵ : اسیرِ بے زباں ہوں کاشکے صیاد بے پروا، اصل میں مصرع پہلے یوں لکھا تھا۔ پھر قلم زد

"گرفتارانِ الفت بے زباں ہیں، کاشکی صیاد سے"

۵ے ع ۱۵ : ذوقِ خود آرائی

صفحہ، ۶۷

لہ ع ۱۵ : رنج بے تابی — ۲ے ع ۱۵ : نثار — ۳ے ع ۲۵ : تعداد اشعار ۹

۴ے "در پیرا ہن" قلم زد — ۵ے ع ۲۵ : سعی پسند — ۶ے ع ۲۵ : اپنی

۷؎ "حیرت از شورِ فغانِ بے اثر غفلت ہوئی" لکھ کر قلمزد کر دیا ہے۔

۸؎ ع ۲۵: بختِ رسا ۹؎ "از نفسِ گرمیِ سحر شعلۂ آوازہ یار" قلمزد کر دیا ہے

۱۰؎ ع ۲۵: انتظارِ جلوۂ کاکل میں شمشادِ باغ صورتِ مژگانِ عاشق صرف عرضِ شانہ تھا

۱۱؎ ع ۲۵: اضطراب آرا ۱۲؎ ع ۲۵: تڑپا ۱۳؎ ع ۲۵: تعدادِ اشعار

صفحہ ۶۹

۱؎، ۲؎، ۳؎: (زیرِ غور)

۴؎ ع ۱۴۶: ق میں تعدادِ اشعار ۳ دیوان میں ۸

۵؎ ع ۱۴۶: اس غزل کے ۵ شعر دیوان میں ہیں یعنی ۱، ۴، ۵، ۶ مقطع تبدیل کیا گیا ہے۔ شعر ۲، ۳، ۷ ق میں ملیں گے۔

۶؎ ع ۱۶: جہاں مٹ جائے ۷؎ ع ۱۶: جہاں مرٹ جائے

۸؎ ع ۱۴۶: مقطع اس طرح ہے:

نہ دے نامے کو اتنا طول غالب مختصر لکھ دے کہ حسرت سنج ہوں عرضِ ستم ہائے جدائی کا

۹؎ ع ۱۶: تعدادِ اشعار ۴ ۱۰؎ ع ۱۴۶: یہ شعر دیوان میں غزل ۱۱ کا حسنِ مطلع ہے ۱۱؎ ع ۱۶: پریشاں

صفحہ ۷۱

۱؎ پہلے بے زبانی لکھا تھا اسے قلم زد کر دیا۔ یہ دیوان میں غزل ۱۱ کا پانچواں شعر ہے

۲؎ ع ۱۴۶: تا جس سے ۳؎ ع ۲۶: تعدادِ اشعار ۷ ۴؎ ع ۲۶: طلب برگز

۵؎ سہواً 'میں ہے' لکھا ہے۔ ۶؎ ع ۲۶: نہ بخشی فرصتِ یک شبنمستاں جلوہ خورنے

۷؎ ع ۱۷: تعدادِ اشعار ۷۔ دو شعر دیوان میں ہیں یعنی ۳-۵۔

۸؎ ع ۱۷: وہم بسمل کا ۹؎ ع ۱۷ 'دام کر' لکھا تھا قلم زد کر دیا۔

۱۰؎ اصل: شرارِ فرصتے سرمایہ چندیں لکھ کر قلم زد کیا ہے۔

۱۱؎ ع ۱۴۸: تشنہ کامی بھی ۱۲؎ ع ۱۴۸: تو میں خمیازہ ہوں

صفحہ ۷۳

۱؎ ع ۱۸: مجھے راہِ سخن میں خوفِ گمراہی نہیں غالب ۲؎ یہ غزل دیوانِ غالب کے اور کسی نسخے میں نہیں ملتی۔

۳؎ اس غزل میں [۲، ۳، ۴] شعروں کو قلمزد کر دیا ہے ۴؎ اصل: 'بر رگہائے مژگاں' لکھ کر قلم زد کیا ہے۔

۵؎ ع ۲۷ تعدادِ اشعار ۸

صفحہ ۷۵

۱؎ ع ۲۸: تعدادِ اشعار ۷ ۲؎ ع ۲۸: ہو حال ۳؎ ع ۲۹: خرمیِ مست

۴؎ ع ۲۹: اسدار باب نظرت قدرہ انِ لفظ و معنی ہیں ۵؎ ع ۱۸: تعداد اشعار ۴ ۔ دیوان میں ۲ شعر

۶؎ اصل: "کہ برق اور شعلہ نشتر سبب" ۷؎ یہ شعر دیوان غالب کے کسی نسخے میں نہیں ہے

صفحہ ، ۷۷

۱؎ یہ شعر کسی نسخے میں نہیں ہے۔ ۲؎ اس زمین میں ۶ شعر ق میں اور دو دیوان میں ہیں۔

۳؎ رشتہ چاک جیب دریدہ یکسر صرف دام: بعد میں یکسر قلم زد کرکے تماش بڑھایا ہے۔

۴؎ ع ۲۰: گم کردہ رہ ۵؎ ع ۲۰: فتنہ خو

صفحہ ، ۷۹

۱؎ ع ۲۰: حالِ خوناکردگاں ۲؎ ع ۲۶: تعداد اشعار ۵

۳؎ رشتہ چاک جیب دریدہ یکسر صرف دام: بعد میں یکسر قلم زد کرکے 'تماش' بڑھایا ہے

۴؎ ع ۲۷: بجائے نامہ (اور یہی صحیح ہے) ۵؎ اس غزل کے دو شعر ق میں اور ۹ دیوان میں ہیں۔

۶؎ ع ۱۵۰: اندوہِ شب مُرَوّت ۷؎ ع ۱۵۱: جیسے خوں رگ میں۔

صفحہ ، ۸۱

۱؎ یہ پوری غزل غالب نے قلم زد کردی ہے اور کسی نسخے میں نہیں ملتی۔

۲؎ پہلے نظر بازی کی جگہ محبت یا لکھا تھا جسے قلم زد کردیا۔

۳؎ اس زمین کے چار شعر ق (ع ۱۸) میں اور دو دیوان (ع ۱۴۸) میں ملتے ہیں۔

۴؎ ع ۱۸: کمیں گاہ

۵؎ ع ۱۸: ستم دیدۂ بازگشتن

صفحہ ، ۸۳

۱؎ اس زمین کے چار شعر ق (ع ۱۸) میں اور دو دیوان (ع ۱۴۸) میں ملتے ہیں۔

۲؎ ع ۱۸: بصورتِ تکلف بمعنی تاسف ۳؎ ع ۲۹: تعداد اشعار ۵ ۴؎ ع ۲۹: سو ہے

۵؎ ع ۲۹: آیا نہ بیانِ طلب، گام زباں تک ۶؎ ع ۲۹: جرسِ آبلۂ پا ۷؎ یہ غزل دیوانِ غالب کے کسی نسخے میں نہیں ہے

۸؎ اس زمین میں تین غزلیں ہیں۔ جس غزل کا یہ مطلع ہے۔ اس کے چار شعر ب (ع ۱۵) میں ہیں اور اسی زمین کی دوسری غزل میں پانچ شعر ہیں۔ تیسری غزل دیوان میں ہے (ع ۱۴۵) اور اس میں پندرہ شعر ہیں۔

صفحہ ، ۸۵

۱؎ ع ۱۴۵: دیوان میں غزل ۹ کا دوسرا شعر ہے ۲؎ ع ۱۴۵: غزل ۹ کا تیسرا شعر

۳؎ ع ۱۵: فرشِ تمکیں۔ ۴؎ ع ۱۵: واں ہجوم نغمہ ہائے سازِ عشرت تھا اسد ناخنِ غم یاں

[5] ع ۱۵: ق میں اس غزل کے ۵ شعر ہیں۔ [6] ع ۱۴۵: یہ مطلع دیوان کی غزل ۹ کا نواں شعر ہے۔
[7] ع ۱۵: محشرستان۔ [8] اس زمین کے تین شعر ق (ع ۲۱) میں چار دیوان (ع ۱۵۳) میں ہیں۔
[9] ع ۱۵۳: رشتۂ ہر شمع خار کسوتِ فانوس تھا [10] ع ۲۱: نقش بندی ہائے دہر

صفحہ ۸۷

[1] اصل: "از صریرِ خامہ پیدا" قلم زد [2] ع ۲۱: طبع کی واشد نے رنگ یک گلستاں گل کیا۔ یہ دل وابستہ گویا بیضۂ طاؤس تھا
[3] ع ۲۱: کل اسد کو ہم نے دیکھا گوشۂ غم خانہ میں دست بر سر، سر بزانوے دل مایوس تھا
[4] ع ۱۴: ق میں تعداد اشعار ۹، دوسری غزل میں ۴۔ دیوان میں (ع ۱۴۴) چار شعر۔ اس طرح کل اشعار ۱۷
[5] ع ۱۴: جادے پہ [6] ع ۱۴: گہر آبلہ لایا آخر
[7] ع ۱۴: حیف اسے ننگِ تمنا کہ پئے عرضِ حیا یک عرق آئینہ [8] اصل: یہ جبہۂ سائل
[9] ع ۱۴: تمنالائی [10] "وہ نفس ہوں کہ اسد زمزمۂ فرحت نے" قلم زد

صفحہ ۸۹

[1] اس زمین کے چار شعر ق میں (ع ۲۱) اور ۸ شعر دیوان میں (ع ۱۵۳) ہیں
[2] پہلے یوں لکھا تھا جسے قلم زد کر دیا: انداز ربط یاس ہیں سب مجھ کو لے اسد
درد اک اختلاط کے قابل نہیں رہا
[3] اس زمین کے ۹ شعر ق میں (ع ۲۱) اور دو شعر دیوان (ع ۱۵۳) میں ہیں
[4] ع ۲۱: دل تنگی [5] اصل حیرت کو حسرت بنایا ہے۔

صفحہ ۹۱

[1] ع ۲۱: اے جلوۂ حسن [2] ع ۲۱: بہوس [3] ع ۲۱: دے نے
[4] ع ۳۰: نسخۂ حمیدیہ میں تعداد اشعار ۶ [5] ع ۳۰: یساں
[6] ع ۳۰: یہ نوچھ حال شب و روز ہجر کا غالب [7] یہ غزل دیوانِ غالب کے کسی نسخے میں نہیں ہے

صفحہ ۹۳

[1] ع ۲۹: تعداد اشعار ۶ [2] ع ۳۰: بشکل برگِ گل، تر [3] ع ۳۱: تعداد اشعار ۹
[4] ع ۲۶: نورِ چشمِ وحشت [5] ع ۲۶: آئینہ خانۂ خاک [6] ع ۳۱: دل میں غلد

صفحہ ۹۵

[1] یہ غزل دیوان غالب کے کسی نسخے میں نہیں ہے۔
[2] یہ غزل بھی دیوانِ غالب کے کسی نسخے میں نہیں ہے۔ صرف اس کا مطلع اعظم الدولہ سرور کے تذکرہ "عمدۂ منتخبہ" میں ملتا ہے، مگر ترتیب تذکرہ

اسے یوں پڑھا ہے: جگر سے ٹوٹے ہوئے موئی ہے سناں پیدا۔ اسی طرح جناب عرشی نے اسے نقل کیا ہے (ع: ۲۹۳)

۳؎ اس زمین کے پانچ شعر نسخۂ حمیدیہ میں (ع ۲۰) اور چھ شعر دیوان (ع ۱۵۱) میں ہیں۔

۴؎ ع ۱۵۱: دل مرا سوزِ نہاں سے بے محابا جل گیا۔

صفحہ، ۹۷

۱؎ ع ۲۰: شوقِ آتش ۲؎ ع ۲۰: شعلہ رو یب ہو گئے

۳؎ ع ۲۰: ہے رسد بیگانہ افسردگی اسے بے کسی وں زانداز تپاک ال

دیوان میں مقطع یوں کہہ دیا: ہے ہوں اور افسردگی کی آرزو غالب کہ دل

دیکھ کر طرزِ تپاکِ اہلِ دنیا جل گیا

۴؎ یہ غزل دیوانِ غالب کے کسی نسخے میں نہیں ملتی ۵؎ پہلے اڈل کو قلم زد کر کے مجلس افروزی بنایا ہے

۶؎ یہ غزل بھی دیوانِ غالب کے کسی نسخے میں نہیں ملتی۔

صفحہ، ۹۹

۱؎ ع ۳۰: تعداد اشعار ۶ ۲؎ ع ۳۰: خوں چکانی نے

۳؎ ع ۳۰: نہیں ہے کفِ لبِ نازک پہ فرطِ نشۂ مے سے ۴؎ ع ۳۱: تعداد اشعار ۶

۵؎ ع ۳۱: سحر گہ ۶؎ ع ۳۱: تاب پشت ۷؎ ع ۳۱: کروں گر عرضِ سنگینیِ کہسار اپنی بیتابی

صفحہ، ۱۰۱

۱؎: مہ مایوس اب ہو' لکھا تھا اسے' نہ ہو مایوس غالب' بنایا ہے۔ اور 'ہو' قلم زد کرنے سے رہ گیا۔

ق میں مقطع یوں ہے: اسد مایوس مت ہو گر چہ رونے میں اثر کم ہے

کہ غالب ہے کہ بعد از زاریِ بسیار ہو پیدا (ع ۳۱)

۲؎ ع ۳۱: تعداد اشعار ۷ ۳؎ ع ۳۱: طبعِ آگہ کا نشان

۴؎ ع ۳۱: انتر کن ہے مرتب ع نے حواشی میں بتایا ہے کہ ب اور ح میں اختر کنی ہے۔ مگر متن میں بھی یہی لکھا ہے۔ میرا خیال ہے کہ یہ ب کے مرتب کا تسامح ہے "گنے ہے" ہونا چاہیے جو ہمارے نسخے کی اصلاح یافتہ شکل ہے۔

۵؎ ع ۳۱: بے تشنق سوزِ جگر کی آگ کی بالیدگی۔ یہ اختلاف ح میں نہیں ہے ۶؎ اصل: تخلص کی جگہ بیاض

۷؎ ع ۳۲: تعداد اشعار ۶۔ ایک شعر بعد میں اضافہ

۸؎ ع ۳۲: ہے تہِ رنگِ چمن پیرا سے غیرتِ رنگ کی جِن ذوق پہ یدن ہے بالِ عندلیب

صفحہ، ۱۰۳

۱؎ غالباً یہاں بھی قافیہ حسبِ سال لکھ دیا تھا۔ اسے پھر ماہ و سال بنایا ہے۔

۲؎ اس تخمس کی جگہ بیاض   ۳؎ ع ۳۳: تعداد اشعار ۵۔ اس نسخے میں غزل غیر مطبوعہ ہے۔
۴؎ ع ۳۳: چشم بند خلق غیر از نقش خود بینی نہیں   ۵؎ ع ۳۳: برق خرمن زار
۶؎ ع ۳۳: جوش تماشا ہے اسد۔ اصل: مقطع کی جگہ بیاض   ۷؎ ع ۳۳: مے سے
۸؎ ع ۳۲: تعداد اشعار ۷   ۹؎ ع ۳۲: میں الفت مژگاں میں جو   ۱۰؎ ع ۳۲: دیکھا ہے کسو کا جو
۱۱؎ ع ۳۲: گرمی ہے زباں کی   ۱۲؎ مہر تمغ شہادت کو ہے یاں
۱۳؎ ع ۳۲: یہ تین شعر اس غزل میں زائد ہیں جو نسخہ امروہہ سے غیر حاضر ہیں مقطع دیوان غالب کے کسی نسخے میں نہیں ملتا۔

صفحہ ۱۰۵

۱؎ ع ۳۳: تعداد اشعار ۷   ۲؎ ع ۳۴: جہاں نقشِ مدعا ہووے تہ تیز
۳؎ دستِ حسرت زار میں آشفتہ جولانی جہت۔ لکھا تھا۔ اس کو اصلاح کر کے یوں بنایا   ۴؎ ع ۳۴: تعداد اشعار ۷
۵؎ ع ۳۴: رنج خود آرائی   ۶؎ ع ۳۴: جانِ عاشق حائل

صفحہ ۱۰۷

۱؎ ع ۳۴: اے بیداد خو   ۲؎ ع ۳۴: یہ دعوی آرائی   ۳؎ ع ۳۴: تعداد اشعار ۷
۴؎ ع د ۱۶۵: دیوان متداول میں بہ ترکیب و کرد   ۴؎ کرتی ہے عاجزی
۵؎ ع ۳۵: تعداد اشعار ۷   ۶؎ ع ۳۵: جنبشِ گل برگ سے ہے گل کے لب کو اختلاج
۷؎ ع ۳۵: وحشی مزاج   ۸؎ ع ۳۵: سیر ملک حسن کو   ۹؎ ع ۳۵: ہے سوادِ چشمِ قربانی میں یک عالم تبسم

صفحہ ۱۰۹

۱؎ یہ شعر دیوان غالب کے کسی نسخے میں نہیں ملتا۔   ۲؎ ع ۳۵: شانۂ گیسو شدہ
۳؎ ع ۳۶: تعداد اشعار ۷   ۴؎ ع ۳۶: تمام وحشت
۵؎ ع ۳۶: بزم نظر میں   ۶؎ ع ۳۶: تعداد اشعار ۷

صفحہ ۱۱۱

۱؎ ع ۳۷: تعداد اشعار ۵   ۲؎ ع ۳۷: عشقِ بتاں   ۳؎ ع ۳۷: ہے اور تیرہ تر از تو
۴؎ ع ۳۷: جامہ زیبوں   ۵؎ ع ۳۷ یکسر۔ اصل میں پہلے یکسر لکھا تھا۔ اسے قلم زد کر کے دست بنایا ہے
۶؎ ع ۳۸: تعداد اشعار ۷

صفحہ ۱۱۳

۱؎ اصل، پہلے مصرع یوں تھا جسے قلم زد کر دیا: جمع ہیں موزونیاں در
۲؎ ع ۳۸: ہم نے سوز نم جگر مژگاں زباں سے دانہ کی۔

۳؎ ع ۳۸ : میں یہ مقطع نہیں ہے۔ اس غزل کا چھٹا شعر ہے۔ مقطع غالب تخلص کے ساتھ اضافہ کیا ہے۔ اس شعر میں اسد کی جگہ تمام ہے۔

۴؎ ع ۳۸ : تعداد اشعار ۷ ۵؎ ع ۳۸ : باز مانده

۶؎ ع ۳۸ : بالیدگی ۷؎ ع ۳۹ : تعداد اشعار ۹

صفحہ، ۱۱۵

۱؎ ع ۳۹ : قدرتِ ایجادِ غنا ۲؎ ع ۳۷ : تعداد اشعار ۷ ۳؎ ع ۳۷ : ہلاک

۴؎ ع ۳۷ : جواب ۵؎ ع ۳۷ : زودستِ شستۂ وہاسے

صفحہ، ۱۱۷

۱؎ ع ۳۷ : یک جانِ بے نوائے اسد ۲؎ ع ۴۱ : تعداد اشعار ۷

۳؎ ع ۴۱ : بار لائی ہے دانہ ہائے سرشک ۴؎ ع ۳۹ : تعداد اشعار ۷

۵؎ اصل : سہواً ’بدگمان کرتے ہیں‘ لکھا ہے ۶؎ ع ۴۰ : لفظ غافل کو ’غالب‘ بنا کر اسے مقطع کر دیا ہے

صفحہ، ۱۱۹

۱؎ یہ شعر غالب کے کسی نسخے میں نہیں ہے ۲؎ ع ۴۰ : اس شعر کو یوں کر دیا ہے ؎ سدِ اسکندر ہے بجز نگاہ گل رخاں الخ

۳؎ یہ غزل دیوان غالب کے اور کسی نسخے میں نہیں ملتی۔

۴؎ ع ۴۰ : تعداد اشعار ۷ ۵؎ ع ۴۰ : بگاہ (اور غالباً یہی درست ہے)

۶؎ اصل : رحم ۷؎ لفظ رنج قلم زد کر کے ’داغ‘ لکھا ہے۔

صفحہ، ۱۲۱

۱؎ ع ۴۱ : تعداد اشعار ۳ ۲؎ کہ برق از وجد قلم زد ۳؎ ع ۱۶۸ : (متداول)

۴؎ اصل : پہلے جرمِ نظارہ لکھا تھا اسے قلم زد کر کے تہمت نگہ بنایا ہے ۵؎ ع ۱۶۸ (متداول)

۶؎ ع ۱۶۸ : خونِ دو عالم ۷؎ ع ۴۰ : تعداد اشعار ۵، دیوان میں ۲ ۸؎ ع ۱۶۸ (متداول)

۹؎ ع ۴۰ : چشمِ خدنگ

۱۰؎ یہ پورا مصرع قلم زد کر دیا ہے اور غالباً وہ مصرع لکھا گیا تھا جو ق میں ہے: ’کس یاروں کی بدمستی نے میخانے کی پامالی‘ مگر یہ حاشیے کے ساتھ کٹ گیا ہے۔ اور پڑھا نہیں جاتا۔ ۱۱؎ ع ۴۰ : پردے میں

صفحہ، ۱۲۳

۱؎ ع ۴۱ : تعداد اشعار ۴، دیوان میں ۱، ۲؎ ع ۱۶۸ : (متداول) ۳؎ ع ۴۱ : بے قراری سے

۴؎ ع ۴۱ : نیاز پر فشانی ہو گیا ۵؎ ع ۴۲ : تعداد اشعار ۶ ۶؎ مشاط کی میم پر پیش لگایا ہے۔

۷ ع ۴۳: تعلیم رنگ ۸ ع ۴۴: سازِ طرب ۹ ع ۴۴: تعداد اشعار ۶

صفحہ، ۱۲۵

۱ ع ۴۴: تحمل ۲ ع ۴۴: تعداد اشعار ۵ (متداول میں ۳)

۳ ع ۴۲: تمنا سے بیدلی ۴ ع ۱۷۱

صفحہ، ۱۲۷

۱ ع ۴۲: تعداد اشعار ۵ ۲ ع ۴۲: ہے شمع جادہ ۳ ع ۴۲: کفن کشتگانِ شوق

۴ ع ۴۳: تعداد اشعار ۵ ۵ ع ۴۳: میں ہے ۶ ع ۱۷۲

۷ ع ۱۷۲: گرمیِ رفتار ۸ ع ۴۳: دیدار اسد

صفحہ، ۱۲۹

۱ ع ۴۵: تعداد اشعار ۷ ۲ ع ۴۵: صرفِ جبینِ غربت ۳ ع ۴۴: تعداد اشعار ۷

۴ ع ۴۴: ہو قبولِ کم نگاہی ۵ عجز کی جگہ سہواً سجدہ لکھ کر درست کیا ۶ ع ۴۴: مایۂ شرمندگی

صفحہ، ۱۳۱

۱ ۲ ۳ ۴ ۵ ۶ (زیرِ غور)

۷ پہلے یہ مصرع تھا جسے قلم زد کر دیا: ہے بہ بزمِ گلرخاں از نیم رنگیہا سے شمع

۸ ″ ″ ″ ″ ″ ″ ″ ″: سرمایۂ گلزار ہا

۹ ″ ″ ″ ″ ″ ″ ″ ″: ہے جرس در راہِ صحرا سے حرم ناقوس وبس

۱۰ پہلے مصرع یوں لکھا تھا (اسے [اسد] گل تختۂ مشق شگفتنہا ہوا سے

صفحہ، ۱۳۳

۱ سہواً مصرع یوں لکھا ہے: حیرت سے رخِ دوست کے ہیں از بس بیکار

صفحہ، ۱۳۵

۱ پہلے یوں تھا: اسد از قدرتِ حیدر الخ مقطع بعد میں حاشیے پر اضافہ کیا ہے

صفحہ، ۱۳۷

۱ اصل میں مصرع یوں ہے: جوں اعتماد نامہ و خط کا ہو مہر خط سے سہواً ایک خط زائد لکھا گیا ہے۔

صفحہ، ۱۳۹

۱ غالب نے 'نہ غیر کے' کی بجائے سہواً 'غیر کے نہ' لکھا ہے۔ جس سے مصرع ساقط الوزن ہو جاتا ہے۔

۲ غالب نے جگہ کے بعد کے زائد لکھ دیا ہے۔

صفحہ ، ۱۴۱ - لے غالب نے میم پر پیش لگایا ہے   ۲ے غالب نے میم پر پیش لگایا ہے -

صفحہ ، ۱۴۳ - لے سبک ساری اس طرح لکھا ہے : سبکساری

۲ے یہ م ، خ کا نشان خود غالب نے بنایا ہے - شعر مقدم و موخر ہو گئے تھے -

صفحہ ، ۱۴۵ - لے اس غزل پر صاد کی ہے -

صفحہ ، ۱۵۱ - لے پہلے مصرع یہ لکھا تھا جسے قلم زد کر دیا : عجزوں سے اسد گرم سخن دیکھ کے اس کو

صفحہ ، ۱۵۳ - لے یہ غزل کسی اور قلم سے ورق ۳۰ ب کے حاشیے پر بھی نقل ہوئی ہے - اور اس کے بیشتر اشعار جلد سازی میں کٹ گئے ہیں

۲ے حاشیہ ورق ۳۰ ب : " کہ بعد مرگ وحشت دل کا گلہ کردوں "   ۳ے حاشیہ ورق ۳۰ ب : کہ تیرے خرام سے

صفحہ ، ۱۵۵ - لے حاشیہ ورق ۳۰ ب : وہ زار نالہ   ۲ے مصرع پہلے یوں تھا : بر ترہے رتبہ فہم تصور سے بھی [اسد]

صفحہ ، ۱۵۷ - لے اس شعر کے بعد بین السطور میں لکھا ہے " تا این جا نوشتہ ام " یقیناً یہ ناقل نسخہ کے لئے یادداشت کے طور پر لکھا گیا ہے -   ۲ے اس شعر کے ساتھ لکھا ہے " ازین جا شروع " - یہ بھی ناقل کے لئے ہدایت ہے -

۳ے غالب نے سہواً پڑی اور رہی لکھا ہے -   ۴ے پہلے یہ لفظ کچھ اور تھا جسے خود آرا بنایا ہے -

صفحہ ، ۱۶۳ - لے پہلے یہ مصرع ' جا پاؤں مانند اسد ' تھا

صفحہ ، ۱۶۷ - لے اس ورق کے حاشیے پر دوسرے قلم سے غزل نمبر ۱۰۳ کے نو شعر لکھے گئے ہیں ، ان میں سے بعض جلد سازی میں کٹ گئے ہیں ، مکرر ہونے کی وجہ سے یہاں سے حذف کر دیئے گئے -

صفحہ ، ۱۶۹ - لے پہلے شعر یوں تھا جسے قلم زد کر دیا : سخن حیران تحیر پر فشاں پروانہ بیگانہ
پر طوطی ہے قفل زنگ بست آئینہ خانے میں

۲ے اسے   ۳ے یہ اشعار ق کے متن میں داخل ہیں ، پھر چار شعر حاشیے پر اضافہ ہوئے ہیں جو ۱۲۳۷ کے بعد کا اضافہ ہیں -   اصل : چاہیے ہے -

صفحہ ، ۱۷۳ - لے سہواً سر کی جگہ ساغر لکھ دیا ہے -

۲ے لیکن اسد کو قلم زد کر کے کچھ اور لکھنا چاہا تھا ، پھر انھیں الفاظ کو دوبارہ لکھ دیا -

۳ے پہلے مصرع یوں تھا : زبس ہر شمع ہے آئنہ حیرت طرازی ہا

صفحہ ، ۱۷۷ - لے پہلے بالانشین از فیض لکھا تھا - از کو قلم زد کر دیا -   ۲ے پوری غزل لکھ کر قلم زد کر دی ہے

۳ے پوری غزل لکھ کر قلم زد کر دی ہے   ۴ے مصرع میں ترمیم کی ہے ، پہلے یوں لکھا تھا :
وہ دریغا ہو کے از بر بستن رخت سفر غافل

صفحہ ، ۱۷۹ - لے پوری غزل قلم زد

صفحہ ، ۱۸۱ - لے کسی لفظ کو کاٹ کر ناخنک لکھا ہے جو پڑھا نہیں جاتا -

صفحہ، ۱۸۳ ۔ [۱] پہلے دل ے لکھا تھا ۔ اسے ترمیم کرکے 'وہ دل' بنایا ہے ۔

صفحہ، ۱۸۵ ۔ [۱] کہ موج گریۂ صد خندہ دنداں نما کم ہو ۔ ترمیم کرنے کے بعد 'میں' کا اضافہ کیا ہے ۔

صفحہ، ۱۹۱ ۔ [۱] مصرع یوں تھا : طوق در گردنِ قمری ہے

صفحہ، ۱۹۵ ۔ [۱] اس غزل پرصؔ   [۲] مجمر افسردہ بزماں قلم زد

[۳] پہلے 'شاہد بہرِ گل' لکھا تھا ۔ قلم زد کرکے 'حیاتِ گل' بنایا ہے ۔

صفحہ، ۱۹۷ ۔ [۱] اس غزل پرصؔ

[۲] یہ شعر غالب نے اپنے قلم سے حاشئے پر بڑھایا ہے ۔   [۳] اس غزل پرصؔ

صفحہ، ۱۹۹ ۔ [۱] یک نیستاں قلم زد   [۲] اس غزل پرصؔ   [۳] بھی سہواً رہ گیا ہے ۔

[۴] مصرع ثانی یوں تھا: چھپاؤں کیونکہ سورش اے اسد' قلم زد کرکے 'غالبؔ' زیرِ سطر لکھا ہے [۵] اس غزل پرصؔ

صفحہ، ۲۰۱ ۔ [۱] ہستی میں تھا 'میں' کو قلم زد کرکے 'نے' لکھا ہے ۔

صفحہ، ۲۰۳ ۔ [۱] مصرع پہلے یوں تھا : قلم زد کرکے تصحیح کی گئی ؛ از بسکہ اشک سوکھ گئے چشم میں اسد

[۲] یہ غزل ورق ۳۹/ب کے حاشیے پر اضافہ، بہت سے الفاظ جلد میں کٹ گئے ہیں ۔ قوسین کے الفاظ متداول دیوان کی مدد سے لکھے گئے ہیں ۔ یہ بخطِ غالب نہیں ۔

صفحہ، ۲۰۵ ۔ [۱] پہلے مصرع یوں تھا : اسد وہ گل کرے جس گلستاں میں جلوہ فرمائی

[۲] پہلے اور سجدہ شکر ہے ، لکھا تھا ترمیم کی گئی ۔ اس طرح کہ شکر ہے کی ے کو کا بنایا ہے اور سجدہ چرخ اور شکر پر م لکھ کر اشارہ کر دیا ہے کہ انھیں مقدم موخر کر دیا جائے ۔

صفحہ، ۲۰۷ ۔ [۱] پہلے تھا: اسد محفل میں میری ۔ قلم زد   [۲] یار لکھ کر صحت کی ہے ۔   [۳] اس شعر پرصؔ

صفحہ، ۲۰۹ ۔ [۱] لعل خاں بتاریخ اوّل صفر ۱۲۲۵ درماہہ عصہٖ (دو روپے آٹھ آنے) ظاہر ہے کہ یہ لعل خاں کو ملازم رکھنے کی یادداشت ہے لیکن اسی سے بیاض کے زمانۂ ترتیب وکتابت میں مدد ملتی ہے ۔

[۲] اس غزل پر غالب نے صاد کی ہے ۔ [۳] اس غزل پر غالب نے صاد کی ہے ۔

[۴] پہلے یوں لکھا تھا ؛ پائے وحشت میں ہے زنجیر، اسے چھیل کر ترمیم کی ہے ۔

صفحہ، ۲۱۱ ۔ [۱] اس غزل پر غالب نے صاد کی ہے ۔

صفحہ، ۲۱۵ ۔ [۱] مصرع یوں لکھا تھا ؛ سرمہ دودِ نیمجوشاں

صفحہ، ۲۱۷ ۔ [۱] سہواً (یہ) رہ گیا ہے ۔

صفحہ، ۲۱۹ ۔ [۱] پہلے یوں لکھا تھا : ہر جا کہ اسد ۔

صفحہ، ۲۲۱ ۔ [۱] اصل : وز دیلن ۔   [۲] سہواً کُش لکھا تھا اسے کشی بنایا ہے ۔

صفحہ ، ۲۲۳ ـ لہ اصل : تیری ٹہ مصرع یوں تھا : ہوتا ہے اسد مفرور ، تبدیل کیا ہے

صفحہ ، ۲۲۵ ـ لہ یہ غزل ورق ۴۵ ـ الف کے حاشیے پر اضافہ ، یہ بخطِ غالب نہیں ہے

صفحہ ، ۲۲۷ ـ لہ و ٹہ غالب نے عدو کی عین پر پیش لگایا ہے ۔

صفحہ ، ۲۳۳ ـ لہ یہ مصرع پہلے یوں تھا : ہے بس عزیز ـ بعد میں اصلاح کی ۔

صفحہ ، ۲۳۵ ـ لہ یہ غزل ورق ۴۸ ب کے حاشیہ پر اضافہ ، یہ بخطِ غالب نہیں ہے ۔

صفحہ ، ۲۳۷ ـ لہ پہلے یوں تھا : ہوں میں وہ دام کہ

صفحہ ، ۲۳۹ ـ لہ پہلے دل ہر ذرہ لکھا تھا ۔

صفحہ ، ۲۴۳ ـ لہ یہ مطلع لکھ کر کاٹ دیا ہے ۔ ٹہ یہ شعر بعد کو حاشیے پر اضافہ کیا ہے ۔

صفحہ ، ۲۴۵ ـ لہ پہلے یوں تھا : در تب و تاب رنگ گل

ٹہ یہ غزل ورق ۵۰ ـ الف کے حاشیے پر اضافہ ہے ـ یہ بخط غالب نہیں ہے ۔

صفحہ ، ۲۴۷ ـ لہ پہلے شام و رسایہ لکھا تھا ، بعد میں اصلاح کی ہے ٹہ پہلے یوں تھا : دانہ یہاں در دلِ ہر سنگ

صفحہ ، ۲۴۹ ـ لہ پہلے : داماں بصد کفن لکھا ہے ۔

صفحہ ، ۲۵۱ ـ لہ غالب نے اس غزل پر سرخ روشنائی سے دوبار صاد کیا ہے ۔

ٹہ پہلے رنگِ تماشا ریختن لکھا تھا ۔

صفحہ ، ۲۵۳ ـ لہ پہلے تھا بدگماں رہے کہ

صفحہ ، ۲۵۵ ـ لہ ع : ۲۱۲ ، میں یہ مطلع نہیں ہے ـ غزل ۱۵۹ کا تیسرا شعر ہے اور اس کا پہلا مصرع یوں ہے :

" خوشا اقبالِ رنجوری عیادت کو تم آئے ہو "

ٹہ ع ۸۵ : پیچ و تاب سہ ع ۸۵ : چشم پوشیدن مہ ع ۲۱۲ : دامن ہے ۔

ھہ ع ۲۱۳ : اضطرابِ شامِ تنہائی

لہ ع ۲۱۳ : میں یہ مقطع نہیں ہے ـ غزل ۱۵۹ کا پانچواں شعر ہے ـ اور پہلا مصرع یوں ہے : " ابھی آتی ہے بو بالش سے اس کی زلفِ مشکیں کی " کہ ع ۲۱۳

شہ یہ غزل دوسرے قلم سے ورق ۲۵ ب کے حاشیے پر اضافہ ہے ـ دیوان غالب کے تمام مجموعے اس سے خالی ہیں ـ

۹ہ کوئی نقطہ سہواً رہ گیا ہے مثلاً جفا

صفحہ ، ۲۵۷ ـ لہ ع ۲۱۹ : حسرتِ دیدار ٹہ ع ۲۱۹ : دست تہ سنگ آمدہ سہ یہ شعر بعد میں حاشیے پر اضافہ

مہ نسخہ حمیدیہ میں صرف یہی ایک شعر ہے ۔ ھہ ع ۲۱۹ : معلوم ہوا حال

لہ ع ۱۰۹ : خطِ سبزہ کہ ع ۱۰۹ : ہے مشقِ وفا

صفحہ ، ۲۵۹۔ ۱؎ پہلے یوں تھا: اسد اس فصل میں کوتاہی نشوونما سمجھو ، اگر گل بہ قد شمشاد پیراہن ہو جاوے ۲؎ یہ شعر دیوانِ غالب کے کسی نسخے میں نہیں

۳؎ ع ۱۰۵ : زبس طوفانِ آب و گل ہے غافل کیا تعجب ہے ۴؎ ع ۱۰۵ : حلِ تصرف کر

صفحہ ، ۲۶۱۔ ۱؎ ع : ۹۲ ۲؎ ع ۹۷ : کردگاں لبریز آہیں ۳؎ حمیدیہ اور شیرانی میں یہ شعر نہیں ہے۔

صفحہ ، ۲۶۳۔ ۱؎ ع ۱۰۹ : ذوقِ طرب ۲؎ یہ غزل دیوانِ غالب کے کسی نسخے میں نہیں ملتی۔

۳؎ پہلے مصرع یوں تھا: آئے ہیں اسد ہم رہ اقلیم عدم سے

صفحہ ، ۲۶۵۔ ۱؎ ع ۸۹ : اسے مقطع بنا دیا ہے : بیابانِ فنا ہے بعد صحرائے طلب غالب۔

۲؎ ناگوارا کا الف سہواً رہ گیا ہے۔ ع ۸۹ میں مقطع یہ نہیں ہے۔ بلکہ یہ غزل نمبر ۲۰۲ کا پانچواں شعر ہے اور پہلا مصرع یوں ہے : زبس جز حسنِ منت ناگوارا ہے طبیعت پر ۳؎ ع ۱۰۰ : ناخنِ تیغ تباں شاید کہ

۴؎ ع ۱۰۰ : کہنۂ دل رکھتے ہیں جو مردگی ۵؎ ع ۱۰۰ : نازہ

۶؎ ق : رفتہ کو ۷؎ ق : حلقۂ گرداب جوہر کو بنا ڈالے تنور

صفحہ ، ۲۶۷ ۱؎ ق : رحمت ۲؎ ق : ناامیدی ہے ۳؎ ق : ہوں سراپا یک قلم تسلیم جو مولا کرے ۴؎ ع ۲۱۱ : ناز سے۔

۵؎ چوتھا شعر اور مقطع ق میں اور باقی اشعار دیوان متداول میں ملتے ہیں دو شعر بعد میں اضافہ کئے گئے ہیں۔ جو اس مخطوطے میں نہیں ہیں۔

۶؎ حمیدیہ : جلوہ دکھاتے ہیں۔ ۷؎ حمیدیہ : پرِ طاؤس برقِ ابرِ چشم اشک باراں ہے۔

۸؎ حمیدیہ : بوئے زلفِ مشکیں یہ دماغ آشفتہ رم ہے ۹؎ یہ ع ۲۱۰ میں اور غزل نمبر ۲۱۵ کا دوسرا شعر ہے۔

صفحہ ، ۲۶۹۔ ۱؎ ع ۲۱۰ ۲؎ ع ۸۱ عہ اصل : سیر خوش

۳؎ ع ۸۳ : نگاہ نازِ چشمِ یار میں زنارِ مینا ہے ۴؎ ع ۸۴ : نباز ۵؎ ع ۸۴ : ہجومِ ریزشِ خون کے سبب رنگ اڑ نہیں سکتا

۶؎ ع ۸۴ : اسد گر نام والا سے علی ۷؎ ع ۸۴ : غریقِ بحرِ خوں

صفحہ ، ۲۷۱۔ ۱؎ ع ۸۴ : عزیز و ذکرِ وصلِ غیر سے مجھکو نہ بہلاؤ۔ ۲؎ ع ۸۴ : کہ یاں افسونِ خواب

۳؎ ع ۸۴ : بباغ ۴؎ ع ۸۴ : خانہ ویرانی ۵؎ ع ۸۴ : مجھے شب ہائے

۶؎ ع ۸۴ : میں مقطع کا اضافہ ہے جو اس نسخے میں نہیں ہے ۷؎ ع ۸۴ : کہ جامِ بادہ کف بر لب بہ تکلیفِ تقاضا ہے۔

۸؎ ع ۸۴ : بوسہ روے تماشا ۹؎ ع ۸۴ : کفِ دامانِ صحرا

۱۰؎ ع ۸۴ : نہ سووے آبلوں میں گر سرشکِ دیدۂ نم سے بہ جولاں گاہ نومیدی نگاہِ عاجزاں پا ہے

۱۱؎ ع ۸۴ : زکھ ۱۲؎ ع ۱۰۳ : یک سرود ۱۳؎ حمیدیہ میں ایک شعر کا اضافہ ہے۔

۱۴؎ پوری غزل قلم زد کر دی ہے۔ یہ اور کسی نسخے میں نہیں ملتی

صفحہ ، ۲۷۳۔ ۱؎ ع ۱۰۳ : قطرہ جو آنکھوں سے ٹپکا سوز نگہ آلودہ ہے ۲؎ ع ۱۰۳ : دام گاہِ عجز میں سامانِ آسائش کہاں

۳؎ ع ۱۰۳ : پرفشانی بھی ۴؎ ع ۱۰۳ : اے ہوس عرضِ بساطِ نازِ مشتاقی نمانگ

۵؎ ع ۱۰۳ : یکسر داغ ۶؎ ع ۱۰۳ : تیرگی سے داغ کی

۷ ع ۱۰۳ : اہلِ عزا ۸ ع ۱۰۳ : پنبۂ مینائی ہی ۹ ع ۱۰۲ : شیوۂ عشق

صفحہ ، ۲۷۵ - ۱ ع ۱۰۲ : ہجومِ ضبطِ فغاں سے مری زبانِ خموش بزنگ بستۂ زہراب دادہ پیکاں ہے

۲ ع ۱۰۲ : جلوہ فزا ہے ۳ ع ۱۰۲ : کہ بخیہ جلوۂ آثارِ زخمِ دنداں ہے۔

۴ ع ۱۰۲ : خاطر ۵ ع ۱۰۲ : یہ شعر ندارد ۶ ع ۱۱۳

۷ ع ۱۰۳ : پاسے حنائی بزنگِ پرتوِ خور ۸ ع ۲۱۳

صفحہ ، ۲۷۷ - ۱ پوری غزل لکھ کر قلم زد کر دی ہے۔ یہ اور کسی نسخے میں نہیں ملتی ۲ پہلے 'کو' کی جگہ 'از' لکھا تھا۔

۳ یہ شعر اور نسخوں میں نہیں ہے ع ۸۲ میں اس کی جگہ دوسرا شعر ملتا ہے۔

۴ ع ۸۲ : جادو ہے یار کی روشِ گفتگو ۵ ع ۸۰ : پھروں

صفحہ ، ۲۷۹ - ۱ ع ۸۰ : پانی پیو کسو پہ کوئی جیسے وار کے

۲ ع ۲۱۰ : آغوشِ گل کشادہ براے وداع ہے اے عندلیب چل کہ چلے دن بہار کے

۳ ع ۹۸ : وہمِ توانائی

صفحہ ، ۲۸۱ - ۱ پوری غزل لکھ کر قلم زد کر دی ہے ۲ غالب نے کثافت کی جگہ سہواً کسافت لکھا ہے

۳ یہ پوری غزل قلم زد کر دی ہے۔ یہ اور کسی نسخے میں نہیں ملتی

صفحہ ، ۲۸۳ - ۱ ع ۹۸ : از مستی گذشتنی ہے ۲ ع ۹۸ : غیر پامالی ۳ ع ۹۷ : نگاہِ یار نے جب

۴ ع ۹۷ : دیا ابرو کو چھیڑا اور اس نے فتنے کو اشارت کی ۵ ع ۹۷ : نہیں یزش عرق کی، اب اسے ذوبانِ اعضا سے

۶ غالب نے سہواً نے کی جگہ کی لکھا ہے ۷ ع ۹۷ : بوقت گریہ آنکھوں سے

صفحہ ، ۲۸۵ - ۱ ع ۹۸ : یہ شعر ندارد، اس کی جگہ ایک شعر کا اضافہ ۲ ع ۹۸ : دریغا وہ مریضِ غم کہ

۳ ع ۹۸ : اسد مجھ میں ہے اس کے بوسۂ پا کی کہاں جرأت

۴ پوری غزل غالب نے قلم زد کر دی ہے۔ اور کسی نسخے میں نہیں ملتی۔

صفحہ ، ۲۸۷ - ۱ ع ۹۲ : عکس گلہاے سمن سے چشمہ ہاے باغ ہیں ۲ ع ۹۲

۳ پہلے یوں لکھا تھا : بر قدِ شمشاد گل ۴

۵ ع ۹۳ ۶ ع ۱۱۵

صفحہ ، ۲۹۳ - ۱ کلیاتِ غالب فارسی : ۵۰۴

۲ کلیات : شاہیم زبانہ افسر داغ اورنگ

۳ پہلے لکھا تھا : بے الفت لیکن یکسہ زباں و یک دل ہونا

دیوانِ غالب کا ایک نادر انتخاب

امتیاز علی عرشی

رضا لائبریری میں دیوان مومن کا ایک بیش قیمت نسخہ محفوظ ہے، جو مومن کا دیکھا ہوا، اور اُن کا اصلاحی ہے۔
اس نسخے کے شروع اور آخر میں متعدد اوراق شامل ہیں۔ شروع کے ورقوں کی تعداد ۲۱ ہے۔ ان میں ۱۵ ب تک ہندی کے کبت وغیرہ مندرج ہیں۔ ورق ۱۶ ب سے دیوان غالب اردو کا انتخاب شروع ہوتا ہے، جو ورق ۲۱ ب پر ختم ہوگیا ہے۔ یہ انتخاب غزلیات کا ہے۔ ورق ۲۲ ب سے دیوان مومن کا آغاز ہوا ہے، اور یہ دیوان ورق ۱۲۹ الف پر ختم ہو گیا ہے۔ بیچ میں ورق ۱۲۹ الف سے ۱۲۰ ب تک صنعت تخلص ایک شاعر کے مخمس اور کسی ہندی شاعر کا ایک کبت درج ہوا ہے۔ ورق ۱۲۹ ب پر غالب کا چکنی ڈلی سے متعلق قطعہ لکھا گیا ہے۔ جس کے آخر میں ایک رباعی ہے۔ اس کے بعد کے ورقوں میں فارسی، اُردو ہندی کے مختلف شعر اور قطعات تاریخ اور مختلف امراض کے مجرب نسخے ملتے ہیں۔ نیز نواب ہدایت علی خاں صاحب کے حسابات بھی مندرج ہیں، موصوف الذکر نواب یوسف علی خاں بہادر ناظم شاگرد غالب کے حقیقی چچیرے بھائی اور مومن خاں کے شاگرد تھے۔ ہندی کے بھی بڑے شاعر شمار کیے جاتے تھے۔ امیر مینائی نے انتخاب یادگار (صفحہ ۲۶۴) میں غربت تخلص کے تحت ان کا ذکر کیا ہے
اس صحبت میں انتخاب دیوان غالب کے بارے میں کچھ عرض کر کے وہ انتخاب آپ کی خدمت میں پیش کر دینا ہے۔
یہ انتخاب معمولی شکستہ آمیز خط میں کسی نامعلوم الاسم کاتب نے نقل کیا ہے۔ کاتب کم سواد نظر آتا ہے، اس لیے کہ اس نے دو جگہ اسد کا املا 'ص' سے لکھا ہے۔ انتخاب کے ۶ ورقوں میں شنجرف سے مسطر کشی کر کے درمیان میں شعر لکھے ہیں۔ کچھ شعر حاشیوں میں بھی درج ہیں، ان حواشی میں نیز متن کے اندر بھی متعدد اشعار بے محل لکھے گئے ہیں، جس کی وجہ سوائے سہو کے اور کوئی نظر آتی۔
یہ انتخاب دیوان کے کسی نسخے پر مبنی ہے، اس بارے میں قیاس یہ ہے کہ اس میں ایسا کوئی شعر نہیں ہے، جو ۱۲۴۸ھ کے مرتبہ دیوان کے بعد کے نسخے کا ہو، لہٰذا اسے ۱۲۴۸ھ یا اس کے قریب کے کسی نسخے پر مبنی ہونا چاہیے۔ اس کی تائید میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ انتخاب کے سرورق پر ۱۸۳۶ء تحریر ہے جو ۱۲۵۲ھ کے مطابق ہے۔ اور مخطوطۂ بدایوں جو اب لیاقت میوزیم کراچی میں محفوظ ہے، ۱۲۵۴ھ (۱۸۳۸ء) کا مرتبہ ہے۔ لہٰذا اسی انتخاب کو مخطوطۂ بدایوں سے کم از کم دو برس پہلے مرتب ہو جانا چاہیئے۔
۱۲۴۸ھ (۱۸۳۳ء) کے نسخے کی نقل سے اس انتخاب کا مقابلہ کرنے پر معلوم ہوا کہ ان دونوں کے متون میں دو ایک جگہ اہم اختلاف بھی ہے۔ مثلاً ۱۲۴۸ھ کے نسخے میں ہے:

تو اور سوئے غیر نظرہا سے تیز تیز — میں اور دُکھ تری مژہ ہائے دراز کا

یہی قرأت بعد کے تمام نسخوں میں ملتی ہے ۔ مگر اس انتخاب میں "نظر ہاے" کی جگہ "نگہ ہاے" ہے ۔ ممکن تھا کہ اس اختلاف کو کاتب کا سہو قرار دے دیا جاتا ۔ مگر غالب کے "گل رعنا" اور شیفتہ کے "گلشن بے خار" میں بھی "نگہ ہاے" ملتا ہے ۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے اس انتخاب کی بنا جس نسخے پر ہے، وہ ہمارے نسخے کی جگہ شیفتہ کے نسخۂ دیوان غالب کے مطابق تھا۔

اسی طرح انتخاب کی غزلوں کی ترتیب تو سنہ ۱۲۴۸ھ کے نسخے کے مطابق ہے مگر اشعار کی ترتیب جگہ جگہ مختلف ہے ۔ یہ بھی اسی کا نتیجہ معلوم ہوتا ہے کہ انتخاب کی اصل سنہ ۱۲۴۸ھ کے نسخے سے الگ کوئی نسخہ تھا۔

یہ انتخاب کئی وجوہ سے اہم ہے ۔ پہلی وجہ تو یہ ہے کہ دیوان غالب کا اتنا قدیم انتخاب کوئی دوسرا موجود نہیں ہے ۔ دوسرے اس انتخاب کا متن جگہ جگہ متداول نسخوں سے الگ ہے، ان میں سے بعض کاتب کی غلطی نہیں معلوم ہوتے، بلکہ ایسا نظر آتا ہے کہ نسخۂ اصل میں یہی الفاظ تھے، مثلاً سنہ ۱۲۴۸ھ کے نسخے اور بعض اور میں بھی شعر تحت اس طرح ہے :

حضرت ناصح جو آویں، دیدہ و دل فرش راہ   کوئی مجھ کو یہ تو سمجھا دو کہ سمجھاویں گے کیا

انتخاب میں "جو آویں" کی جگہ "گر آویں" ہے ۔ غالب کے بعد کے نسخوں میں یہی قرأت برقرار رکھی گئی ہے ۔ یا مصرع ذیل کے "اندر" ہم نے یہ مانا کہ دلی میں رہے، کھاویں گے کیا ۔" نسخۂ سنہ ۱۲۴۸ھ اور بعض دوسرے نسخوں میں "رہیں" ہے ۔ بعد میں غالب نے انتخاب والی قرأت کو متن میں رکھا ہے، اور نسخۂ عرشی میں بھی یہی لفظ متن کے اندر درج ہوئے ہیں ۔

امید ہے کہ غالب دوست اس انتخاب کو غالبیات میں ایک اہم اضافہ قرار دیں گے ۔

حاشیوں میں جن نسخوں کے حوالے دیئے گئے ہیں، اُن کی مفصل کیفیت دیوان غالب (نسخۂ عرشی) کے دیباچے میں دیکھی جائے ۔ یہاں صرف ان کے سالہائے سال ترتیب کا ذکر کیا جاتا ہے :

(الف) مخطوطات:
- ق (نسخۂ بھوپال یا حمیدیہ) ۱۲۳۷ھ = ۱۸۲۱ء
- تا (نسخۂ شیرانی، لاہور) ۱۲۴۲ھ = ۱۸۲۶ء
- گل (گل رعنا، انتخاب کلام اُردو و فارسی) ۱۲۴۵ھ = ۱۸۲۹ء
- قب (نسخۂ رام پور قدیم) ۱۲۴۸ھ = ۱۸۳۳ء
- قبا (نسخۂ لیاقت میوزیم کراچی) ۱۲۵۴ھ = ۱۸۳۸ء
- قد (نسخۂ رام پور جدید) ۱۲۷۱ھ = ۱۸۵۵ء

(ب) مطبوعات
- م (طبع اوّل، دہلی) ۱۲۵۷ھ = ۱۸۴۱ء
- مب (طبع سوم، دہلی) ۱۲۷۸ھ = ۱۸۶۱ء
- مج (طبع چہارم کانپور) ״ = ۱۸۶۲ء
- مد (طبع پنجم آگرہ) ۱۲۸۰ھ = ۱۸۶۳ء
- لطیف (طبع حیدرآباد تصحیح و ترتیب ڈاکٹر سید عبداللطیف) ۱۳۴۷ھ = ۱۹۲۸ء

یہ آخری ایڈیشن ناتمام رہ گیا، اور مطبوعہ فرمے پریس میں آگ لگ جانے کے باعث تباہ ہو گئے۔ مجھے وہ فرمے مرحوم مکین کاظمی صاحب سے ملے تھے۔

۲۶ را پریل ۱۹۶۹ء

امتیاز علی عرشی
رام پور

از کلام جناب مرزا نوشہ صاحب متخلص بہ اسد و غالب

رب یسر، بسم اللہ الرحمن الرحیم، وتمم بالخیر، وبہ نستعین

نقشِ فریادی ہے کس کی شوخیِ تحریر کا؟
کاغذی ہے پیرہن ہر پیکرِ تصویر کا

کاوِ کاوِ سخت جانیہائے تنہائی نہ پوچھ
صبح کرنا شام کا لانا ہے جوئے شیر کا

جذبۂ بے اختیارِ شوق دیکھا چاہیئے
سینۂ شمشیر سے باہر ہے دَم شمشیر کا

بس کہ ہوں غالبؔ، اسیری میں بھی آتش زیرپا
موئے آتش دیدہ ہے حلقہ مری زنجیر کا

جراحت تحفہ، الماس ارمغاں، داغِ جگر ہدیہ
مبارکباد اسدؔ، غمخوارِ جانِ دردمند آیا

تھا خواب میں خیال کو تجھ سے معاملہ
جب آنکھ کھل گئی، نہ زیاں تھا، نہ سود تھا

ڈھانپا کفن نے داغِ عیوبِ برہنگی
میں ورنہ، ہر لباس میں ننگِ وجود تھا[1]

لیتا ہوں مکتبِ غمِ دل میں سبق ہنوز
لیکن یہی کہ "رفت" گیا، اور "بود" تھا

تیشے بغیر مر نہ سکا کوہ کن، اسدؔ
سرگشتۂ خمارِ رسوم و قیود تھا

عشق سے طبیعت نے زیست کا مزا پایا
درد کی دوا پائی، دردِ بے دوا پایا[2]

کہتے ہو: نہ دیں گے دل[3] ہم، اگر پڑا پایا
دل کہاں کہ گم کیجیے ہم نے مدعا پایا[4]

حالِ دل نہیں معلوم، لیکن اس قدر یعنی
ہم نے بارہا ڈھونڈھا، تم نے بارہا پایا[5]

---

[1] قب میں یہ شعر اگلی بیت کے بعد ہے۔

[2] تمام نسخوں میں یہ مطلع ثانی ہے۔

[3] تمام نسخے: "نہ دیں گے ہم دل"

[4] یہ اور اگلا شعر دونوں اصل کے ورق ۱۷ الف کے حاشیے میں مندرج ہیں۔

[5] یہ اور آئندہ دو شعر قب میں نہیں ہیں۔

سادگی و پُرکاری، بے خودی و ہُشیاری — حسن کو تغافل میں جرأت آزما پایا
شورِ پندِ ناصح نے زخم پر نمک چھڑکا — آپ سے کوئی پوچھے: تم نے کیا مزا پایا؟

دل میں ذوقِ وصل و یادِ یار تک باقی نہیں — آگ اس گھر میں لگی ایسی کہ جو تھا جل گیا

بوئے گُل، نالۂ دل، دُودِ چراغِ محفل — جو تری بزم سے نکلا، سو پریشاں نکلا
دلِ حسرت زدہ تھا مائدۂ لذتِ درد — کام یاروں کا بقدرِ لب و دنداں نکلا

یہ لاشِ بے کفن اسدِ خستہ جاں کی ہے — حق مغفرت کرے! عجب آزاد مرد تھا

میں نے چاہا تھا کہ اندوہِ وفا سے چھوٹوں — وہ ستم گر مرے مرنے پہ بھی راضی نہ ہوا
کس سے محرومیٔ قسمت کی شکایت کیجے — ہم نے چاہا تھا کہ مر جائیں، سو وہ بھی نہ ہوا

مر گیا صدمۂ یک جنبشِ لب سے غالب
ناتوانی سے حریفِ دمِ عیسیٰ نہ ہوا

بغل میں غیر کی آج آپ سوتے ہیں کہیں، ورنہ — سبب کیا، خواب میں آکر تبسم ہائے پنہاں کا؟

تو اور سوئے غیر نگہ ہائے[1] تیز تیز — میں اور دُکھ تری مژہ ہائے دراز کا

گریہ چاہے ہے خرابی مرے کاشانے کی — در و دیوار سے ٹپکے ہے بیاباں ہونا
عشرتِ قتل گہِ اہلِ تمنا مت پوچھ — عیدِ نظارہ ہے شمشیر کا عُریاں ہونا[2]
کی مرے قتل کے بعد اُس نے جفا سے توبہ — ہائے! اُس زود پشیماں کا پشیماں ہونا

حیف! اُس چار گرہ کپڑے کی قسمت، غالب
جس کی قسمت میں ہو عاشق کا گریباں ہونا

---

[1] گُل رعنا اور گلشن بے خار میں بھی یوں ہی ہے۔ اور تمام نسخوں میں "نظر ہائے" ملتا ہے۔
[2] یہ شعر اصل میں ورق ۲۱ الف کے حاشیے میں ردیف کاف فارسی کے بعد لکھا گیا ہے۔

دوست غم خواری میں میری سعی فرماویں[1] گے کیا
زخم کے بھرتے تلک ناخن نہ بڑھ جاویں گے کیا؟

حضرتِ ناصح گر آویں[2]، دیدہ و دل فرشِ راہ!
کوئی مجھ کو یہ تو سمجھا دو کہ سمجھاویں گے کیا

بے نیازی حد سے گزری، بندہ پرور، کب تلک
ہم کہیں گے حالِ دل، اور آپ فرماویں گے "کیا"؟

آج واں تیغ و کفن باندھے ہوئے جاتا ہوں میں
عذر میرے قتل کرنے میں وہ اب لاویں گے کیا

خانہ زادِ زلف ہیں، زنجیر سے بھاگیں گے کیوں؟
ہیں گرفتارِ وفا، زنداں سے گھبراویں گے کیا؟

ہے اب اس معمورے میں قحطِ غمِ الفت، اسد
ہم نے یہ مانا کہ دلی میں رہیے[3]، کھاویں گے کیا؟

نہ دے نامے کو اتنا طول غالبؔ، مختصر لکھ دے
کہ حسرت سنج ہوں عرضِ ستم ہائے جدائی کا

پھر مجھے دیدۂ تر یاد آیا — دل، جگر تشنۂ فریاد آیا
دم لیا تھا نہ قیامت نے ہنوز — پھر ترا وقتِ سفر یاد آیا
عذرِ واماندگی، اے حسرتِ دل — نالہ کرتا تھا، جگر یاد آیا
پھر ترے کوچے کو جاتا ہے خیال — دلِ گم گشتہ مگر یاد آیا
آہ! وہ جرأتِ فریاد کہاں — دل سے تنگ آ کے جگر یاد آیا
کوئی ویرانی سی ویرانی ہے! — دشت کو دیکھ کے گھر یاد آیا

---

[1] گلشنِ بے خار، مد اور حمیدیہ میں "ئیں گے" ہر جگہ۔
[2] قب، قبا، م اور گلدستۂ نازنیناں میں: "جو آویں"۔
[3] قب، قبا، م، مب، مج، گلدستۂ نازنیناں: "رہیں"۔

میں نے مجنوں پہ لڑکپن میں اسدؔ
سنگ اُٹھایا تھا کہ سر یاد آیا

ہمہ ناامیدی، ہمہ بد گمانی
میں دل ہوں فریبِ وفا خوردگاں کا

تو دوست کسو کا بھی، ستم گر، نہ ہوا تھا
اوروں پہ ہے وہ ظلم کہ مجھ پر نہ ہوا تھا

جب تک کہ نہ دیکھا تھا قدِ یار کا عالم
میں معتقدِ فتنۂ محشر نہ ہوا تھا

میں سادہ دل آزردگیِ یار سے خوش ہوں
یعنی سبقِ شوقِ مکرر نہ ہوا تھا

رشک کہتا ہے کہ اُس کا غیر سے اخلاص حیف!
عقل کہتی ہے کہ وہ بے مہر کسی کا آشنا

اُس[1] سے قسمت میں مری صورتِ قفلِ ابجد
تھا لکھا بات کے بنتے ہی جُدا ہو جانا

اب جفا سے بھی ہیں محروم ہم، اللہ اللہ!
اس قدر دشمنِ اربابِ وفا ہو جانا

ضعف سے گریہ مُبدّل بہ دمِ سرد ہوا
باور آیا ہمیں پانی کا ہوا ہو جانا

دل سے مٹنا تری انگشتِ حنائی کا خیال
ہو گیا گوشت سے ناخن کا جُدا ہو جانا

مُند گئیں کھولتے کھولتے آنکھیں، غالبؔ
یار لائے مری بالیں پہ اُسے، پر کس وقت

عشق میں بیدادِ رشکِ غیر نے مارا مجھے
کشتۂ دشمن ہوں آخر، گرچہ تھا بیمارِ دوست

غیر یوں کرتا ہے پُرسش[2] میری اُس کے ہجر میں
بے تکلف دوست ہو جیسے کوئی غم خوارِ دوست

تاکہ میں جانوں کہ ہے اُس کی رسائی واں تلک
مجھ کو دیتا ہے پیامِ وعدۂ دیدارِ دوست

جب کہ میں کرتا ہوں اپنا شکوۂ ضعفِ دماغ
وہ کرے ہے پھر حدیثِ زلفِ عنبر بارِ دوست

چپکے چپکے مجھ کو روتے دیکھ پاتا ہے اگر
مجھ سے کرتا ہے بیانِ شوخیِ گفتارِ دوست

یہ غزل اپنی مجھے جی سے پسند آئی ہے آپ
ہے ردیفِ شعر میں، غالبؔ، زبس تکرارِ دوست

حسن غمزے کی کشاکش سے چھٹا میرے بعد
بارے آرام سے ہیں اہلِ جفا میرے بعد

---

[1] تمام نسخے: "تجھ"۔

[2] قب وغیرہ: "مری پرسش"۔ حمیدیہ اور لطیف میں: "پرسش مجھ سے اُس کے"۔ مگر یہ سہوِ کاتب معلوم ہوتا ہے۔

شمع بجھتی ہے، تو اُس میں سے دھواں اُٹھتا ہے　　شعلۂ عشق سیہ پوش ہوا میرے بعد
غم سے مرتا ہوں کہ اتنا نہیں دنیا میں کوئی　　کہ کرے تعزیتِ اہلِ وفا میرے بعد

ہجومِ گریہ کا سامان کب کیا میں نے　　کہ گر پڑے نہ مرے پانو پہ در و دیوار

زنار ڈال[1]، سبحۂ صد دانہ توڑ ڈال　　رہرو چلے ہے راہ کو ہموار دیکھ کر[2]
سر پھوڑنا وہ غالبِ شوریدہ حال کا　　یاد آگیا مجھے تری دیوار دیکھ کر[3]

نہ چھوڑی حضرتِ یوسف نے یاں بھی خانہ آرائی　　سفیدی دیدۂ یعقوب کی پھرتی ہے زنداں پر
مجھے اب دیکھ کر ابرِ شفق آلودہ یاد آیا　　کہ فرقت میں تری آتش برستی تھی گلستاں پر[4]

فلک سے ہم کو عیشِ رفتہ کا کیا کیا تقاضا ہے　　متاعِ بُردہ کو سمجھے ہوئے ہیں قرض رہزن پر
اسد بسمل ہے کس انداز کا، قاتل سے کہتا تھا　　کہ مشقِ ناز کر، خونِ دو عالم میری گردن پر

مے خانۂ جگر میں یہاں خاک بھی نہیں　　خمیازہ کھینچے ہے بُتِ بیدادِ فن ہنوز

مژدہ اے ذوقِ اسیری، کہ نظر آتا ہے　　دامِ خالی قفسِ مرغِ گرفتار کے پاس[5]

جادۂ رہ خور کو وقتِ شام ہے تارِ شعاع　　چرخ وا کرتا ہے ماہِ نو سے آغوشِ وداع

آہ کو چاہیے اِک عمر اثر ہوتے تک　　کون جیتا ہے تری زلف کے سر ہوتے تک[6]
دامِ ہر موج میں ہے حلقۂ صد کامِ نہنگ　　دیکھیں، کیا گزرے ہے قطرے پہ گہر ہوتے تک
عاشقی صبر طلب، اور تمنا بے تاب　　دل کا کیا رنگ کروں خونِ جگر ہوتے تک

---

[1] تمام نسخے: "باندھ" یہ سہو کاتب معلوم ہوتا ہے۔
[2] یہ شعر ورق ۲۱ ب کے حاشیے میں ردیف "یا" کے شعروں کے ساتھ مندرج ہے۔
[3] یہ شعر ورق ۲۱ الف کے حاشیے میں ردیف "یا" کے اشعار کے ساتھ مندرج ہے۔
[4] یہ شعر ورق ۲۱ الف کے حاشیے میں ردیف "یا" کے اشعار میں مندرج ہے۔
[5] یہ شعر ورق ۱۹ الف کے متن میں ردیف النون کے اشعار کے اندر درج ہوا ہے۔
[6] یہ تین شعر ورق ۲۱ الف کے حاشیے میں مندرج ہیں۔

ہم نے مانا کہ تغافل نہ کرو گے، لیکن — خاک ہوجاویں[1] گے ہم تم کو خبر ہونے تک

آتا ہے داغِ حسرتِ دل کا شمار یاد — میرے گنہ کا مجھ سے حساب، اے خدا، نہ مانگ[2]

میں اور صد ہزار نوائے جگر خراش — تو اور ایک وہ نہ شنیدن کہ کیا کہوں

ظالم، مرے گماں سے مجھے منفعل نہ چاہ — ہے ہے! خدا نکردہ، تجھے بے وفا کہوں

نالہ جز حسنِ طلب، اے ستم ایجاد، نہیں — ہے تقاضائے جفا، شکوۂ بیداد نہیں

عشق و مزدوریِ عشرت گہِ خسرو، کیا خوب! — ہم کو تسلیم نکو نامیِ فرہاد نہیں

کم نہیں وہ بھی خرابی میں، پہ وسعت معلوم! — دشت میں ہے مجھے وہ عیش کہ گھر یاد نہیں

آہ کا کس نے اثر دیکھا ہے — ہم بھی ایک اپنی ہوا باندھتے ہیں

اہلِ تدبیر کی وا ماندگیاں — آبلوں پر بھی حنا باندھتے ہیں

دیوانگی میں[3] دوش پہ زنار بھی نہیں — یعنی ہمارے جیب میں اک تار بھی نہیں

دل کو نیازِ حسرتِ دیدار کر چکے — دیکھا، تو ہم میں طاقتِ دیدار بھی نہیں

ملنا ترا اگر نہیں آساں، تو سہل ہے — دشوار تو یہی ہے کہ دشوار بھی نہیں

بے عشق عمر کٹ نہیں سکتی ہے، اور یاں — طاقت بقدرِ لذتِ آزار بھی نہیں

شوریدگی کے ہاتھ سے ہے وبالِ دوش — صحرا میں، اے خدا، کوئی دیوار بھی نہیں

گنجائشِ عداوتِ اغیار یک طرف — یاں دل میں ضعف سے ہوسِ یار بھی نہیں

اس سادگی پہ کون نہ مر جائے، اے خدا — لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

ودیعت خانۂ بیدادِ کاوش ہائے مژگاں ہوں
نگینِ نامِ شاہد ہے مرا ہر قطرہ خوں تن میں

نہ جانوں نیک ہوں یا بد ہوں، پر صحبت مخالف ہے
جو گل ہوں، تو ہوں گلخن میں، جو خس ہوں تو ہوں گلشن میں

---

[1] تمام نسخے: "ہو جائیں گے"۔

[2] یہ شعر بھی ورق ۲۱ الف کے حاشیے میں درج ہوا ہے۔

[3] تمام نسخے: "سے"۔ بظاہر "میں" سہو کاتب معلوم ہوتا ہے۔

ہوئی ہے مانعِ ذوقِ تماشا خانہ ویرانی
کفِ سیلاب باقی ہے بہ رنگِ پنبہ روزن میں[1]
اسد، زندانیِ تاثیرِ الفت ہائے خوباں ہوں
خمِ دستِ نوازش ہو گیا ہے طوق گردن میں

بھلا اُسے نہ سہی، کچھ مجھی کو رحم آتا — اثر مرے نفسِ بے اثر میں خاک نہیں

غنچۂ ناشگفتہ کو دُور سے مت دِکھا کہ یوں — بوسے کو پوچھتا ہوں میں، منہ سے مجھے بتا کہ یوں
رات کے وقت مے پیے، ساتھ لیے رقیب کو — آوے وہ یاں خدا کرے، پر نہ کرے خُدا کہ یوں

پیدا ہوئی ہے، کہتے ہیں، ہر درد کی دوا — یوں ہو، تو چارۂ غمِ الفت ہی کیوں نہ ہو[2]
ہے مجھ کو تجھ سے تذکرۂ غیر کا گلہ — ہر چند بر سبیلِ شکایت ہی کیوں نہ ہو
چھوڑا نہ مجھ میں ضعف نے رنگ اختلاط کا — ہے دل پہ بار، نقشِ محبت ہی کیوں نہ ہو

ہے سبزہ زار ہر در و دیوارِ غم کدہ — جس کی بہار یہ ہو، پھر اُس کی خزاں نہ پوچھ

بساطِ عجز میں تھا ایک دل، یک قطرہ خوں وہ بھی — سو رہتا ہے باندازِ چکیدن سرنگوں وہ بھی
رہے اُس شوخ سے آزردہ ہم چندے تکلف سے — تکلف برطرف، تھا ایک اندازِ جنوں وہ بھی
مرے دل میں ہے، غالبؔ، شوقِ وصل و شکوۂ ہجراں — خدا وہ دن کرے جو اُس سے میں یہ بھی کہوں وہ بھی

لیتا نہیں مرے دلِ آوارہ کی خبر — اب تک یہ[3] جانتا ہے کہ میرے ہی پاس ہے
ہے وہ غرورِ حسن سے بیگانۂ وفا — ہر چند اُس کے پاس دلِ حق شناس ہے

عشق مجھ کو نہیں، وحشت ہی سہی — میری وحشت تری شہرت ہی سہی
قطع کیجے نہ تعلق مجھ سے — کچھ نہیں ہے، تو عداوت ہی سہی
میرے ہونے میں ہے کیا رسوائی — اے وہ مجلس نہیں، خلوت ہی سہی[4]

---

[1] قب میں یہ شعر حسنِ مطلع ہے۔
[2] قب میں ترتیبِ اشعار یوں ہے: چھوڑا نہ، ہے مجھ کو، پیدا ہوئی ہے۔
[3] تمام نسخے: "مرہ"
[4] قب میں ترتیبِ اشعار یہ ہے "میرے ہونے، ہم بھی دشمن، ہم بھی تسلیم، ہم کوئی ترک وفا۔"

ہم کوئی ترکِ وفا کرتے ہیں — نہ سہی عشق، مصیبت ہی سہی
ہم بھی تسلیم کی خُو ڈالیں گے — بے نیازی تری عادت ہی سہی
ہم بھی دشمن تو نہیں ہیں اپنے — غیر کو تجھ سے محبت ہی سہی

یار سے چھیڑ چلی جائے، اسدؔ
گر نہیں وصل، تو حسرت ہی سہی

میں نامراد دل کی تسلی کو کیا کروں — مانا کہ تیرے رُخ سے نگہ کامیاب ہے
گزرا، اسدؔ، مسرتِ پیغامِ یار سے — قاصد پہ مجھ کو رشکِ سوال و جواب ہے

دیکھنا قسمت کہ آپ اپنے پہ رشک آ جائے ہے
میں اُسے دیکھوں، بھلا کب مجھ سے دیکھا جائے ہے

غیر کو، یارب، وہ کیونکر منعِ گستاخی کرے
گر حیا بھی آئے ہے اُس کو، تو شرما جائے ہے

ہو کے عاشق، وہ پری رُخ اور نازک بن گیا
رنگ کُھلتا جائے ہے جتنا کہ اُڑتا جائے ہے

نقش کو اُس کے مصوّر پر بھی کیا کیا ناز ہے
کھینچتا ہے جس قدر، اُتنا ہی کِھنچتا جائے ہے

اُگ رہا ہے در و دیوار سے سبزہ، غالبؔ — ہم بیاباں میں ہیں، اور گھر میں بہار آئی ہے

گرچہ ہے کس کس برائی سے، ولے با ایں ہمہ — ذکر میرا مجھ سے بہتر ہے کہ اُس محفل میں ہے
دیکھنا تقریر کی خوبی کہ جو اُس نے کہا — میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

وہ بادۂ شبانہ کی سرمستیاں کہاں — اُٹھیے بس اب کہ لذّتِ خوابِ سحر گئی

پھر اُسی بے وفا پہ مرتے ہیں — پھر وہی زندگی ہماری ہے
بیخودی بے سبب نہیں، غالبؔ — کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

ے نامِ نسخے: "گر حیا بھی اُس کو آتی ہے"

نالے عدم میں چند ہمارے سپرد تھے — جو واں نہ کھنچ سکے، سو وہ یاں آ کے دم ہوئے

دے مجھ کو شکایت کی اجازت کہ ستم گر — کچھ تجھ کو مزہ بھی مرے آزار میں آوے

مر جاؤں نہ کیوں رشک سے جب وہ تنِ نازک — آغوشِ خمِ حلقۂ زُنّار میں آوے

نہ ہوئی گر مرے مرنے سے تسلی، نہ سہی — امتحاں اور بھی باقی ہو، تو یہ بھی نہ سہی

ایک ہنگامے پہ موقوف ہے گھر کی رونق — نوحۂ غم ہی سہی، نغمۂ شادی نہ سہی

کب وہ سنتا ہے کہانی میری — اور پھر وہ بھی زبانی میری

چاہیے اچھوں کو جتنا چاہیے — یہ اگر چاہیں، تو پھر کیا چاہیے

چاہنے کو تیرے کیا سمجھا تھا دل — بارے، اب اس سے بھی سمجھا چاہیے

چاک مت کر جیب بے ایامِ گل — کچھ اُدھر کا بھی اشارا چاہیے

منحصر مرنے پہ ہو جس کی اُمید — نا اُمیدی اُس کی دیکھا چاہیے

چاہتے ہیں خوبرویوں کو اسد — آپ کی صورت تو دیکھا چاہیے

غالبؔ، اِن مہ طلعتوں کے واسطے — چاہنے والا بھی اچھا چاہیے

وحشتِ آتشِ دل سے شبِ تنہائی میں — دود کی طرح رہا سایہ گریزاں مجھ سے

اثرِ آبلہ سے جادۂ صحرائے جنوں — صورتِ رشتۂ گوہر ہے چراغاں مجھ سے

کرے ہے قتل لگاوٹ میں تیرا رو دینا — تری طرح کوئی تیغِ نگہ کو آب تو دے

دکھا کے جنبشِ لب ہی تمام کر ہم کو — نہ دے جو بوسہ، تو منہ سے کہیں جواب تو دے

پلا دے اوک سے ساقی، جو ہم سے نفرت ہے — پیالہ گر نہیں دیتا نہ دے، شراب تو دے

تپش سے میری وقفِ کشمکش ہر تارِ بستر ہے — مرا سر رنجِ بالیں ہے، مرا تن بارِ بستر ہے

سرشک سر بصحرا دادہ نور العینِ دامن ہے — دلِ بے دست و پا افتادہ، برخوردارِ بستر ہے

خوشا! اقبالِ رنجوری، عیادت کو تم آئے ہو — فروغِ شمعِ بالیں طالعِ بیدارِ بستر ہے

کیوں بوتے ہیں باغباں تونبے — گر باغ گدائے مے نہیں ہے

کیوں ردِّ قدح کرے ہے زاہد
مے ہے، یہ مگس کی قے نہیں ہے

ہستی ہے، نہ کچھ عدم ہے، غالبؔ
آخر کو تو کیا ہے، اے نہیں ہے

مرتے مرتے دیکھنے کی آرزو رہ جائے گی
وائے! ناکامی کہ اُس کافر کا خنجر تیز ہے

وائے! واں بھی شورِ محشر نے نہ دم لینے دیا
لے گیا تھا گور میں ذوقِ تن آسانی مجھے

وعدہ آنے کا وفا کیجے یہ کیا انداز ہے
تم نے کیوں سونپی ہے میرے گھر کی دربانی مجھے

خدایا، جذبۂ دل کی مگر تاثیر اُلٹی ہے
کہ جتنا کھینچتا ہوں، اور کھنچتا جائے ہے مجھ سے

قیامت ہے کہ ہووے مدعی کا ہم سفر، غالبؔ
وہ کافر جو خدا کو بھی نہ سونپا جائے ہے مجھ سے

رونے سے اور عشق میں بے باک ہو گئے
دھوئے گئے ہم ایسے[1] کہ بس پاک ہو گئے

کہتا ہے کون نالۂ بلبل کو بے اثر؟
پردے میں لاکھ[2] گل کے جگر چاک ہو گئے

کرنے گئے تھے اُس سے تغافل کا بس[3] گلہ
کی ایک ہی نگاہ کہ بس خاک ہو گئے

زندگی میں تو وہ محفل سے اُٹھاتے تھے مجھے[4]
دیکھوں، اب مر گئے پر کون اُٹھاتا ہے مجھے

لبِ عیسیٰ کی جنبش کرتی ہے گہوارہ جنبانی
قیامت کشتۂ لعلِ بتاں کا خوابِ سنگیں ہے

بیچ آ پڑی ہے وعدۂ دلدار کی مجھے
وہ آوے، یا نہ آوے، یہاں انتظار ہے

ہوں میں بھی تماشائی نیرنگِ تمنا
مطلب نہیں کچھ اس سے کہ مطلب ہی بر آوے

غالبؔ، برا نہ مان جو واعظ بُرا کہے
ایسا بھی کوئی ہے کہ سب اچھا کہیں جسے

مدت ہوئی ہے یار کو مہماں کیے ہوئے
جوشِ قدح سے بزم چراغاں کیے ہوئے

۱۔ تمام نسخوں میں "اتنے" ہے۔ صرف گلشنِ بے خار متن کے موافق ہے۔

۲۔ تمام نسخے: "پردے میں گل کے لاکھ"۔

۳۔ تمام نسخے: "ہم" یہ سہوِ کاتب معلوم ہوتا ہے۔

۴۔ قب اور م میں مصرع یوں ہے: زندگی میں تو اُٹھاتے تھے وہ محفل سے مجھے۔ باقی نسخوں میں "زندگی میں تو وہ محفل سے اُٹھا دیتے تھے"۔ یہ عرض کر دوں کہ یہ شعر سب سے پہلے قب ہی میں ملتا ہے۔

کرتا ہوں جمع پھر جگرِ لخت لخت کو
عرصہ ہوا ہے دعوتِ مژگاں کیے ہوئے

پھر وضعِ احتیاط سے رُکنے لگا ہے دم
برسوں ہوئے ہیں چاک گریباں کیے ہوئے

پھر پرسشِ جراحتِ دل کو چلا ہے عشق
سامانِ صد ہزار نمکداں کیے ہوئے

دل پھر طوافِ کوئے ملامت کو جائے ہے
پندار کا صنم کدہ ویراں کیے ہوئے

پھر چاہتا ہوں نامۂ دلدار کھولنا
جاں نذرِ دلفریبیِ عنواں کیے ہوئے

مانگے ہے پھر کسی[1] کو لبِ بام پر ہوس
زلفِ سیاہ رُخ پہ پریشاں کیے ہوئے

چاہے ہے پھر کسی کو مقابل میں آرزو
سرمے سے تیز دشنۂ مژگاں کیے ہوئے

پھر دل[2] میں ہے کہ در پہ کسی[3] کے پڑے رہیں
سر زیرِ بارِ منتِ درباں کیے ہوئے

دل[4] ڈھونڈتا ہے پھر وہی فرصت کے رات دن
بیٹھے رہیں تصورِ جاناں کیے ہوئے

غالبؔ، ہمیں نہ چھیڑ کہ پھر جوشِ اشک سے
بیٹھے ہیں ہم تہیۂ طوفاں کیے ہوئے

تمام شد

کلام مرزا نوشہ متخلص باسد و غالب

قطعہ

ہے جو[5] صاحب کے کفِ دست پہ چکنی کی ڈلی[6]
زیب دیتا ہے، اسے جس قدر اچھا کہیے

خامہ انگشت بدنداں کہ اسے کیا لکھیے
ناطقہ سر بہ گریباں کہ اسے کیا کہیے

مہرِ مکتوبِ عزیزانِ گرامی لکھیے
حرزِ بازوے شگرفانِ خود آرا کہیے

مسی آلودہ سرِ انگشتِ حسیناں لکھیے
داغِ طرفِ جگرِ عاشقِ شیدا کہیے

خاتمِ دستِ سلیماںؑ کے مشابہ لکھیے
سرِ پستانِ پری زاد سے مانا کہیے

---

[1] تمام نسخے "کسو"۔ صرف گلشن بیخار" موافق متن ہے۔

[2] ق، قا، اور گل کے علاوہ: "جی"

[3] تمام نسخے قد، حج کے علاوہ "کسو"۔ یہ شعر قب میں اگلے شعر کے بعد ہے۔

[4] تمام نسخے: "جی"

[5] قب: ہے کفِ دست پہ صاحب کے جو یہ چکنی ڈلی۔

[6] تمام نسخے: "یہ چکنی ڈلی"

اخترِ سوختۂ قیس سے نسبت دیجے — خالِ مشکینِ رُخِ دل کشِ لیلیٰ کہیے

حجرالاسودِ دیوارِ حرم کیجے فرض — نافہ آہوے بیابانِ ختن کا کہیے

وضع میں اس[1] کو اگر سمجھیے قافِ تریاق — رنگ میں سبزۂ نوخیزِ مسیحا کہیے

صومعے میں اسے ٹھہرائیے گر مُہرِ نماز — میکدے میں اسے خشتِ خُمِ صہبا کہیے

کیوں اسے قفلِ درِ گنجِ محبت لکھیے؟ — کیوں اسے نقطۂ پرکارِ تمنّا کہیے؟

کیوں اسے گوہرِ نایاب تصوّر کیجے؟ — کیوں اسے مردمکِ دیدۂ عنقا کہیے

کیوں اسے تکمۂ پیراہنِ لیلیٰ کہیے[2]؟ — کیوں اسے نقشِ پےِ ناقۂ سلمیٰ کہیے؟

بندہ پرور کے کفِ دست کو دل کیجے فرض

اور اس چکنی سپاری کو سُویدا کہیے

تمام شد

مشکل ہے زِبس کلام میرا، اے دل

سُن سُن کے اُسے سخنورانِ کامل

آساں کہنے کی کرتے ہیں فرمائش

گویم مشکل، وگرنہ گویم مشکل

---

[1] تمام نسخے: "اسس"۔ یہ سہوِ کاتب ہے۔

[2] تمام نسخے: "لکھیے"۔ یہ سہوِ کاتب ہے۔

نسخۂ گلِ رعنا (بہ خطِ غالب)

سیّد معین الرحمٰن

غالب نے کلکتہ کے دورانِ قیام (۱۸۲۸ء - ۱۸۲۹ء) میں مولوی سراج الدین احمد (ایڈیٹر ہفتہ وار فارسی اخبار، آئینۂ سکندر، کلکتہ) کی فرمائش پر اپنے اُردو اور فارسی کلام کا انتخاب تیار کیا جو "گلِ رعنا" کے نام سے موسوم ہوا۔[1] گلِ رعنا غالب کے اُردو و فارسی کلام کا پہلا انتخاب ہے۔ یہ آج تک کتابی صورت میں شائع نہیں ہوا اور اب سے کچھ عرصہ پہلے تک قطعی ناپید رہا ہے۔ مولانا حسرت موہانی کے پاس اس کا ایک ناقص حصہ ضرور موجود تھا، جو اُن کے کتب خانے کے ساتھ ضائع ہوگیا۔ خوش قسمتی سے ۱۹۵۷ء میں مالک رام صاحب کو گلِ رعنا کا ایک مکمل نسخہ دستیاب ہوا:[2]

> "کاغذ ولایتی، باریک اور سفید ہے۔ خط معمولی نستعلیق ہے۔ متن کی روشنائی کالی ہے۔ تخلص شنجرف سے لکھا گیا ہے۔ جدولیں نیلی اور شنجرفی ہیں۔"

[دیوانِ غالب اُردو، نسخۂ عرشی، علی گڑھ ۱۹۵۸ء صفحہ ۸۲]

حال ہی میں "گلِ رعنا" کے دو مزید خطّی نسخے میرے علم میں آئے۔ ایک حکیم محمد نبی جمال سویدا صاحب کے ذخیرۂ کتب کی زینت ہے۔ کاتب مجہول الاسم ہے۔ قرائن کہتے ہیں کہ اس کی کتابت بہر طور معاصر ہے، لیکن یہ نسخہ نامکمل رہ گیا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ لکھے جانے کے دوران میں کوئی اُفتاد پیش آئی اور کاتب نے اسے ادھ بیچ ہی میں چھوڑ دیا اور پھر اسے مکمل کرنے کی نوبت نہ آئی۔

یہاں "گلِ رعنا" کے ایک دوسرے اہم تر اور نادر و نایاب مخطوطے کی نشاندھی کی جاتی ہے جو خود غالب کے اپنے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے اور اس اعتبار سے اپنا ثانی نہیں رکھتا۔ یہ بے بہا نسخہ محترمی خواجہ محمد حسن

---

[1] اس ضمن میں رجوع کیجئے:

۱۔ ضمیمہ دیوانِ غالب مع شرح، حسرت موہانی، ۱۹۰۶ء صفحہ ۱۶۱

۲۔ غالب، غلام رسول مہر، طبع چہارم صفحہ ۳۸۳

۳۔ دیوانِ غالب، نسخۂ عرشی، صفحہ ۲۰ و مابعد

۴۔ مالک رام، نگار، لکھنؤ جولائی ۱۹۶۰ء صفحہ ۲۴

[2] اس مخطوطے کے حصۂ فارسی کے تعارف میں مالک رام صاحب رسالہ نگار، لکھنؤ جولائی ۱۹۶۰ء میں ایک تفصیلی مضمون لکھ چکے ہیں۔ حصۂ اُردو کے تعارف پر مبنی مالک رام صاحب ہی کا قیمتی مضمون "نذرِ ذاکر"، دہلی ۱۹۶۸ء میں شامل ہے۔

صاحب[1] کی ملکیت ہے، جنھیں کوئی نصف صدی سے اِس نسخے کے تملک کا شرف حاصل ہے اور یہ تبرک انھیں اپنے نانا خواجہ احمد اللہ مرحوم[2] سے ورثے میں ملا۔

"گلِ رعنا" کا یہ قلمی نسخہ بخطِ غالب ہے اور یہ خصوصیت بجائے خود اِس نسخے کو دیگر معلوم نسخوں پر امتیاز بخشتی ہے۔ اِس مخطوطے کی ایک دوسری وجہِ امتیاز یہ بھی ہے کہ اس سے پہلی بار اس انتخاب کی تاریخ معلوم ہوتی ہے جو دیگر مآخذ میں ناقص رہ گئی ہے۔ "گلِ رعنا" کے نسخے محزونہ مالک رام میں، مولانا امتیاز علی خان عرشی کے بقول:۔

> "سالِ انتخاب ناقص رہ گیا ہے۔ تاہم یہ یقینی ہے کہ وہ قیامِ کلکتہ کا کارنامہ ہے جو ۴ شعبان ۱۲۴۳ھ (۱۹ فروری ۱۸۲۸ء) سے شروع ہو کر ربیع الاوّل ۱۲۴۵ھ (ستمبر ۱۸۲۹ء) میں ختم ہوا تھا۔"

(دیوانِ غالب اُردو، نسخۂ عرشی، ۱۹۵۸ء صفحہ ۲۱)

"گلِ رعنا" کے پیشِ نظر مخطوطے (محزونہ خواجہ محمد حسن) میں غالب نے دیباچے کے آخر میں غرہ ربیع الاوّل ۱۲۴۴ھ کی تاریخ درج کی ہے جو عیسوی "شب و روز ماہ و سال" کے مطابق منگل ۱۱ ستمبر ۱۸۲۸ء ہوتی ہے۔ اس طرح "گلِ رعنا" کی تاریخ تالیف پہلی بار سامنے آرہی ہے اور یہ اطلاع ادبِ غالب میں قیمتی اضافے کی حیثیت رکھتی ہے۔

"گلِ رعنا" کا یہ مخطوطہ (ایک ورق کے بقدر ناقص الاوّل) ۸۸ صفحات پر مشتمل ہے۔ سائز ۷" x ۴" روشنائی کالی۔ کاغذ عمدہ سفید رہا ہوگا لیکن اب کہنگی کے آثار ظاہر ہیں اور رنگ بادامی سا ہو چکا ہے۔ آخری ۶ صفحات میں بخطِ شکستہ "مثنوی بادِ مخالف" درج ہے۔ ابتدائی پانچ صفحات میں غالب کا دیباچہ آیا ہے۔ دیباچے کے آخر میں غرہ ربیع الاوّل ۱۲۴۴ھ کی تاریخ ثبت ہے اِس صفحے کا فوٹو عکس شائع کیا جا رہا ہے۔

صفحہ ۶ سے "یا اسد اللہ الغالب" کا عنوان دے کر اُردو اشعار کا انتخاب ہے۔ پہلی غزل، غالب کی وہی معروف غزل ہے جس سے اُن کے اُردو دیوان کا آغاز ہوتا ہے:

نقش فریادی ہے کس کی شوخیٔ تحریر کا
کاغذی ہے پیرہن ہر پیکرِ تصویر کا

---

[1] خواجہ محمد حسن صاحب بڑی خوبیوں کے بزرگ ہیں۔ وہ ۱۹۰۲ء میں پیدا ہوئے۔ تقسیمِ ہند کے وقت امرتسر سے ہجرت کر کے لاہور آئے اور معروف کاروباری زندگی بسر کرنے کے بعد، اب آرام کر رہے ہیں، لیکن ۶۷ برس کی عمر کے باوجود توانائی اور قوتِ عملی کے اعتبار سے اُن کی زندگی آج کل کے نوجوانوں سے زیادہ بھرپور ہے۔ خواجہ صاحب کے تین صاحبزادے ہیں اور ماشاءاللہ تینوں عملی زندگی میں بڑے کامیاب ہیں۔ سب سے بڑے تجمل حسین مرحوم، ایئر فورس میں ونگ کمانڈر ہیں۔ منجھلے خالد حسن، بہت اچھے آرٹسٹ ہیں اور مستقلاً لندن میں بس گئے ہیں۔ چھوٹے، حسن طارق پاکستان کے مشہور فلم ڈائریکٹر ہیں اور لاہور ہی میں آباد ہیں۔

[2] خواجہ احمد اللہ مرحوم، امرتسر میں کشمیری شالوں کے بہت بڑے سوداگر تھے اور اپنے اِس کاروبار کے سلسلے میں اُن کا اکثر دلّی آنا جانا رہتا تھا۔ انھوں نے ۸۵ اور ۹۰ برس کے درمیان عمر پائی اور ۱۹۱۶ء میں انتقال کیا۔

صفحہ ۶ سے شروع ہو کر صفحہ ۳۴ پر اُردو اشعار کا یہ انتخاب اس قطع پر تمام ہوتا ہے :-

غالبؔ ہمیں نہ چھیڑ کہ پھر جوشِ اشک سے
بیٹھے ہیں ہم تہیۂ طوفاں کیے ہوئے

اس شعر (غزل) کے بعد ۵ سطریں فارسی نثر میں ہیں (ملاحظہ کیجیے عکس) اس چند سطری تحریر کے بعد فوراً (اگلے صفحے سے) فارسی اشعار کا انتخاب شروع ہو جاتا ہے جس کا آغاز "قصیدہ در مدح اشرف بنگالہ" سے ہوا ہے (حصہ فارسی کے ایک صفحے کا عکس شائع کیا جا رہا ہے۔ اشعار فارسی کا یہ انتخاب صفحہ ۶۹ پر ختم ہوتا ہے۔ اس کے بعد بطور خاتمہ غالب کی ایک فارسی نثری تحریر ہے جو صفحہ ۸۳ کی ابتدائی تین سطروں پر تمام ہوتی ہے۔ آخر میں غالب نے بطور دستخط اپنا نام "محمد اسد اللہ" درج کیا ہے۔ اسی صفحے سے خفی قلم میں "مثنوی بادِ مخالف" شروع ہو جاتی ہے (عکس شاملِ اشاعت ہے) اس کی روایت مثنوی کی مروجہ روایت سے مختلف ہے اور اسی صورت میں ہے جس میں وہ "سخنورانِ کلکتہ" کے سامنے پیش کی گئی تھی۔

"محمد" کا لفظ ابتدا غالب کا جزوِ اسم تھا لیکن بعد میں یہ موقوف ہوا۔ ۱۸۵۸ء میں تفتہ اور آرام وغیرہ کی زیر نگرانی مطبع مفید خلائق، آگرہ سے غالب کی مشہور کتاب "دستنبو" شائع ہوئی۔ تفتہ نے پوچھا تھا کہ "دستنبو کے سرورق پر "اسد اللہ خاں" کے بجائے "محمد اسد اللہ خاں" کیوں نہ لکھا جائے۔؟ غالب جواب میں لکھتے ہیں :-

"صاحب! لفظ مبارک م، ح، م، د (محمد) کے ہر حرف پر میری جان نثار ہے۔ مگر چونکہ یہاں سے ولایت تک حکام کے ہاں یہ لفظ، یعنی "محمد اسد اللہ خاں" نہیں لکھا جاتا، میں نے بھی موقوف کر دیا ہے۔"

"گلِ رعنا" کے زیرِ بحث مخطوطے میں سرِ اسم "محمد" موجود ہے۔ مولانا امتیاز علی خاں عرشی نے اپنے مرتبہ اُردو دیوانِ غالب کے دیباچے میں "گلِ رعنا" کے بارے میں لکھا ہے کہ :

"اس کے حصۂ فارسی میں تو صرف منتخب غزلیں درج کی گئی تھیں لیکن ریختہ میں سے دو چار غزلیں لے کر باقی میں سے اچھے اچھے شعر چن لیے تھے۔"

[دیوانِ غالب اُردو، نسخۂ عرشی، صفحہ ۲۰]

لیکن "گلِ رعنا" کے پیشِ نظر مخطوطے کے حصۂ اُردو میں صرف منتخب غزلیں ہیں جب کہ حصۂ فارسی، غزل، قصیدے اور مثنوی کے اشعار پر مبنی ہے۔

"گلِ رعنا" کا یہ مخطوطہ (۱۸۲۸ء)، نسخۂ حمیدیہ (۱۸۲۱ء) اور نسخۂ شیرانی (۱۸۲۶ء) کے بعد اشعارِ غالب کا قدیم ترین متن پیش کرتا ہے۔ یہ اب سے، ایک سو چالیس سال سے بھی زیادہ پہلے کا لکھا ہوا ہے اور خود غالب کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے، اس لیے اختلافِ نسخ ظاہر کرنے کے لیے بھی اس کی بڑی بنیادی اہمیت ہے ـــــ یہ محض چند اشارے ہیں۔ اس مخطوطے کا تفصیلی تعارف ان شاء اللہ کسی اگلی فرصت میں پیش کیا جائے گا۔

گل رعنا (قلمی) کے حصہ فارسی کا ایک صفحہ
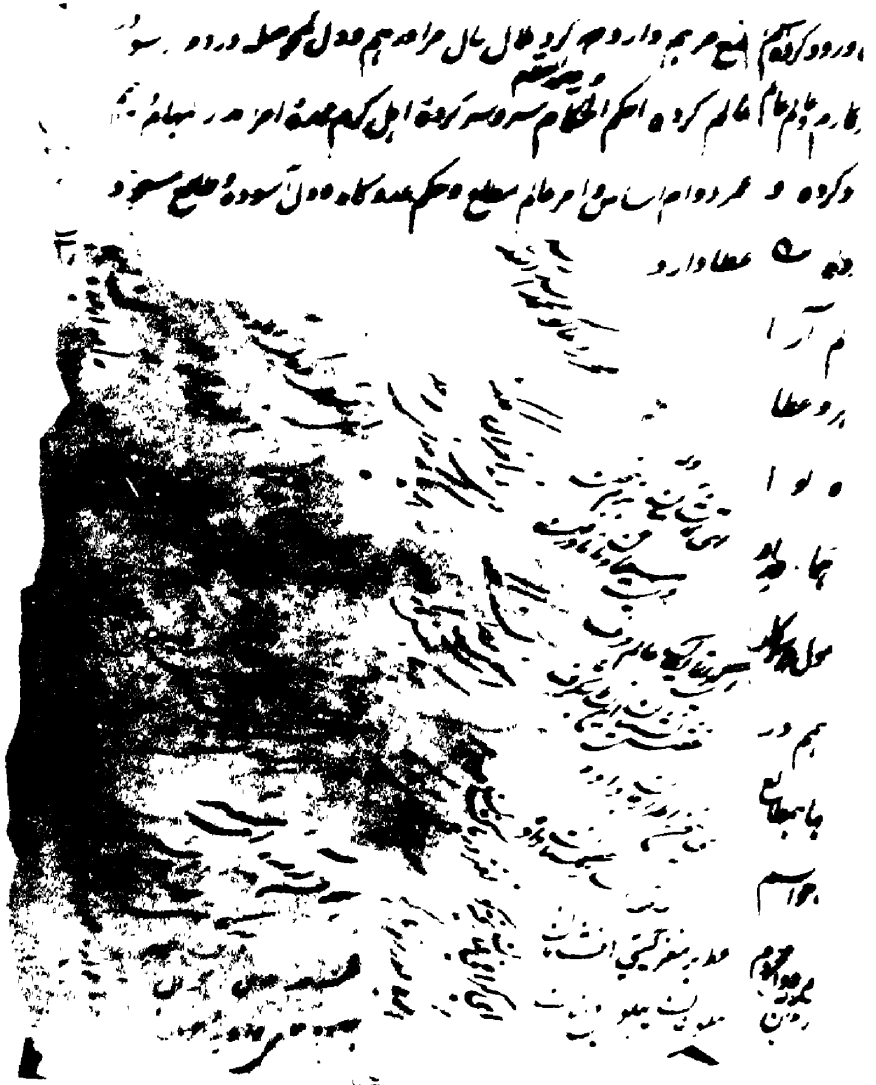
"گل رعنا" کے قلمی نسخے (بخطِ غالب) کا آخری صفحہ جس پر غالب نے اپنا نام "محمد اسد اللہ" درج کیا ہے خفی قلم سے "مثنوی بادِ مخالف" کی اولین قرأت ہے

غالب کے نام دو غیر مطبوعہ خطوط

ڈاکٹر سیّد حامد حسین

"کلیاتِ نثرِ غالب" میں غالب کا ایک خط مولانا محمد عباس بھوپالی کے نام شامل ہے[1] مولانا محمد عباس (۱۸۳۶ء - ۱۸۹۷ء) رفعت تخلص کرتے تھے۔ فارسی اور اردو نثر میں انہوں نے کئی کتابیں تصنیف کیں۔ فارسی نظم میں، کہا جاتا ہے، غالب سے مشورہ کیا۔ اردو کلام کا بھی ایک دیوان مرتب کر لیا تھا، لیکن بعد میں اُسے تالاب میں غرق کر دیا۔ مالک رام صاحب نے "تلامذۂ غالب" میں ان کے بارے میں ایک تفصیلی نوٹ شامل کیا ہے۔ (صفحات ۱۲۵ تا ۱۲۹) جناب نادم سیتاپوری نے اپنی تصنیف "غالب نام آورم" میں "غالب کے دو ہمنام معاصر" کے زیرِ عنوان ایک مضمون میں رفعت کا ذکر کیا ہے۔ (صفحات ۱۲۹ تا ۱۴۶)

> "رفعت کے نام غالب کا صرف ایک فارسی خط فارسی مکتوبات میں ملتا ہے۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ غالب کے کافی خطوط رفعت کے کتب خانے میں موجود تھے۔ جن کے دیکھنے والے آج بھی زندہ ہیں۔ رفعت کے مرنے کے بعد جب ان کا ترکہ ان کی اولادوں میں تقسیم ہوا تو یہ کتابیں اور نوادرات بھی "اثاث البیت" کی طرح بانٹ لیے گئے جس کا ایک حصہ تو تلف ہو گیا اور نوادرات کا کافی ذخیرہ حیدرآباد دکن پہنچ گیا۔ مشہور ہے کہ غالب کے یہ خطوط بھی اسی سلسلے میں حیدرآباد دکن پہنچے اور اب وہ کس کے قبضے میں ہیں۔ اس کے متعلق کچھ نہیں کہا جا سکتا (ص ۱۴۴)

مقامی طور پر چھان بین کرنے پر ان روایات کی کوئی تصدیق نہیں ہو سکی، اور نہ رفعت کے باقیماندہ کاغذات میں سوائے اس خط کی نقل کے جو کلیاتِ نثر میں شامل ہے، غالب کی کسی اور تحریر کا سراغ مل سکا۔ یہ ضرور ہے کہ رفعت نے غالب کے خط کی جو نقل محفوظ کی ہے، اس کی عبارت میں مطبوعہ خط کی عبارت سے بعض مقامات پر خاصا اختلاف ہے۔ بہر حال غالب کے خطوط کی تلاش کے دوران رفعت کے دو ایسے خطوط کی نقلیں بھی دریافت ہوئی ہیں جو غالب کو لکھے گئے تھے، اور ایسا اندازہ ہوتا ہے کہ ان میں سے ایک خط کے جواب میں غالب نے وہ خط لکھا ہے جو "کلیاتِ نثرِ غالب" میں موجود ہے۔ ذیل میں رفعت کے دونوں خطوط اور غالب کے خط کی وہ نقل جو رفعت نے محفوظ کی ہے درج ہیں۔

بنام نواب نجم الدولہ دبیر الملک مرزا اسد اللہ خاں بہادر نظام جنگ متخلص بغالب مشہور بمرزا نوشہ دہلوی

عقیدت پیوند عباس مستمند گنج شائگان ضراعت وسپاس را سرمایہ سعادت دوجہان انگاشتہ و نگارش وگزارش نیاز ونیائش

---

[1] کلیاتِ نثرِ غالب" مطبوعہ مطبع نولکشور لکھنؤ اپریل ۱۸۸۸ء، ص ۲۲۵، ۲۲۶

راوسیلہ اجابت مدعا شناختہ بحضرت استاذ شعرائے نامی ماذ سخنوران گرامی سلطان روم فصاحت خاقان چین بلاغت شاہنشہ ایران سخنوری امام صنعائے یمن معنی گستری خسرو اصطخر بیان و معانی کسریٰ مدائن بدائع بیانی جمشید درکیہ نازک خیالی کیقباد اورنگ جادو مقالی خاقانی شروان نکتہ یابی ثانی ظہیر فاریابی سخن سنج معانی پناہ سوم مہر و ماہ مطلوب ہر طلب حضرت اسد اللہ الغالب با صد ہزار فروتنی و نیاز سگالی عرض پرداز ست دیر ست کہ فرمان التفات عنوان بدلجوئی دور دستان شکستہ بال نرسیدہ و خاطر ارادت انتما بجستجوئے نظارہ نامہ سحر کار ساسان ششم ہندوستان آخر کار رنگو ناگوں درد آرمیدہ

بجستجوے خبر جانم از دریچہ گوش زمان زمان بسر راہ کاروان آید

حیف است کہ ہمچون غاشیہ بردار تلمذ[1] باچندین سرمایہ نیاز این قدر حریف فراموشی باشد و بجائے عروسان دلربائے سخن عالم عالم غم حرمان را ہم آغوش خویش بیند سرت گردم چہ می شود۔ اگر گاہ گاہ بنوازش نامہائے عطوفت مضمون و توقیعات مہر مشحون منت پذیر جنبش خامہ عیسوی ہنگامہ انم و خود را بفیض بخت رسا برخوردار و یاس کہنہ را باتمنائے نو ہمکنار دانم دیوان قصائد و غزل و نثر نیم روز و پنج آہنگ و دستنبو کہ مطالع بطبعش مطالع مہر منیر اعتبار اند و کلاہ گوشہ مفاخرت بہ ہرمز[2] افراشتند و سخنوران ہند و ایران دیار دیگر دادری آن ریزہائے جواہر زواہر مایۂ حیات و قوت روان پند اشتند از مدتے کماہیہ بازوئے این کمترین شاگردان ست دلشوق گلگشت چمن منثور و منظوم تازہ و نو رستہ طبع آن مطلع العلوم کہ ہنوز جلوہ یوسفی شان جہانیان را عشق زلیخا دار روزی نکردہ است، دل اخلاص منزل سخت بے تاب ست زہے سعادت طالع کہ استاد شفیق بار مغانش منت نہد و افتادہ روزگار را امتیاز و عزت دہد۔

(۲)

بجناب میرزا غالب دہلوی رقم یافت۔

فرد: بر آسمان چہارم مسیح بیمار ست تبسمے ز تو بہر علاج میخواہد

کلاہ گوشہ نازش بہ ہفتمین سپہر می شکنم کہ امروز آرزو مند نامہ نگاری بجناب ساسان ششم گل زمین ہندوستان بودہ ام نے نے غلطم بلکہ پیچ جبہہ سائی سر نیاز و شکستگی بر آستان فیض نشان شہریار عجم خداوند تیغ و قلم قیصر روم معنی طرازی۔ خاقان چین نکتہ پردازی بہمگی استواری کردہ ام بان کورنش مہر از ذرہ و ستائش دریا از قطرہ شگفت نیست کہ فرع باصل و جز بکل آویزشی دارد ہر چند کمتر و خوار تر باشد روزگاریست کہ آوازہ شیوہ نگاری آن مزاجدان سخن و شہرہ سحر کاری آن جادو طراز سامری فن آتاقہ[3] کلاہ افتادگان نزدیکی طلب ست این طالع بیدار کجا کہ باندبیر خفتہ بسازد، و زمانہ سازگار کو کہ درد را بدرمان رساند از آنجا کہ ہیچ کس را با بخت سر ستیزہ نباشد آرزوی روز افزوں زیارت سراپا سود ہنوز در دلم ہمنشیں حرمان ست این قدر ہست کہ سواد بر گرفتن از ریختہ خامہ موسوی ہنگامہ آن جہان پہلوان میدان سخن در آن غیبت ضروری جان شمیدہ و دل درد آرمیدہ را ذائقہ نزدیکی و لذت حضوری می بخشد خاصتہ نامہ نگارین درین قرب زمان جہان افروز گشتہ چہ مسرتہاست کہ بالفاظ شیرین و حروف نمکین خودش ارمغان نیاز کدہ دل دوستی منزل

---

[1] شاگردی [2] نام ستارہ مشتری بر فلک ششم [3] تا بدر [3] بضم کلغی —— (جملہ حواشی از رفعت)

نکردہ بہ انگیختن ہاست کہ بعزم منسم نسبت تلمذکہ از دربار نشر گزار سینہ نیاز گنجینہ ست ارزانی نمود ناچار دریں روزگار کہ جادہ
آمد و شد نامہا و خبار پیامہا و طوی دوران افتادہ مخلص چشمداشت افزود کہ بہ برش و خون زبان خامہ و نامہ عیسوی ہنگامہ زیر بار فراوان
منت و التفات گردد و چند حروف کج مج راکہ از تہ دل بساحل زبان رسیدہ پیش کش آن نقش بند نگارخانہ نمند و بازندکند تا بنقش صلاح نگار
تازہ گیرد و رونق بے اندازہ دریابد کہ اگرازبساط نزدیکی دور م از قرب خطاب وکتاب چرا دور باشم اما خرامش ایں آرزو از قوت بفعل
حوالہ بدستوری آں دستور دانائے شہرستان سخنوریست کہ ام روز بابرش دیدار فارسستان ہندوستان درکل زمین ایران بلکہ تمام جہان نیز نظیر
صاحب مانشان نمی بندجہ واثرون بخت باشد کہ سرنیاز باین آستان امتیاز نفز سایہ اندام وگرنہ دزم طالع بود کہ رتبہ شناسی ایں دولت
نکردہ از حصول انتساب آن جان سخن و ین معنی بازنایند لوحش اللہ برہمین داعیہ تلمذکہ ازان فراوان امتیاز در اقران توقع دارم چہ منت
ہاست کہ از طالع بیدار خود برخود نگرفتہ ام وچہ ستائش ہاست کہ بخت ساز کار رانگفتہ ام ہان ہان چندان مخر دش نہ بار خاطر
گردی و چنان منان کہ سبک شوے ایں بس است کہ ایں گزارش زود بپایہ پذیرائی رسد و پوزشی ننگ راہ آن نگردد آری من ہمیں اصلاح
دو سہ مسودہ راکہ ازاں افسر ساسانیان جستہ ام سرمایہ ہزار ناز و امتیاز خودم شناختہ ام۔ فرد۔

فی الجملہ نسبتی بتو کافی بود مرا   بلبل ہمیں کہ قافیہ گل شود بس است

و از آنجا در مشہور سال الملک لمن غلب ہنگام ہوش پر دازی زمانہ بہائی بیگانہ بورود گرامی نامہ مفاخرت گونیں اندوختم ایزدنکہ از
جان و تن آسودگی ست ندانم تا بچندیں نگاریں نامہا پایۂ رفعت بفرق فرقدان گزارم و سعادت یاب نشاتین گردم وکیفت کہ قطرۂ
آغوش پروردہ دریاست و مورنظر کردہ سلیمان - فرد :

بگزرم بخاطر پاک تو باک نیست   خاشاک بین کہ بردل دریا گزرکند

دیگر آرزوئے ایں سراپا جستجو آن ست کہ بزودترین اوقات پاسخ ایں نامہ درجیب وکنار ریزند و از نگرانی ہائی جانگسل کنارہ
گزینند۔ شعر :

جہاں از صفات تو پرنور باد   زمین از درت بیت معمور باد

یہ دونوں خطوط ایک بلاعنوان مجموعۂ رقعات میں شامل ہیں جو کہ رفعت کا قلمی ہے۔ پہلا خط صفحات ۱۵ تا ۱۷ پر' اور دوسرا صفحات ۹۸ تا ۱۰۲ پر درج ہے۔ یہ قلمی مجموعہ رقعات بھوپال میں جناب محمد اسمٰعیل صاحب کے "کتاب گھر" میں محفوظ ہے' اور رفعت کی ایک اور قلمی تصنیف "نور دیدہ" کے مسودہ کے ساتھ مجلّد ہے۔

مکتوبِ غالبؔ بنام محمد عباس رفعتؔ

والا یزداں ہست و بود آفریں راکہ گماشتن وخشور و فرستادن منشور از آلای اوست بے مر نیائش و آورندۂ گرامی منشور ہمانا
ہمایوں وخشور راکہ پس از وے ازاں دہ و دو پیرۂ وخشور کہ باز پسیں آن جمع باخداوند درنام انبازی دارد ہر یکے بہر ہنگام بجای
اوست بے اندازہ ستائش غالب سخن گذاز ہیچ منگار اگر دریں مردہ دلی سوے کلک و کاغذ گرایش دارد ہم بہمین توانائی آن نیایش

و نیرو فزائی این ستائش دارد نامه نگار را لبا دوستانند که سواد مردم چشم گزرگاه آنان نشده و در سیه خیمهٔ سویدای دل میهمان نه نیرنگ روزگار دو رنگ نگر ستنی ست پست پائی بدان پایه که از فروماندگی خاک نشین یکشهرم و بلند نامی بدان اندازه که بمیانجیگی خامه و نامه روشناس اعیان دهرم حاشا که این چنین پست پایهٔ بلند نام جز من در دهر تو آن یافت از دیر باز به نظم و نثر فی گرایم نظم خواهی پارسی و خواهی اردو خوابے ست فراموش نامه در پارسی نوشتن نیز آئین نمانده هر چه نوشته میشود یک دست در اردو ست اینک خواجهٔ حق پرست سخن شناس بلند پایه مولانا عباس که هم از آن گروه برشکوه ست که با من بزبان قلم راه سخن کشوده اند از بهوپال فرمان فرستاد که غالب فرسوده روان بنام آن همه دان نامه در پارسی زبان نویسد - یارب این فرمان چون بجا آرم و در نامه چه نویسم بارے نه از توانائی نیان بلکه از اثر روائی آن فرمان جنبش خامه لفظے چند که بخواندن نیرزد برروے ورق فرو ریخت تا آن ورق بهم پیچیده سوے کار فرما روان داشته آمد چشم داشت آنکه برگ سبز از درویش به تحفگی پذیرفته آید نگاشته سه شنبه و چهارم ربیع الاول رستاخیز -

(یہ خط یہاں مولانا عباس رفعت کی قلمی تصنیف " نور دیدہ " کے مبیضہ سے نقل کیا گیا ہے ۔ یہ مبیضہ ۱۲۹۰ھ میں تیار کیا گیا ہے، اور یہ خط غالب پر ایک مختصر نوٹ کے ساتھ صفحات ۵۲ و ۵۳ پر درج ہے ۔ یہی متن دو جگہ معمولی فرق کے ساتھ یار محمد خاں شوکت کے نام سے مطبوعہ " انشائے نور چشم " (مطبع نظامی کانپور، ۱۲۸۹ھ) میں شامل ہے (صفحات ۵۱ و ۵۲) ۔ اسی تصنیف میں رئیس ٹونک کے نام ایک منظوم خط بھی نقل کیا گیا ہے، اور ان دونوں خطوں کے ساتھ یہ نوٹ درج ہے " چند سال وفات سے پہلے میرزا صاحب نے خطوط اردو میں لکھنا اختیار کیا تھا ۔ مولانا محمد عباس رفعت نے بھوپال سے مرزا صاحب کو لکھا کہ میں فارسی عنایت نامہ کا مشتاق ہوں ۔ جناب مرحوم نے ان کو خط فارسی تحریر فرمایا جو کہ ہر دو خط منظوم و منثور کلیات دیوان و انشائے جناب موصوف میں میری نظر سے نہیں گزرے اور وہ میرے پاس موجود تھے بمراد اشاعت کلام اوستاد و استفادۂ ادبائے نقاد احقر العباد نے تبرکاً اسے اپنی انشا میں رقم کیے " (صفحات ۴۷ و ۴۸) مولانا رفعت کی نقل اور " کلیات نثر غالب " اور " انشائے نور چشم " میں شامل اس خط کی عبارتوں میں جو فرق ہے، وہ درج ذیل ہے ۔ سب سے اہم، خط کی تاریخ ہے جو " کلیات نثر غالب " میں درج نہیں کی گئی ۔

۱؎ " را " " کلیات نثر غالب " میں محذوف ہے ۔

۲؎ " جمع " کی بجائے " کلیات نثر " میں " گروہ " درج ہے ۔

۳؎ " کلیات نثر " میں " بہر ہنگام ہرگی " تحریر ہے ۔

۴؎ " کلیات نثر " میں یہ عبارت محذوف ہے ۔

۵؎ " وارد " کی بجائے " کلیات نثر " میں " میرود " تحریر ہے

۶؎ یہ پوری عبارت " انشائے نور چشم " میں محذوف ہے ۔ آخر میں " وارد " کی بجائے " کلیات نثر " میں " میرود " درج ہے اور

شروع میں شامل "ہم" "کلیاتِ نثر" میں محذوف ہے۔

٦ "نامہ نگار" کی جگہ "کلیاتِ نثر" میں "غالب سخن گزار" کا فقرہ شامل ہے۔

٨ اس عبارت کی جگہ "کلیاتِ نثر" میں یہ تحریر ہے: "نگرستن دلبر شکلے کہ در شدت خندہ از چشم کشاید گرستن دارد حاشا کہ اینچنیں پست پایہ بلند نام کہ خود"

٩ اس عبارت کی بجائے "کلیاتِ نثر" میں صرف یہ درج ہے: "یک شہ باشد و"

١٠ "کلیاتِ نثر" میں الفاظ کی ترتیب یہ ہے: "نامہ و خامہ"

١١ "کلیاتِ نثر" میں بجائے "دہر مر"، "دہر باشد" لکھا ہے۔

١٢ "کلیاتِ نثر" میں یہ عبارت محذوف ہے، کیونکہ اوپر آچکی ہے (دیکھیے ٥)۔

١٣ "کلیاتِ نثر" میں یہ پوری عبارت اس طرح ہے: "بلشتن نثر بپارسی زبان آئین من نیست نامہ ہا یک دست بہ اردو نبشتہ میشود"

١٤ "کلیاتِ نثر" اضافہ یوں ہے۔ "خواجہ روشن فرح اثر حق پرست"۔

١٥ "کلیاتِ نثر" اور "انشائے نورچشم"، دونوں میں بجائے "سخن شناس"، "حق شناس" درج ہے۔ لیکن "کلیاتِ نثر" میں "بلند پایہ" محذوف ہے۔

١٦ "کلیاتِ نثر" میں ترتیب لفظی اس طرح ہے۔ "در پارسی زبان بنام آں ہمہ داں نامہ نوا بسد"۔

١٧ "کلیاتِ نثر" میں یہ عبارت محذوف ہے۔

١٨ "کلیاتِ نثر" میں "بخواندن" پر یہ اضافہ ہے: "اگر بخواندن ارزد بہ ستودن"

١٩ "کلیاتِ نثر" میں نہ تاریخ اور دن تحریر نہیں ہے۔

غالب اور غنیۃ الطالبین

(اور غنیۃ الطالبین کے حاشیے پر غالب دہلوی کی تحریر سے متعلق غلط فہمی کا ازالہ)

جلال الدین

غالب کے ہم عصر اور ان سے عمر میں خورد سال محمد اسد اللہ غالب الہ آبادی بھی ہوئے ہیں جن کے متعلق ساری باتیں حال ہی میں معلوم ہوئی ہیں اور نام کی اس مماثلت کی وجہ سے ایک دلچسپ غلط فہمی بھی اردو ادب میں جگہ پا رہی ہے لازم ہے کہ اس غلط فہمی کو دور کیا جائے اور حقائق کو پیش کیا جائے۔

غالب کی شخصیت اور کلام کے ہر گوشہ کی جو چھان بین کی جا رہی ہے وہ لائق صد تحسین ہے آج تک اردو کے کسی ادیب و شاعر کی بین الاقوامی پذیرائی اس قدر نہیں ہوئی جتنی غالب کی۔ ہر صاحب قلم غالب کے بارے میں کچھ نئی بات کہنے کا خواہاں نظر آتا ہے۔ وسط مئی ۱۹۶۸ء میں نادرن نیوز ایجنسی کے حوالے سے ایک خبر اردو و ہندی کے اخبارات میں شائع ہوئی تھی کہ "تقویۃ الایمان" مصنفہ شاہ اسمٰعیل شہید کے قلمی نسخہ پر غالب کی ایک مہر اور تحریر ہے اور یہ نسخہ کانپور میں کسی صاحب کے پاس موجود ہے۔ میں اس سلسلے میں چند ماہ قبل کانپور گیا اور مقامی اہل علم حضرات سے ملا اخباروں کے دفتروں میں گیا نیوز ایجنسی کے نمائندہ سے ملا مگر یہ نہ معلوم ہو پایا کہ وہ نسخہ کہاں پر ہے (اگر کسی صاحب کو اس کے بارے میں اطلاع ہو تو براہ کرم مطلع فرمائیں) بعض حضرات نے مجھے مولانا خیر بہوروی سے رجوع کرنے کا مشورہ دیا لہٰذا میں ان کا بیان حاصل کرنے کے لیے ۳ فروری ۱۹۶۹ء کو مقبول احمد لاری لکھنؤ کے دولت کدہ پر حاضر ہوا تو مری معلومات میں کافی اضافہ ہوا۔ مولانا خیر صاحب نے اپنے مضامین دکھائے اور خاص طور پر وہ مضمون جو "غالب اور بنارس" کے عنوان سے نیا دور لکھنؤ اپریل ۱۹۶۴ء کے شمارہ میں شائع ہو چکا ہے قبلہ خیر صاحب نے بڑی تفصیل سے غالب کے قیام بنارس کے بارے میں بتایا اور ساتھ ہی ساتھ غنی الطالبین[1] (غنیۃ الطالبین) کے حاشیے پر غالب کی تحریر کا عکس بھی دکھایا جو ان کے مضمون کے ساتھ نیا دور میں شائع ہوا ہے غنیۃ الطالبین کے چند صفحات پر غالب سے منسوب تحریر بھی حاشیے پر درج ہے (جو تحقیقات سے معلوم ہوا ہے کہ غالب کا حاشیہ نہیں ہے اور جس کی تفصیل آگے پیش ہے) اس کتاب کے خاتمہ پر ذیل کی عبارت درج ہے:

"خرید کردہ شیخ نصیر الدین صاحب در ۱۲۷۵ھ ہجری"

"محمد اسد اللہ غالب بقلم خاص"

---

[1] اس مضمون میں غنیۃ الطالبین کا نام غنی الطالبین غلط درج کر دیا گیا ہے اور پھر یہ غلطی مسلسل دوسرے رسائل میں چھپ رہی ہے نیا دور کے حالیہ غالب نمبر کے آخری صفحہ پر اور فروغ اردو کے غالب نمبر میں جو عکس غنیۃ الطالبین کے پیش ہیں ان پر بھی غنی الطالبین درج ہے حالانکہ غنیۃ الطالبین شاہ عبد القادر جیلانی کی مشہور تصنیف ہے۔

مذکورہ بالا تحریر کے دونوں جملے قدرے فاصلے سے درج ہیں اور دو اشخاص کی تحریر معلوم ہوتے ہیں انداز تحریر شکستہ ہے اور قریب ہی ایک سیاہ دھبہ نمایاں ہے جو ایسا لگتا ہے کہ کوئی تحریر یا مہر تھی جسے از راہِ مصلحت مٹا دیا گیا ہے۔

مذکورہ کتاب کا اصل نسخہ بنارس کے مولانا غلام قادر صاحب کی ملک ہے ان کے خاندان کے افراد عہد مغلیہ میں اور انگریزوں کے عہد میں بھی ممتاز عہدوں پر مامور تھے مولانا موصوف کی عنایت سے مجھے اس کے دیکھنے کا موقعہ ملا جس کے لیے میں ان کا بے حد ممنون ہوں۔

جب میں نے قلمی نسخہ غنیۃ الطالبین کا دیکھا تو معلوم ہوا کہ یہ کتاب شرح غنیۃ الطالبین ہے اصل تصنیف شاہ عبدالقادر جیلانی کی عربی زبان میں ہے اور اس کی شرح فارسی میں لکھی گئی ہے شرح لکھنے کی وجہ مخطوطہ کے آغاز میں یہ بیان کی گئی ہے کہ شیخ بلال قادری لاہوری کی درخواست پر عبدالحکیم ابن شمس الدین نے شرح لکھی ہے اس شرح کی ضخامت ایک ہزار صفحات سے زائد ہو گئی ہے وسط کتاب میں چھ صفحات کے حاشیوں پر غالب سے منسوب تحریر موجود ہے۔ یہ عبارت فارسی زبان میں ہے اور ہر صفحہ پر جلد سازی کی تراش سے کچھ حروف غائب ہو گئے ہیں لیکن پھر بھی مفہوم عبارت واضح ہے جو درج ذیل ہے[1]۔

چھ صفحوں کے حاشیے پر جو عبارت درج ہے وہ (مولانا) مہدی علی نے درج کی ہے جو ایک صاحب قلم اور حواشی نگار تھے انہوں نے عربی و فارسی کتابوں پر حواشی لکھے ہیں اور تقریظیں بھی[2] ——— مولانا مہدی علی نے حاشیے پر لکھا ہے کہ اس سے مراد حضرت شاہ عبدالقادر جیلانی کی "ابو حنیفہ نعمان بن ثابت" نہیں اس لیے کہ خود شاہ صاحب بھی ابو حنیفہ کو "امام" اور رضی اللہ عنہ لکھتے ہیں اور ان کو اہل سنت میں شمار کر چکے ہیں (بلکہ فرقہ مرجیہ اہل سنت میں نہیں) مولانا مہدی علی نے حاشیے پر یہ لکھا ہے۔ "ادخال فرقہ حنفیہ۔ از جعل مبتدعان است" اور ایک جگہ "افترا مفتریان" بھی لکھا ہے مہدی علی نے چھ صفحات پر تین جگہ اپنا نام انداز ذیل میں لکھا ہے:

---

[1] غنیۃ الطالبین کی ایک عبارت پر عام طور سے حنفی علماء شاہ صاحب پر معترض ہیں شاہ صاحب جو حنبلی عقائد کے تھے انہوں نے (۱) حنفیہ کو فرقہ ضالہ میں شمار کیا ہے اور یہ بھی لکھ دیا ہے کہ (۲) یہ فرقہ مرجیہ کی قسموں میں سے ہے اور (۳) اصحاب ابی حنیفہ النعمان بن ثابت ہے۔

مذکورہ مفہوم سے متعلق علمائے اہل سنت نے یہ تنبیہہ کی ہے کہ یہاں حضرت جیلانی کی مراد اہل سنت کے فرقہ حنفیہ سے نہیں ہے اور اس کا حل وہ یہ پیش کرتے ہیں کہ ایک شخص ابو حنیفہ نعمان بن ابو عبداللہ المنصور بھی خلیفہ معزالدولہ فاطمی کے عہد میں تھا جس کو ابن خلکان نے لکھا ہے۔ "کانَ مالکیاً ثمَّ انتقلَ الیٰ مذهب الامامیہ و صَنَّفَ کُتُباً"۔

[2] نیا دور لکھنؤ کے غالب نمبر کے آخری صفحہ پر جو عکس غنیۃ الطالبین کے حاشیے کا شائع ہوا ہے اس کے حاشیے والی عبارت کو غالب کی تحریر بتایا گیا ہے جبکہ اس عکس میں دوسرے صفحہ کے بائیں جانب بالکل نیچے کی تین سطروں میں "حررہ مہدی علی ابن اُخت جناب منشی ظہور علی صاحب مالک این کتاب دام اقبالہم وزاد حشمتہم" درج ہے لہذا حاشیہ نگار غالب نہیں بلکہ مہدی علی ہیں افسوس کہ جن بزرگ صاحب نے پہلے پہل اس دریافت سے دنیائے ادب کو روشناس کرایا تھا انہوں نے حاشیے کو بغور پڑھنے کی زحمت گوارا نہ کی۔

۱۔ محررہٗ مہدی علی عفی عنہٗ ابن اخت جناب منشی ظہور علی صاحب مالک ایں کتاب دام اقبالہم وزاد حشمتہم۔

۲۔ مہدی علی عفا عنہ اللہ جزا ہمہٗ و ہدا اہٗ صراطاً مستقیماً

۳۔ مہدی علی۔

ان چھ صفحات پر کہیں بھی غالب کا نام درج نہیں ہے محررہٗ تو صاف ظاہر کر رہا ہے کہ تمام تر تحریر (مولانا) مہدی علی کی ہے اور انہوں نے ہی اس مشہور اور متنازع فیہ مسئلے پر اپنا حاشیہ درج کر دیا ہے۔

حاشیے پر غالب کا نام و دستخط نہ ہونے کے علاوہ یہ غالب کی تحریر سے قطعاً مشابہ بھی نہیں ہے علاوہ ازیں غالب کا رند مشرب ہونا تو ایک مسلمہ حقیقت ہے وہ ہمیشہ مذہبی تنازعوں سے دور رہے غالب کو ایسے دقیق اور اختلافی مسائل سے کوئی سروکار نہ تھا۔

اس کتاب کے آخیر میں جو عبارت درج ہے وہی اس غلط فہمی کا سبب بنی ہے تعجب ہے کہ حاشیہ نگار نے ۶ صفحوں پر تین جگہ اپنا نام مہدی علی لکھ دیا پھر بھی اسے غالب کی تحریر شمار کیا گیا۔

آخری صفحہ پر "خریدکردہ شیخ نصیر الدین صاحب در ۱۲۷۵ھ ہجری"

"محمد اسد اللہ غالب بقلم خاص[1]" درج ہے۔

"محمد اسد اللہ غالب بقلم خاص" دراصل یہی غالب الہ آبادی ہیں جس کے اثبات میں ذیل کی باتیں پیش کی جاتی ہیں۔

شیخ نصیر الدین کے بیٹے محمد اسد اللہ غالب تھے شیخ نصیر الدین الہ آباد کے رؤسا میں سے تھے اور الہ آباد کے مضافات میں ان کی زمینداری ایک بڑے علاقے پر مشتمل تھی ان کا مکان قصبہ سوانمہ ضلع الہ آباد میں "لداؤ" کے نام سے مشہور ہے جس کا تاریخی نام "خورشید منزلہ" ہے ۱۸۵۷ء کی بغاوت میں شیخ نصیر الدین وغیرہ نے باغیوں کے استیصال میں کافی سرگرمی دکھائی تھی اور انگریزوں کی بہی خواہی میں سبقت لے گئے یہی وجہ تھی کہ ان کے خاندان پر دستورِ زمانہ کے مطابق نوازشہائے فرنگ کی بارش ہوئی شیخ نصیر الدین کا انتقال ۱۸۹۷ء میں ہوا اور ان کی زندگی ہی میں "محمد اسد اللہ غالب" کا انتقال ۱۸۹۶ء میں ہو گیا تھا۔

محمد اسد اللہ غالب کی تاریخ پیدائش ۱۸۳۸ء ہے جیسا کہ ان کے خاندان کے رجسٹر پیدائش و فوت میں درج ہے اسد اللہ غالب عربی و فارسی میں کافی دستگاہ رکھتے تھے اور شعر بھی کہتے تھے ایسا کہا جاتا ہے کہ شیخ نصیر الدین کی عظمت و جاہ کو دوبالا کرنے میں ان کا بڑا ہاتھ تھا بڑے مدبر اور نباضِ وقت تھے۔

ان کی ذاتی ڈائری میں بعض واقعات مختصراً درج ہیں ذیل کا مصرع ان کے شاعر ہونے کی دلالت کرتا ہے۔ جو انہوں نے اپنے ایک عزیز علی بخش کے انتقال پر کہا ہے۔

ڈائری میں درج ہے۔

"علی بخش بعارضہ ہیضہ قضا عودہ غفرہٗ ۱۲۸۵ھ"

---

[1] فروغ اردو کے غالب نمبر میں بھی اس کا عکس پیش کیا گیا ہے جو کہ غالب دہلوی کی تحریر نہیں ہے بلکہ غالب الہ آبادی کی ہے۔

ع - گفت غالب سال فوتش غفرہ (غفرہ سے سال وفات نکلتا ہے)

پھر ۹ دسمبر ۱۸۷۰ء کے دن انہوں نے لکھا ہے: "جلد حصن حصین واسطے طیاری دائم علی کو دی گئی۔"

حسن اتفاق سے وہ جلد حصن حصین مجھے مل گئی جو انہوں نے دائم علی (جلد ساز) کو دی تھی اور اس پر غالب نے اپنے ہاتھ سے ذیل کی عبارت درج کی ہے اور ان کی خوبصورت مہر بھی ثبت ہے جس کا عکس ملاحظہ ہو ساتھ ہی ساتھ "حصن حصین"[1] کا پہلا صفحہ بھی۔ جس کے اوپری جانب عبارت ذیل ہے۔

عکس تحریر غالب الہ آبادی

---

[1] "حصن حصین" دعاؤں کی کتاب عربی زبان میں ہے یہ قلمی نسخہ فارسی ترجمے کے ساتھ ہے جو تین سو سال قدیم ہوگا نہایت اچھی حالت میں ہے آخر میں کاتب کا نام درج نہیں ہے اور نہ سال کتابت۔ کتاب کا عکس اصل سائز کے برابر ہے۔

عکس صفحہ اوّل حصن حصین
جس کے اوپر بائیں جانب غالب اکبر آبادی کی تحریر ہے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

لا الٰہ الا اللہ عدد لقائہ اللّٰہم صلّ
علی سید الخلق محمد وآلہ وصحبہ
وسلم قال الفقیر الضعیف المنکسر
المنقطع الی اللہ تعالیٰ الراجی من

"این نعمت الٰہی بے بہارا بصرف بہائے قلیل یعنی مبلغ دہ روپیہ
معرفت جیون در ملکیت خود آوردم
محمد اسد اللہ غالب بقلم خاص ۱۲۹۴ھ ہجری"

مہر جو کور "شیخ محمد اسد اللہ غالب صدیقی، حنفی، مومن، الہ آبادی بن نصیر الدین بن امان اللہ
بن کرنیل فرحت علی خان ؒ"

اب اس مُہر اور تحریر کے بعد کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ غنیۃ الطالبین پر غالب والی تحریر دراصل غالب الہ آبادی کی ہی ہے غالب دہلوی کی نہیں۔ غنیۃ الطالبین پر شیخ نصیر الدین کا نام دراصل غالب الہ آبادی کے والد کا نام ہے۔

غالب کی یہ تحریر "این نعمت الٰہی بے بہارا بصرف بہائے قلیل" اس بات کو ظاہر کرتی ہے کہ غالب یقیناً صاحبِ علم و فضل تھے۔ ان کے کلام کے بارے میں مزید معلومات کی کوشش کر رہا ہوں امکان ہے کہ اسے بھی پیش کر سکوں گا۔

مذکورہ تحریر میں "جیون خان" کا نام آتا ہے جیون خان کٹرا میں کوئی سرکاری عہدہ دار تھے اور شیخ نصیر الدین کے خسر تھے جن کی بیٹی فرید النساء ان کو منسوب تھیں اور ان کے کوئی اولاد نرینہ پیدا نہیں ہوئی۔

غالب دہلوی نے اپنے نام کے ساتھ کہیں بھی "بقلم خاص" نہیں لکھا ہے یہ صرف غالب الہ آبادی کا مخصوص انداز تھا جو انہوں نے اپنے نام کے ساتھ درج کیا ہے دوسری بات یہ بھی ہے کہ غالب نے خال خال اپنے نام کے ساتھ "محمد" لکھا ہے اور آخری عمر میں تو قریب قریب ترک کر دیا تھا جیسا کہ انہوں نے ۷ ستمبر ۱۸۵۷ء کو تفتہ کو اپنے خط میں لکھا ہے کہ لفظ "محمد" کو ان کے نام سے خارج سمجھا جائے وہ اس طرح ہے۔

"سنو صاحب، لفظ مبارک م، حا، میم، دال، اس کے یہ حرف پر میری جان نثار ہے مگر
چونکہ یہاں سے ولایت تک حکام کے ہاں سے یہ لفظ یعنی "محمد اسد اللہ خان" نہیں
لکھا جاتا میں نے بھی موقوف کر دیا ہے۔" (خطوط غالب مرتبہ غلام رسول مہر ص ۱۶۳)

ایک دوسرے بھی غالب الہ آبادی ہوتے ہیں جو ان سے پہلے تھے ان کے بارے میں تذکرۂ بے نظیر میں ذیل کی عبارت درج ہے۔

"غالب — شیخ اسد اللہ دختر زادۂ شیخ محمد افضل الہ آبادی و برادر خالہ زادۂ شیخ محمد زائر است ———
و در سنہ ثلث و ثلثین و مأ و الف بہ عالم قدس خرامید"

اس لیے ان کا بھی ذکر کر دینا مناسب تھا کہ مبادا کسی کو غلط فہمی نہ ہو جائے کہ دونوں ایک ہی ہیں۔

اُمید ہے کہ مذکورہ بالا حقائق غالب دہلوی اور غالب الہ آبادی میں تمیز پیدا کرنے کے لیے قارئین کو مطمئن کر سکیں گے اور غنیۃ الطالبین کے حاشیے پر غالب کی تحریر سے متعلق غلط فہمی کا ازالہ ہو سکے گا۔

———

میخانۂ آرزو و سرانجام

(غالب کی کلیات نثر و نظم کا اوّلین مخطوطہ)

مسلم ضیائی

رسالۂ اردو، کراچی، جنوری ۱۹۶۸ء میں غالب کی کلیات فارسی "نثر و نظم" پر "میخانۂ آرزو سرانجام" کے عنوان سے میں نے ایک مضمون میں انجمن ترقی اردو، کراچی کے محزونہ خطی نسخے کو غالب کی کلیات نثر و نظم کا قدیم ترین نسخہ قرار دیا تھا۔ اس مضمون کے ساتھ متذکرہ کلیات کے پہلے اور آخری صفحے کا فوٹو بھی شائع ہوا ہے اس کے ترقیمے کی عبارت حسب ذیل ہے۔

"دیوان صاحب سرچشمۂ معانی و بحر بیکران سخندانی، اسداللہ خاں کہ متخلص بہ غالب است، بدستخط حقیر فقیر محمد عالم ولایتی، برائے مخدام والا مقام، مولوی صاحب جلیل الشان والا مناقب مولوی ..... (با تمام انجامید)
تحریر بتاریخ دہم شعبان روز جمعہ ۱۲۵۳ھ ہجری"

نقوش، غالب نمبر (۱۹۶۹ء) صفحہ ۴۹۴ پر مکرمی جناب امتیاز علی عرشی صاحب نے اس کی قدامت پر شبہ ظاہر کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے۔

"کتاب خانہ انجمن ترقی اردو۔ کراچی میں ایک مخطوطہ دیوان محفوظ ہے۔ اس پر ایک تفصیلی مقالہ جناب مسلم ضیائی صاحب نے رسالۂ اردو جنوری ۱۹۶۸ء میں تحریر فرمایا ہے۔ اس نسخے کے ترقیمے میں ۱۰ شعبان ۱۲۵۳ھ تاریخ اختتام بتائی گئی ہے، اگر یہ تاریخ درست ہو تو مذکورۂ بالا نسخہ دیوان فارسی کا قدیم ترین مخطوطہ تسلیم کیا جائے گا۔ مگر میری نظر میں یہ تاریخ بعد کو بڑھائی گئی ہے کیونکہ خاتمہ کاتب "با تمام انجامید" پر تمام ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد تاریخ کا اضافہ بے جوڑ سی بات ہے۔

اس خیال کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ خود مسلم ضیائی صاحب نے فرمایا ہے کہ اس میں لارڈ آک لینڈ کی مدح کا وہ قصیدہ متن میں موجود ہے جو اواخر دسمبر ۱۸۳۷ء اور اواخر رمضان ۱۲۵۳ھ کو لکھا گیا۔ ظاہر ہے کہ جو قصیدہ رمضان کے آخر میں تصنیف ہوا ہو وہ ۱۰ شعبان کے لکھے ہوئے نسخے میں کیسے جگہ پا سکتا ہے؟"

بظاہر عرشی صاحب کا متذکرہ اعتراض درست معلوم ہوتا ہے لیکن حقیقت اس کے برعکس ہے۔ غالب نے یہ قصیدہ ۲۵ روز ۱۸۳۷ء کو آک لینڈ کی خدمت میں پیش کیا اس کے چند شعر ملاحظہ ہوں۔

خامۂ سال و ماہ چہرہ بہفت آب شست   کارگہ روز و شب نقش دسمبر گرفت
رفت چو بر یکہزار و ہشت صد و سی و ہفت   معجزۂ عیسوی تازگی از سر گرفت

تہنیتِ عید را نیک سرانجام داد گرچہ سخن در طواف دایہ زہر دگرفت

ظاہر ہے کہ دسمبر میں "معجزۂ عیسوی" اور "تہنیتِ عید" کا اشارہ کرسمس ہی کی طرف ہے۔

لارڈ آک لینڈ کا گورنر جنرل کی حیثیت سے تقرر ۴ اپریل ۱۸۳۶ء کو ہوا۔ ۲۸ فروری ۱۸۴۲ء کو اس نے لارڈ ایلن برو کو چارج دیا اور ۳ مارچ ۱۸۴۲ء کو انگلستان روانہ ہو گیا۔[1] نیشنل آرکائیوز۔ نئی دہلی میں غالب کے مقدمۂ پنشن کے جو کاغذات ایک جلد میں محفوظ ہیں، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ غالب نے (مسل ۵ دسمبر ۱۸۳۶ء نمبر ۱۵۹ (۵۹؟) - ۶۱) ایک درخواست لارڈ آک لینڈ کو پیش کی تھی۔ پھر ڈبلیو۔ ایچ۔ میکناٹن سکرٹری کو دوسری درخواست بھیجی (مسل ۱۷ اپریل ۱۸۳۷ء نمبر ۶۶ - ۶۷) جس کے جواب میں سکرٹری نے "اُن کے مرسلہ قصیدۂ فارسی کے بارے میں گورنر جنرل کی جانب سے اظہار خوشنودی کیا ہے"۔[2] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ غالب نے ایک قصیدہ ۱۷ اپریل ۱۸۳۷ء ۱۱ محرم ۱۲۵۳ھ کو یا اس زمانے میں بھیجا تھا۔ میرے سامنے نیشنل آرکائیوز۔ نئی دہلی کے اصل کاغذات نہیں ورنہ اس قصیدے پر شاید مزید روشنی ڈالی جا سکتی لیکن موجودہ صورت میں بھی یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ کوئی اور قصیدہ تھا یا وہی قصیدہ جو ترمیم کے ساتھ دسمبر ۱۸۳۷ء میں کرسمس کے موقعے پر کابل کی مہم کے سلسلے میں آک لینڈ کے دہلی آنے پر پیش کیا گیا؟

اگر یہ وہ قصیدہ نہیں جس کا میکناٹن نے گورنر جنرل کی طرف سے اپریل ۱۸۳۷ء میں شکریہ ادا کیا، تو اس کے یہ معنی ہوئے کہ غالب نے آک لینڈ کی مدح میں ایک نہیں بلکہ دو قصیدے لکھے تھے، ایک اپریل ۱۸۳۷ء اور دوسرا دسمبر ۱۸۳۷ء میں ایسی صورت میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اپریل والا قصیدہ کیا ہوا؟

بہر حال غالب کا یہ اصول تھا کہ مقدمے کے سلسلے میں بطور نذرانہ، رشوت یا درخواست گورنر جنرلوں اور دوسرے عہدیداروں کی مدح میں حصولِ انصاف کی خاطر، قصیدے لکھ رکھتے اور موقع آنے پر پیش کر دیتے تھے۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوا ہے کہ اگر کسی ممدوح سے صلہ نہ ملتا تو کسی دوسرے ممدوح کا نام قصیدے میں داخل کر دیتے۔ منشی ذکاء اللہ دہلوی نے غالب پر جو الزام لگائے ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے جس پر شدید خفگی کا اظہار کیا ہے۔

چونکہ غالب قصیدہ لکھنے میں کافی جگر کاوی سے کام لیتے تھے اس لیے پہلے ہی سے تیاری شروع کر دیتے مثال کے طور پر تفتہ کو ایک خط (جون ۱۸۵۴ء) میں لکھتے ہیں:۔

"بادشاہ کا قصیدہ سارا اور ولی عہد کا قصیدہ بے خاتمہ آگے سے کہہ رکھا تھا۔ اس کا خاتمہ بہ ہزار دقت رمضان میں کر لیا اور عید کو دونوں پڑھ دیئے"۔[3]

صاف ظاہر ہے کہ آک لینڈ کے سلسلے میں بھی یونہی ہوا، یعنی قصیدہ پہلے لکھ لیا گیا تھا اور آک لینڈ کے دہلی آنے کا انتظار تھا

---

[1] بک لینڈ: صفحہ ۱۹ و ۱۴۴

[2] نقوش، غالب نمبر" غالب کا مقدمۂ پنشن از خواجہ احمد فاروقی صفحات ۸۳۰ - ۸۴۹

[3] خطوط غالب مرتبہ مہر صفحہ ۱۵۱

لیکن چونکہ کلیات کی اس وقت کتابت ہو رہی تھی اس لیے تاریخ بیشی (۲۵ دسمبر ۱۸۳۷ء ۲۷ رمضان ۱۲۵۳ھ) سے پہلے ہی یعنی ۱۰ شعبان ۱۲۵۳ھ کے تکمیل شدہ نسخے میں داخل ہو گیا۔

اب رہا "باتمام انجامید" کا مسئلہ۔ اس میں اول تو "بہ اتمام" کے ساتھ "انجامید" لائق توجہ ہے دوسرے اگر مخطوطہ یا فوٹو (مطبوعہ رسالہ اردو) کی آخری دو سطریں ذرا توجہ سے دیکھ لی جائیں تو سوئے فہمی رفع ہو جائے گی۔ کیونکہ "باتمام انجامید" کے الفاظ (محمد عالم کاتب کے) اس خط میں نہیں جس میں (نستعلیق قلم میں ہیں) آخری صفحے اور باقی کلیات کی عبارت لکھی گئی ہے۔ اس کے علاوہ آخری سطر (تحریر بتاریخ دہم شعبان روز جمعہ ۱۲۵۳ھ) اسی خط میں ہے جس میں کلیات کی باقی عبارت ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جس شخص نے مالک نسخہ کے نام پر سیاہی پھیری ہے اسی نے "باتمام انجامید" کے الفاظ بھی لکھ دیئے۔

کتب خانہ خدا بخش۔ پٹنہ میں کلیاتِ غالبؔ کے دو نسخے ہیں جن میں سے بقول قاضی عبدالودود صاحب ایک نسخے کی کتابت ربیع الاول ۱۲۵۴ھ میں ہوئی تھی اور دوسرے کی ۱۵ ذی قعدہ ۱۲۵۷ھ[1] انجمن کے نسخے کی تاریخ ۱۰ شعبان ۱۲۵۳ھ ہے۔ اس میں نعتیہ اور منقبتی قصیدوں کے علاوہ چھ دوسرے قصیدے بہ ترتیب ذیل ہیں۔

(۱) اکبر شاہ ثانی و شہزادہ سلیم (۲) آک لینڈ (۱۸۳۶ء) (۳) نصیر الدین حیدر (۱۸۳۷ء) (۴) مٹکاف (۵) اسٹرلنگ (۱۸۳۱ء)
(۶) ولیم فریزر (متوفی ۱۸۳۵ء)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا اندراج تاریخی ترتیب سے نہیں ہوا۔ اس میں بہادر شاہ ظفرؔ پر نسب، امام مہدی اور شمس الامرا کے مدحیہ قصیدے بھی نہیں جو ۱۲۵۷ھ کے نوشتہ چھچھل کے نسخے پٹنہ میں موجود ہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ انجمن کے نسخے کی آخری سطر بعد کا اضافہ نہیں بلکہ کاتب نسخہ، یعنی محمد عالم ولایتی ہی کی تحریر ہے۔ البتہ "باتمام انجامید" بعد میں بڑھایا گیا جس کے باعث مخزومی عرشی صاحب کو غلط فہمی ہوئی۔ ان حقائق کی روشنی میں انجمن ترقی اردو۔ کراچی کی مخزونہ کلیات (میخانۂ آرزو سرانجام، غالب کی نظم و نثر کا قدیم ترین معلوم خطی نسخہ ہے۔

---

[1] رسالہ اردوئے معلیٰ۔ دہلی۔ غالب نمبر ۱۹۶۰ء صفحہ ۴۰

میرے صاحب شفیق مکرم و معظم میر بندہ علی صاحب عرف مرزا امیر صاحب کو غالب
دلبر گشتہ نوا کا سلام پہنچے آپ کا پیام روح افزا پہنچا بلکہ وہ عبارت سراسر بشارت
میں نے خود پڑھ لی جناب سری مہاراؤ راجہ بہادر نے جو میرے حق میں فرمایا سو بجا
پانچ برس کی میری عمر تھی کہ میرا باپ عبد اللہ بیگخان عرف مرزا دولہا مہاراؤ
راجہ بختاور سنگہ بہادر کی رفاقت میں مارا گیا سرکار سے میرے باپ کی تنخواہ
میرے نام پر جاری ہوئی اور ایک گانو جسکا تالڑا نام ہے مجھکو برای دوام ملا
تب یوں سمجھیے کہ ادہر تو وہ پینا چھوڑا اور ادہر راج کی روٹی کھائی
چار برس کے بعد نصر اللہ بیگخان میرا چچا مر گیا نو برس کی عمر میں سرکار انگریز
سے بعوض چچا کی جاگیر کے نقدی مقرر ہوئی اب تک اوس پر معاش کا مدار
ہے عمر بھر میں نوکری کی تو بہادر شاہ سے نجم الدولہ دبیر الملک نظام جنگ
خطاب پایا کچھ دنوں بادشاہ کا مصاحب رہے پھر استاد کہلایا اب!

یہ خط غیر مطبوعہ ہے۔ " میر بندہ علی عرف میرزا امیر صاحب مصوری کے فن میں اُستاد تھے۔ مہاراجہ الور نے انہیں اپنے پاس الور میں رکھا تھا۔ " میر بیٹہ باز " کہلاتے اور دہلی دروازہ ، الور میں قیام تھا۔ مہاراجہ الور نے جاگیر دی تھی۔ یہ خط مجھے ان کے نواسے سید مصطفٰے میرزا سے حاصل ہوا ——— (رضیانی)

اس پر غالب کی ۱۲۳۸ھ والی مُہر ثبت ہے، حالانکہ یہ خط ۸ شعبان ۱۲۸۰ھ م
۱۸ جنوری ۱۸۶۴ء کو لکھا گیا۔ اس مُہر میں نام "محمد اسد اللہ خاں" ہے (ضیائی)

قرۃ العین سجاد ابن حسین سلمہ اللہ تعالیٰ

خوبی دین و دنیا تمکو ارزانی تمہارے خط کی دیکھنے سے آنکھیں
روشن ہوگئیں دلکو چین آگیا چشم بد دور خط اچھا عبارت
اچھی اردو میں مطلب نویسی اچھی ہو حق تعالیٰ تمکو عمر و
دولت عطا کرے اپنی والد ماجد کو سلام کہنا اپنے بہائی
مظفر میرزا کو دعا کہنا اکبر میرزا کو دعا کہنا زیادہ زیادہ
نجات کا طالب غالب ۱۵ مارچ ۱۸۶۵ روز چہار شنبہ

یہ خط، خطوطِ غالب، مرتبہ مہر ص ۴۱۸ پر ہے لیکن اس میں
"اکبر میرزا کو دعا کہنا" موجود نہیں —— (ضیائی)

غالب کے سات فارسی خط (مکتوب الیہ کی بیاض سے)

سید وزیر الحسن عابدی

باغِ دودر کے خطوط میں تفضل حسین خان کے نام سات فارسی خط درج ہیں۔ غالب کے معاصرین میں اس نام کے ایک سے زیادہ اشخاص ہیں لیکن ان خطوط کی داخلی شہادتوں کی بنا پر راقم نے باغِ دودر کے تحقیقی نامے میں ان تفضل حسین خاں کی وطنی نسبت "خیر آبادی" قرار دی تھی۔ اب پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں محفوظ ایک بیاض[1] ذخیرۂ شیرانی سے بھی جس میں یہ ساتوں خط اسی ترتیب سے نقل ہوئے ہیں، اس بات کی توثیق ہو گئی۔

خطوط کا جو متن بیاض میں درج ہے اس سے نہ صرف باغِ دودر کے ان خطوط کو سندیت کی ایک نئی بنیاد مل گئی بلکہ آخر کے وہ جملے بھی مل گئے جن میں غالب نے تاریخ تحریر درج کی تھی۔ باغِ دودر کے اصل نسخے کی کتابت میں یہ جملے یا بالکل حذف کر دیے گئے یا ناقص درج ہوئے تھے۔

اگرچہ بیاض میں تفضل حسین خان کا نام کہیں درج نہیں ہے، لیکن تمام قرائن بتا رہے ہیں کہ یہ بیاض انہی کی ہے۔

۱۔ بیاض کا کاغذ اور اس کے مختلف مندرجات کا خط انیسویں صدی کا ہے۔

۲۔ خطوط کے عنوان میں صرف یہ الفاظ درج ہیں "رقعات مرزا اسد اللہ خان المتخلص بہ غالب"۔

مکتوب الیہ کا نام نہ اس عنوان میں ہے نہ کسی خط کے شروع میں ہے۔ ظاہر ہے تفضل حسین خان جو یہ خط اپنی بیاض میں نقل کر رہے ہیں خود مکتوب الیہ ہیں اس لیے مکتوب الیہ کے نام کا ذکر ضروری نہیں سمجھا۔

۳۔ تفضل حسین خان بڑے فاضل اور باکمال آدمی تھے۔ بیاض میں نقل شدہ خطوط کا خوبصورت اور پختہ خطِ شکستہ اور نقل کی صحت اور اس میں املا کی صحت وہی ہے جس کی توقع انیسویں صدی کی ایک ایسی شخصیت سے ہوتی ہے۔

۴۔ خط میں ایک جگہ نسخہ بدل "فرستادہ آید" بجائے "فرستادہ شود" مجھے غالب کے ہاتھ کا لکھا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ ظاہر ہے تفضل حسین خان نے جنہیں غالب سے بڑا قرب تھا بیاض میں یہ نقل شدہ خطوط انہیں دکھائے ہوں گے اور غالب نے یہ لفظ صحیح کر دیا ہوگا۔ ممکن ہے غالب نے اصل خط ہی میں "فرستادہ آید" لکھا ہو اور نقل میں یہ ایک لفظ سہواً مختلف ہو گیا اور ممکن ہے غالب نے اپنے خط کی عبارت میں یہ تبدیلی بعد کی اصلاح کے طور پر کی ہو۔ یہ معلوم ہے کہ غالب فعل مجہول کی ساخت میں "شدن" کے بجائے "آمدن" لکھنے کو بعض موقعوں پر ترجیح دیتے تھے اور یہ چیز ان کے اسلوبیاتی رجحانات میں سے تھی۔

ذیل میں ہم باغِ دودر اور بیاضِ تفضل حسین خاں میں ان سات خطوط کے اختتامیہ الفاظ کا فرق بیان کرتے ہیں۔ خاتمے کے علاوہ

---

[1] راقم اس سلسلے میں ملک احمد نواز اسسٹنٹ لائبریرین کی نشاندہی کا سپاسگزار ہے۔

خطوط کا باقی متن دونوں ماخذوں میں بالکل مطابق ہے ۔

خط : ۱

اس خط کے متن میں باغِ دودر اور بیاض کا باہمی اختلاف صرف یہ ہے کہ خط کے آخر میں "والسلام مع الاکرام" کے بعد یہ الفاظ بھی بیاض کے متن میں ہیں "نگاشتہ چارشنبہ" (کذا) چار دہم (کذا) جمادی الثانی مطابق دہم جون" معلوم ہوتا ہے کہ یہ الفاظ باغِ دودر کے کاتب عنایت علی سے نقل میں سہواً چھوٹ گئے ہیں۔ چونکہ باغِ دودر میں تفضل حسین خان کے نام کے جو سات خط ہیں، وہ اسی ترتیب سے ہیں جس ترتیب سے مذکورہ بیاض میں درج ہیں، اس لیے ظاہر ہے کہ ان خطوط کے لیے باغِ دودر کے اصل نسخے کے کاتب یا کسی درمیانی ناقل کا منقول منہ یہی بیاض ہے۔ مذکورہ الفاظ کے بعد بیاض میں یوں ہے "جواب طلب از اسداللہ بے ادب"۔ لیکن باغ کے متن میں اس جملے کا پہلا لفظ "ہم چون" ہے پھر لفظ "ضروری" کے بعد "است" کا اضافہ ہے مگر "اسداللہ" سے پہلے "از" نہیں ہے۔ واضح ہے کہ یہاں "ہم چون" ان الفاظ میں سے جو حذف ہو گئے آخری دو لفظوں "دہم جون" کی تصحیف ہے جو بعد کے جملے کا جزو بن گئی۔

از روئے تقویم جمادی الثانی کی چودھویں تاریخ کو چہارشنبہ ۱۲۵۹/ ۱۸۴۳ء میں پڑتا ہے۔ داخلی شہادتوں کی بناء پر جو ہم نے باغِ دودر کے تحقیق نامے میں درج کی ہیں۔ یہی سال قرار پاتا ہے۔ تاریخ کی مطابقت میں "دہم جون" غالب نے بظاہر سہواً لکھا ہے۔ یہ دراصل جون نہیں جولائی ہے اور تاریخ بھی "دوازدہم" بجائے "دہم"

چونکہ اس خط میں غالب نے پنشن کے مقدمے کے سلسلے میں اکبرآباد جانے کا ارادہ ظاہر کیا ہے۔ اور یہ زمانہ سر چارلس تھیافلس مٹکاف لفٹننٹ گورنر مقیم اکبرآباد کی عہد داری کا ہے۔ اس لیے خط کی تاریخ یہی ہے ۔

خط : ۲

اس خط کے آخر کے الفاظ بیاض میں یہ ہیں "از اسداللہ نگاشتۂ چارشنبہ (کذا) چارم ذی‌الحجہ ۱۲۶۴ ہجری" باغ کے کاتب سے یہ الفاظ حذف ہو گئے ہیں۔ اس قمری تاریخ کی مطابقت یکم نومبر ۱۸۴۸ء سے ہے ۔

خط : ۳

بیاض میں یہ خط ان الفاظ پر ختم ہوتا ہے "از اسداللہ صلہ خواہِ روسیاہ نگاشتۂ یکم ربیع الاوّل ۱۲۶۱ مطابق دہم مارچ ۱۸۴۵ء"۔ لیکن باغ میں یہ الفاظ "صلہ خواہ روسیاہ" حذف ہو گئے ہیں یا کر دیے ہیں اور قمری تاریخ کے بعد عیسوی تاریخ کی مطابقت والے الفاظ بھی درج نہیں ہیں۔ باغ میں ۱۲۶۱ کے بعد لفظ "ہجری" پر خط ختم ہوا ہے۔ بیاض میں ۱۲۶۱ کے بعد نہ لفظ "ہجری" ہے اور نہ اس کی علامت "ھ"۔

خط : ۴

اس خط میں "والسلام" کے بعد بیاض کے متن میں یہ عبارت ہے "اسداللہ شنبہ ۱۹ ربیع الآخر ۱۲۶۴ و ۲۵ مارچ ۱۸۴۸ء این نامہ نگاشتہ شد تا کدام روز فرستادہ شود و چگونہ فرستادہ شود فقط" باغ میں یہ خط "والسلام" پر ختم ہو جاتا ہے

خط: ۵

بیاض میں خط کے الفاظ: "والسلام بالوف الاحترام کے بعد ہے" از اسداللہ نگاشتہ و روان داشتہ شنبہ ۲۴ مئی ۱۸۵۱ عیسوی"۔ یہ نکتہ بھی قابلِ ذکر ہے کہ بیاض میں "بالوف الاحترام" کا املا عربی کے مطابق نہیں ہے۔ فارسی کے انداز میں "بہ الوف الاحترام" لکھا ہے جو اس سیاق میں جہاں اس سے پہلے عربی انداز میں "والسلام" آیا ہے درست نہیں۔

خط: ۶

باغ اور بیاض دونوں میں اس خط کی تاریخ سالِ ہجری کو چھوڑ کر درج کی گئی ہے۔ متن دونوں میں مطابق ہے۔

خط: ۷

باغ میں یہ خط "اسداللہ" پر ختم ہوتا ہے۔ لیکن بیاض میں اس کے ساتھ "نامہ سیاہ" بھی ہے اور تاریخ بھی درج ہے۔ "سہ شنبہ ہفتم ذیقعد ۱۲۶۵ھ (کذا)، ہجری و بست و پنجم ستمبر ۱۸۴۹ء" ظاہر ہے ۱۲۶۵ کے بجائے ۱۸۶۵ھ سہو کتابت ہے۔

تفضل حسین خاں کے نام غالب کا آخری خط باغ اور بیاض کے ان سات خطوں میں وہ ہے جو ترتیب میں چھٹا اور ۲ر جنوری ۱۸۵۴ء کا تحریر کردہ ہے۔ مکتوب الیہ کی وفات اسی سال ہوئی تھی (ر۔ک: علم و عمل مؤلفہ مولوی عبدالقادر خاں رامپوری۔) البتہ پہلا خط زمانی ترتیب کے لحاظ سے سب سے پہلا ہے۔ ساتوں خطوں کی زمانی ترتیب یہ ہوئی۔

باغ اور بیاض میں خط کا ترتیبی شمارہ	تاریخ تحریر	
۱	۱۲ر جولائی	۱۸۴۳ء
۳	دہم مارچ	۱۸۴۵ء
۴	بست و پنجم مارچ	۱۸۴۸ء
۲	یکم نومبر	۱۸۴۸ء
۷	۲۵ر ستمبر	۱۸۴۹ء
۵	۲۴ر مئی	۱۸۵۱ء
۶	۲ر جنوری	۱۸۵۴ء

یادگارِ غالب میں غالب کے خطوں سے دو اقتباس درج ہوئے ہیں، ایک وہ جس میں انہوں نے اپنے حادثۂ اسیری پر اپنے حزن و اندوہ کا اظہار کیا ہے دوسرا وہ جس میں انہوں نے اپنی پھوپھی کے انتقال کی اطلاع دی ہے اور اپنا تاثر بیان کیا ہے یہ دونوں اقتباس اردو میں ہیں، ان میں سے ایک کے بارے میں جس میں حادثۂ اسیری کا ذکر ہے، حالی نے (یادگارِ مجلس ترقی ادب لاہور ص ۴۱، ۴۲) بتایا ہے کہ غالب کے ایک فارسی خط کی ایک عبارت کا ترجمہ ہے۔ لیکن یہ نہیں بتایا کہ یہ خط پنج آہنگ کا ہے یا کوئی

غیر مطبوعہ خط ہے۔ پھر یہ نشاندہی بھی نہیں کی کہ اس کا مکتوب الیہ کون ہے۔ یہی اردو ترجمہ بشیر الدین احمد دہلوی نے بھی واقعات دارالحکومت دہلی (حصہ دوم ص ۴۴۰) میں درج کیا ہے انہوں نے بھی اصل ماخذ کی نشاندہی نہیں کی۔ دراصل زیر بحث فارسی خط باغ دودر میں سے ہے اور تفضل حسین خاں کے نام کے زیر نظر سات خطوں میں شامل ہے۔ جس اقتباس میں غالب کی پھوپھی کے انتقال کی خبر ہے اور خط کے مکتوب الیہ کا نام بھی حالی نے بتایا ہے۔ یعنی منشی نبی بخش حقیر اس کی ہم مضمون عبارت تفضل حسین خاں کے نام کے چھٹے خط میں ہے۔ نبی بخش کے نام کا اردو خط جناب آفاق حسین صاحب آفاق دہلوی کی "نادرات غالب" میں چھتیسواں ہے۔ اس اردو خط میں غالب نے تاریخ تحریر ۲۲ دسمبر ۱۸۵۳ء درج کی ہے اور تفضل حسین خاں کو فارسی خط ۲ جنوری ۱۸۵۴ء کو لکھا ہے۔ غالب کی پھوپھی کا انتقال منگل ۱۸ ربیع الاول ۱۲۷۰ھ / ۲۰ دسمبر ۱۸۵۳ء کو ہوا تھا۔ اس طرح یہ دونوں خط ایک دوسرے کی تصدیق کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ ان خطوں میں پانچویں اور چھٹے خط سے جن میں پہلا ۱۸۵۱ء کا اور دوسرا ۱۸۵۴ء کا ہے۔ اس عام خیال کی بھی تردید ہو جاتی ہے کہ غالب نے فارسی مکتوب نگاری ۱۸۵۰ء سے ترک کر دی تھی۔ باغ دودر میں ان کے علاوہ ۱۸۵۰ء کے بعد کے اور فارسی خطوط بھی ہیں۔

زیر بحث سات خطوں میں سے دوسرے خط سے، جو یکم نومبر ۱۸۴۸ء کا تحریر کردہ ہے، یہ نیا انکشاف بھی ہوتا ہے کہ ان کی ایک تالیف جس میں باقاعدہ دیباچہ بھی ہے "فنِ بانک" پر ہے۔ یہ رسالہ انہوں نے اُردو سے فارسی میں ترجمے کرکے مرتب کیا تھا۔ چونکہ تفضل حسین خاں کی بیاض سے اس خط کا زمانہ بھی متعین ہو جاتا ہے یعنی اکتوبر ۱۸۴۸ء۔ تقریباً بارہ سال کا عرصہ ہوا راقم نے جناب قاضی عبدالودود سے درخواست کی تھی کہ بھارت میں ریاست ٹونک کے کتب خانے اور وہاں کے ذاتی ذخیروں میں، غالب کی اس گم شدہ کتاب کا سراغ لگائیں شاید مل جائے۔ لیکن ابھی تک خوشخبری نہیں ملی ہے۔

اس مختصر تعارف کے بعد ہم بیاض تفضل حسین خاں سے زیر نظر سات خطوں کا متن عکسی نقول کی صورت میں پیش کرتے ہیں۔

راقم نے باغِ دودر کے تحقیقی نامے میں ان خطوں کا جو اردو ترجمہ شائع کیا ہے وہ بھی ساتھ شامل کیا جا رہا ہے۔ خاص طور پر اس لیے کہ ترجمے میں ہر خط کے توضیح طلب مطالب ہم نے مختصر الفاظ میں قلابین میں واضح کیے ہیں اور اس طرح لکھے ہیں کہ توضیحی الفاظ عبارت میں شامل کرکے پڑھے جا سکیں۔ ترجمے کی ہر عبارت کے آخر میں جو ہندسے قلابین میں مندرج ہیں، ان سے ہمارے باغ دودر کے فارسی متن (مطبوعہ لاہور جولائی ۶۸ء) کی سطور کی نشاندہی ہوتی ہے۔ قلابین کی توضیحات کے مآخذ ہم نے تکملہ باغ دودر میں درج کیے ہیں۔

(۳)

خط : ۲

(۴)

ترجمہ

(۱) حضرت سلامت، تفقد نامہ جے پور سے آیا اور میرے لیے غم زدا بلکہ دلربا بن کر آیا۔ جے پور میں مخدوم کا مستقل قیام نہیں، اس لیے جواب میں دیر کی اور اب دو ہفتے سے زیادہ ہو گئے ہیں۔ سمجھتا ہوں آپ جے پور سے اجمیر پہنچ گئے ہوں گے۔ چنانچہ یہ عریضہ اجمیر روانہ کر رہا ہوں اور ڈاک کا محصول مخدوم کے ذمہ چھوڑ رہا ہوں۔ عام خیال ہے کہ ڈاک والے محصول کی خاطر بیرنگ خط پہنچانے میں زیادہ اہتمام کرتے ہیں۔ [۱ تا ۷]

(۲) بندہ پرور، اس سے پہلے میں خود اپنے سے شرمندہ تھا کہ ایک صاحب جاہ کی مدح کر کے دستِ سوال دراز کیا اور اب آپ کے سامنے شرمسار ہوں کہ آپ کو بار بار زحمت کرنی پڑ رہی ہے۔ اہل فرنگ گداگروں کی سفارش بھی گوارا کر لیتے ہیں آپ برابر سفارش کرتے رہے اور اب آپ کی تحریر سے مترشح ہے کہ ابھی سفارش کی احتیاج باقی ہے۔ اگر مراد یہ ہے کہ میں منت پذیری اور سپاس گزاری کا اظہار کروں تو خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ منت پذیر بھی ہوں اور سپاس گزار بھی، اور احسان کیوں نہ مانوں، اور اپنے کو رہین سپاس کیوں نہ جانوں، اس لئے کہ آپ کی طرف سے لطف و کرم کا حق ادا ہو چکا۔ [۷ تا ۱۵]

(۳) مجھے یاد ہے والا نامے میں جس کا جواب لکھ رہا ہوں مرقوم تھا کہ آنجناب نے نواب صاحب [وزیر الدولہ نواب ٹونک] کی زبان سے میرے حق میں حکم سنا ہے اور اس کے بعد جناب اس کی تحریک کریں گے کہ وہ حکم باقاعدہ جاری کیا جائے۔ گویا اس حکم کا جاری ہونا تحریک پر موقوف ہے۔ اس بات سے پریشانی دور ہوئی اور دل کو سکون و اطمینان حاصل ہوا [۱۵ تا ۱۸]

(۴) بات یہ ہے کہ مجھے ان دنوں ایک ایسی ضرورت [بسلسلہ مقدمہ پنشن] پیش آ گئی ہے کہ اکبر آباد جانا پڑے گا اور لفٹنٹ گورنر [SIR CHARLES THEOPHILUS METCALFE] سے جو مجھے مدت سے جانتے ہیں اور میرے مربی اور غمخوار ہیں اپنا حال زار بیان کرنا ہوگا۔ انتظار اس کا ہے کہ ایک دو بارشیں ہو کر ہوا سرد اور زمین خنک

ہو جائے تو آگرے سے روانہ ہوں، اور اس طرح یہ سفر شروع ہونے میں لامحالہ ایک مہینے لگے گا۔ ایسی صورت میں کتنا اچھا ہو کہ اسی چار ہفتے میں جو جواب مجھے ملنا ہے مل جائے تا کہ ماڈک صاحب (SIR THOMAS HERBERT MADDOCK) کا مہر کردہ خط بھی میرے پاس ہو اور اس کا خدشہ بھی نہ رہے کہ شاید آپ کا خط دہلی ایسے وقت پہنچے کہ میں روانہ ہو چکا ہوں اور ڈاک والے مجھے نہ پا کر خط آپ کو واپس کر دیں۔ چونکہ لطف و مرحمت کا درجہ دور اندیشی سے بالاتر ہے۔ مجھے امید ہے کہ آپ آغاز کار کو انجام تک پہنچا دیں گے اور اسی مہینے میں یہ کام اتمام تک پہنچ سکے گا [۱۸ تا ۳۰]

(۵) میرزا علی بخش خاں [رنجور تخلص (میرے برادر نسبتی)] سلام کہتے ہیں اور فخر الدین [غلام فخر الدین پسر رنجور] کورنش عرض کرتا ہے [آپ کے بھائی] مشفق مکرمی سید ارشاد حسین کی خدمت میں میرا سلام پہنچے اور میری کوتاہ قلمی کی معذرت بھی۔ انہیں کسی دوسرے موقع پر خط لکھوں گا۔ والسلام مع الاکرام نگاشتۂ چہارشنبہ ۴ جمادی الثانی [۱۲۵۹ھ] مطابق ۱۰ جون [۱۸۴۳] جواب طلب۔ از اسد اللہ بے ادب [۳۰ تا ۳۶ آخر] [۱۸۴۳ء]

(۲)

(۱) بخدمت وافر المسرت حضرت اخوان پناہی مطاع امید گاہی دام لقاءہ۔ [۱، ۲]

(۲) قلم کی زبان سے جو ترجمان دل اور سفیر شوق ہے، باتیں کرتا ہوں۔ [۲، ۳]

(۳) اس سے پہلے مشفق طالع یار خاں نے جو والا نامہ مجھے پہنچایا تھا، اس کا جواب اسی دن لکھ کر انہیں دے دیا تھا اور اس کے دو تین دن بعد معلوم ہوا تھا کہ سرکاری ہرکارہ صرصر نامی وہ خط لے گیا۔ [۳ تا ۵]

(۴) یہ چند دن بڑے اچھے گزرے۔ طالع یار خاں کا قیام شہر میں تھا۔ ملاقات ہوتی رہتی تھی اور برابر آپ کے اوصاف و محامد کا ذکر رہتا۔ [۶ تا ۸]

(۵) ایک ہفتے سے زیادہ نہیں گزرا مکرمی قاضی فصیح الدین بداؤنی کا آگرے سے دہلی آنا ہوا۔ آپ سے مل کر آئے تھے۔ ان سے آپ کے ٹونک سے متھرا اور متھرا سے اکبر آباد آنے کی اطلاع ملی۔ انہیں بھی اپنی طرح آپ کی تعریف میں رطب اللسان اور آپ کی مدح و ثنا میں اپنا ہم زبان پایا۔ [۹ تا ۱۳]

(۶) انہیں مجھ سے رخصت ہوئے آج تیسرا دن ہے۔ میرا سلام آپ کی خدمت میں پہنچائیں گے۔ [۱۳، ۱۴]

(۷) شاید آپ بھی جلد ہی آگرے سے ٹونک روانہ ہونے والے ہوں اور وہاں پہنچ کر یہ عریضہ جو طالع یار خاں کو دے رہا ہوں آپ کی نظر سے گزرے۔ [۱۴ تا ۱۷]

(۸) اس دفعہ طالع یار خاں نے جس سے میرے دیرینہ مراسم ہیں، مجھ سے ایک بڑے مشکل کام کی فرمائش کی۔ بانک کے داؤ پیچ پر ایک مختصر ہندی رسالے کا فارسی میں ترجمہ کرنے کو کہا اور یہ مشورہ دیا کہ اس خدمت کی انجام دہی نواب معلی القاب [نواب صاحب، ٹونک، نواب وزیر محمد خاں] کی خوشنودی مزاج کا سبب ہوگی۔ میں چونکہ ان کے خوانِ جود و کرم کا زلہ خوار ہوں، اور سپاس نعمت مجھ پر فرض ہے۔ میں نے اس مشکل کام کے لیے قلم اٹھایا اور ایک رسالہ دیباچے اور خاتمے پر مشتمل ترتیب دے

کر انہیں کو دے دیا، اور ایک عرضداشت بھی لکھ کر ساتھ کر دی تاکہ اس وسیلہ سے یہ آرزو بر آئے کہ نواب صاحب کی توقیع میرے نام صادر ہو۔ [۱۷ تا ۲۴]

(۹) دیباچے کے مضمون کی داد پہلے آپ سے اور پھر مخدومی مولوی ظہور الدین علی سے چاہتا ہوں کہ ممدوح کا ذکر کن الفاظ میں کیا ہے اور فن بانک کی تعریف کس انداز سے کی ہے اور اس کے ساتھ دیباچے اور رسالے کی عبارت میں اسلوب بیان کی جدت کو کہیں ہاتھ سے نہیں جانے دیا ہے۔ بیان کا خاص اسلوب برابر قائم رہا ہے۔ بااین ہمہ جانتا ہوں کہ اپنی جادو بیانی پر فخر اس وقت کر سکتا ہوں، اور مجھے اپنی کاوش کی داد اس وقت ملے گی کہ بندگان نواب صاحب سلطان نشان میرے انداز بیان کو پسند فرمائیں۔ [۲۴ تا ۳۳]

(۱۰) اس عرض مدعا کے بعد قلم ہاتھ سے رکھتا ہوں، اور خط کو اس دعا پر ختم کر کے تہ کرتا ہوں "عمر فراواں بادو دولت روز افزوں از اسد اللہ نگاشتہ چہارشنبہ چہارم ذی الحجہ ۱۲۶۴ھ [یکم نومبر ۱۸۴۸ء] [۳۳ تا ۳۵]

(۳)

(۱) قبلہ جان و دل سلامت، اپنی تقصیر کا عذر خواہ ہوں، اور لطف و کرم دوست کا سہارا لے کر لب کشائی کرتا ہوں کہ اس خدا کی قسم جس نے جان و دل کو نور خرد عطا کیا اور کام و زبان کو گنج سخن دیا کہ میں آپ سے خوش ہوں اور جس طرح خدا کے وجود کو مانتا ہوں اسی طرح یہ بھی جانتا ہوں کہ حضرت میری حاجت روائی کے لیے بے حد کوشاں ہیں۔ لیکن کام ہوتا نہ ہو اور سننے والا کان دھرنے کو اور اس کا دل کچھ کرنے کو آمادہ نہ ہو تو حضرت کیا کریں اور دوسرے سے بجز میری حاجت روائی کیسے کرائیں۔ اس صورت میں مجھے چاہیئے تھا کہ مقصود سے قطع نظر کرتا اور آپ کو زیادہ زحمت نہ دیتا اور میرا خدا جانتا ہے قطع نظر کر چکا ہوں، اور اپنے لیے پریشان ہو چکا ہوں [۱ تا ۹]

(۲) اس خط سے ہرگز ہرگز یہ خیال نہ کریں کہ غالب کج اندیش گدائے مبرم ہے۔ یہ خط صرف ایک سوال کی خاطر ہے جس کا جواب چاہتا ہوں۔ حقیقت حال یہ کہ اگرچہ کمترین خلائق اور گوشہ نشین ہوں لیکن بے نواؤں اور ناداروں کے زمرے میں میری بھی آبرو ہے۔ گدا سہی، لیکن گدائے بارگاہ ہوں اور روشناس شاہ۔ تخت نشین دہلی کی مدح کی ہے تو منشور تفقد شاہانہ میرے نام صادر ہوا ہے، اور جب بھی گورنر جنرل کا قصیدہ کہا ہے تو ممدوح نے خوشنودی نامہ مجھے بھیجا ہے۔ چنانچہ ابو ظفر سراج الدین بہادر شاہ کی ایک توقیع اور جیمس ٹامسن (JAMES THOMASON) گورنر [صحیح لفٹنٹ گورنر] اکبر آباد [از ۲۲ دسمبر ۱۸۴۳ء تا ۹ ماہ اکتوبر ۱۸۵۲ء] کا ایک مکتوب میرے پاس موجود ہے ان فرمانرواؤں کے میرے پاس بہت سے مرحمت نامے ہیں لیکن یہاں ان میں سے صرف ان خطوں کا ذکر کیا ہے جو قصیدہ پہنچنے کی اطلاع اور خوشنودی و مہربانی کے اظہار کیلئے آئے ہیں۔ افسوس نواب عالی جناب [نواب وزیر محمد خاں والی ٹونک] نے تحسین کا جواب تحسین سے نہیں دیا اور عرضداشت کا جواب تحریر نہیں کیا۔ صلے اور عطیے اور انعام کے نہ پہنچنے کا مجھ حاشا وکلا نہیں، لیکن [عرضداشت کے جواب میں] مکتوب کے نہ آنے کا غم ضرور ہے۔ اس باب میں میرا ملول ہونا بیجا نہیں، لیکن ملول ہونے کے باوجود گلہ نہیں کرتا۔ یہ جو کچھ کہا بر سبیل حکایت ہے نہ کہ شکایت [۱۰ تا ۲۴]

(۳) اور یہ حکایت اس لیے ہے کہ ان دنوں [ثلث اول سال ۱۸۴۵ء] میرا فارسی دیوان جو کم و بیش سات ہزار ابیات پر مشتمل ہے۔ [مطبع دار السلام، دہلی میں] چھپ رہا ہے۔ غالباً دو مہینے کے اندر اندر اس کا چھاپا مکمل ہو جائے گا۔ ایک جلد ہدیے کے طور پر جناب کی خدمت میں بھیجوں گا، تاکہ جس طرح میری نثر کا مجموعہ [پنج آہنگ، قلمی] آپ کے پاس ہے۔ یہ سفینہ نظم بھی آپ کی حمایت میں رہے۔ [۲۴ تا ۲۸]

(۴) چونکہ نواب [ٹونک] نے مجھے درخور اعتنا نہیں سمجھا اور میری مدح گوئی کو نگاہ میں نہیں لائے۔ اس لیے میں سوچتا ہوں کہ میں بھی بے حوصلگی سے کام لوں اور اس قصیدے [ای ذات تو جامع صفت عدل و کرم را، قصیدہ ۱۴ در دیوان فارسی مطبوعہ ۱۸۴۵ء] کو قلم زد کر دوں۔ دیوان میں درج نہ کروں اور چونکہ نواب نے میرا نام اپنے دفتر [و دربار] میں پسند نہیں کیا میں بھی نواب کا نام نامی اپنے دیوان میں [درج کرنا] پسند نہ کروں۔ حضرت اس باب میں کیا فرماتے ہیں؟ [۲۹ تا ۳۲]

(۵) امیدوار ہوں کہ سوال کا جواب دیر سے نہیں بلکہ جلد عطا فرما کر مسرت بخشیں اور اس تفرقۂ خاطر سے آزادی دلائیں کہ دیوان کی طباعت جلد اس قصیدۂ نامقبول تک پہنچنے والی ہے۔ افسوس کہ میرا خون جگر پینا رائگاں گیا۔ اس بزرگ کی مدح کا کیوں میرے سر میں سودا سمایا تھا؟ صلے میں نہ دام و درم جسے بہلائے گو ہر سخن سمجھوں، نہ اظہار لطف و کرم جس پر قناعت کر دی [۳۳ تا ۳۹]

(۵) خط کے شروع ہی میں میں نے کہا ہے اور اب آخر میں بھی کہتا ہوں کہ مجھے اپنا بندہ جانیں، اور یقین کریں کہ میں آپ سے خوش ہوں۔ جو کچھ کہتا ہوں از روئے انصاف نظر میں تولیں اور مجھ سے آزردہ نہ ہوں۔ اس خط کا جواب جلد تحریر فرمائیں والسلام مع الاکرام، از اسد اللہ صلہ خواہ روسیاہ نگاشتہ یکم ربیع الاول ۱۲۶۱ھ [مطابق ۱۰ مارچ ۱۸۴۵ء] [۳۹ تا ۴۳ آخر]

(۴)

(۱) داغم ز سوز غم کہ خجل وارم ز خلق
بوئی کہ تن ز سوختن استخوان دہد

[از قصیدہ غالب در منقبت امام دوازدہم، دوازدہمین قصیدہ در دیوان فارسی مطبوعہ ۱۸۴۵ء] سبحان اللہ ایک طویل مدت گزر گئی۔ میں یہی سمجھتا رہا کہ قبلۂ کعبہ میں حجر الاسود کے بوسے لے رہے ہیں۔ برابر گوش بر آواز رہا کہ کب سننے میں آتا ہے کہ آپ کعبے سے عیاذاً للہ پھر آئے اور سفر حجاز سے واپس آ گئے۔ قسم برب کعبہ جب تک طالع یار خان حجاز سے ملنا نہیں ہوا اور ان سے یہ نہیں سنا کر خان والا شان وطن گئے ہوئے تھے، سات مہینے کے بعد واپس آئے ہیں اور اب اجمیر میں نہیں بلکہ ٹونک میں ہیں، یہی سمجھے ہوئے تھا [کہ حج کو تشریف لے گئے ہیں] جیسا کہ عرض کیا۔ بارے اب زبانی بھی حال معلوم ہوا اور والا نامہ بھی پہنچا اور باعث مسرت ہوا [۱ تا ۶]

(۲) جب دو آدمی ایک دوسرے سے دور ہوں تو قلم کی زبان سے ہی باتیں کر سکتے ہیں، ہمزبانی کا تشنۂ ذوق ہوں، والا نامہ پڑھتے ہی خط لکھنے بیٹھ گیا۔ خط لکھ رہا ہوں اور جانتا ہوں کہ جب تک یہ نگارش ختم نہ ہو گی چین نہیں آئیگا لیکن سر آن یہ دغدغہ ہے کہ حضرت ٹونک میں ہیں، اور [آپ کے برادر گرامی] سید ارشاد حسین خان سفر میں۔ خط لکھ جائے تو

کہاں بھیجا جائے۔ یہ سوچا ہے کہ طالع یار خاں ہی سے پوچھوں اور اس مردِ راہ داں کی رہنمائی کے مطابق خط روانہ کردوں۔ [۹ تا ۱۶]

(۳) آپ نے جو اظہارِ لطف فرمایا ہے اور [میری] سرگذشت پوچھی ہے تو سُنیئے۔ کوتوال [فیض الحسن خاں] دشمن تھا اور مجسٹریٹ [کنور وزیر علی خاں] ناآشنا، فتنہ کمیں میں موجود اور قسمت خراب۔ مجسٹریٹ حالانکہ کوتوال کا حاکم ہے۔ لیکن مجھ پر تشدد کے لیے کوتوال کا فرمانبردار بن گیا، اور میری گرفتاری کا حکم صادر کر دیا۔ اور سشن [سشن] جج [۰۰۰۰] نے اگرچہ میرا دوست تھا، ہمیشہ مجھ پر مہربان رہتا تھا اور بزم مے نوشی میں بارہا میرے ساتھ شریک ہُوا تھا، بے اعتنائی اور بیگانگی اختیار کر لی۔ مقدمہ صدر [عدالت] میں پہنچا۔ لیکن کسی نے شنوائی نہ کی اور وہی فرمان بیداد بدستور قائم رہا۔ نہ جانے کیا صورت پیش آئی کہ جب پوری میعاد ختم ہونے آئی تو مجسٹریٹ کے دل میں رحم آیا اور خود اپنے حکم کی منسوخی اور میری رہائی کے لیے صدر [عدالت] سے درخواست کی۔ درخواست منظور کی گئی، بلکہ مجسٹریٹ کے اس فعل کو سراہا گیا۔ لوگ کہتے ہیں کہ زعمائے قوم نے اس خیرہ سر یعنی ظالم مجسٹریٹ کو ملامت کی تھی اور میری آزادہ روی اور خاکساری اس پر واضح کی تھی۔ آخر خود میری رہائی کی درخواست کر کے اس نے گویا اس طرح عذر خواہی کی اور اس کے سوا بھی بہت معذرت اور دلجوئی کا اظہار کیا۔ میں ہر صفت اور ہر فعل اور ہر امر کو خدا کی طرف سے جانتا ہوں، اور خدا سے جھگڑنا روا نہیں، اس لیے جو کچھ ہُوا اس سے وارستہ اور جو کچھ گزری اس پر خوش ہوں۔ لیکن چونکہ آرزو آئینِ بندگی کے منافی نہیں:

عشق است و صد ہزار تمنا مرا چہ جرم
گر خواہشی کند دلِ شیدا مرا چہ جرم

اس لیے چاہتا ہوں کہ اب دنیا میں نہ رہوں، اور اگر رہوں تو ہندوستان میں نہ رہوں۔ روم ہے، مصر ہے، ایران ہے، بغداد ہے، ورنہ پھر خود کعبہ آزادہ روں کی پناہ گاہ اور سنگ آستانۂ رحمۃ للعالمین عاشقوں کی تکیہ گاہ ہے اس کے سوا کیا چاہیئے وہ وقت کب آتا ہے کہ قید فرو ماندگی حیات سے جو اس قید سے جو کٹ گئی، کہیں زیادہ روح فرسا ہے۔ نجات پاؤں اور کسی منزل کو مقصود بنائے بغیر صحرا میں نکل جاؤں یہ تھا بیان اس کا جو مجھ پر گزری اور یہ ہے وہ آرزو جواب دل میں ہے، والسلام۔ اسد اللہ شنبہ ۱۹ ربیع الآخر ۱۲۶۴ اور ۲۵ مارچ ۱۸۴۸ء کو یہ خط لکھا۔ اب دیکھیئے کس دن بھیجا جاتا ہے اور کس طرح بھیجا جاتا ہے فقط [۱۶ تا ۴۰] [اگست ۱۸۴۷ء]

(۵)

(۱) یارب یہ نسیم بہشت کا جھونکا اچانک کہاں سے آیا کہ مشامِ جاں معطر ہو گئی۔ [۱، ۲]

(۲) اس سے پہلے جناب نے خط میں لکھا تھا کہ سفر حجاز کا قصد ہے۔ بارے یہ نہ ہوا اور قبلہ کعبے نہ گئے۔ [۲، ۳]

(۳) پھر آپ کے برادر گرامی سید ارشاد حسین صاحب کی تحریر سے ہولناک بیماری کی خبر ملی اور میرے بیتابانہ استفسار سے پتہ چلا کہ قادرِ مطلق نے وہ بلا ٹال دی، اور یہ سُن کر اطمینان ہُوا۔ [۴ تا ۶]

(۴) اس موقع پر طالع یار خاں ٹونک سے آئے، انہوں نے بتایا کہ حضرت وطن تشریف لے گئے ہیں، اور جاتے وقت

فرما گئے ہیں کہ واپسی دیر سے ہوگی [۶ تا ۸]
(۵) میں سمجھتا تھا کہ مخدوم خیر آباد میں اور برادر معظم کوہ آبو میں مقیم ہیں اور سوچتا تھا کہ خیر آباد میں انگریزی ڈاک نہیں جاتی اور اگر خط آبو بھیجوں تو پہاڑ کے نام کے سوا کوئی اور پتہ بھی ہونا چاہیے، اور وہ مجھے معلوم نہیں۔ ان ہی دنوں میں ایک مبارک دن ڈاک کا تیز رفتار ہرکارہ آیا اور دار الخیر اجمیر سے بھیجا ہوا آپ کا خط لایا۔ دل سودا زدہ کو سکون ملا۔ پریشانی خاطر رفع ہوئی [۸ تا ۱۵]
(۶) آپ نے کتنی دل خوش کن بات لکھی ہے کہ ہم دہلی ہو کر اجمیر جانا چاہتے ہیں۔ یہ بھی تو سوچیے کہ سننے والا کیسے گا پھر کیوں ادھر نہیں آئے ؟ اور نہ آنے کی کوئی توجیہہ و تاویل نہیں ہو سکتی، سوائے اس کے کہ نہیں آئے۔ خسرو دہلوی نے کیا خوب کہا ہے :

پس از آنکہ من نمانم بچہ کار خواہی آمد

[مصرع اول : بلب آمدہ است جانم تو بیا کہ زندہ مانم [۱۶ تا ۲۰]

(۷) کچھ حال اس شہر و دیار کا لکھتا ہوں۔ اس سوز و ساز میں میری روداد بھی معلوم ہو جائے گی۔ والا برادر فرخ اختر محمد ضیاء الدین خان بہادر [نیر رخشاں] جیسا کہ اُن کا ہر سال کا معمول ہے، دو ہفتے ہوئے شملے گئے ہیں۔ برادر عزیز علی بخش خان بہادر [رنجور] شہر کی سکونت ترک کر کے عرب سرا میں جو مقبرۂ حضرت سلطان المشائخ [نظام الدین اولیاء] کے جوار میں چھوٹی سی آبادی ہے جا رہے ہیں۔ امین الدین خان بیگانگی اختیار کر ہی چکے۔ یہ دونوں ہمدم تھے۔ اب ان سے ملنے کو ترستا ہوں۔ [۲۱ تا ۲۷]
(۸) اس گوشہ نشینی میں جو میرا مسلک اور معمول ہے۔ بادشاہ سلامت [بہادر شاہ ثانی] نے مجھے [بروز پنجشنبہ ۲۲، شعبان ۱۲۶۶ھ / ۴ جولائی ۱۸۵۰ء] دربار میں بلایا۔ خلعت اور خطاب عطا فرمایا اور اپنے بزرگوں کی حکومت و سلطنت کے حالات لکھنے پر مامور فرمایا۔ میں نے دل میں کہا اے غالب آشفتہ سر منصب سخن گستری کی آبرو رکھنا ضروری ہے۔ اور اگرچہ افسانہ سرائی آزاد مردوں کا شیوہ نہیں طعنہ زنوں کو بھی موقع نہ دینا چاہیے۔ چنانچہ مبدء فیاض کی تائید و توفیق سے کتاب کا وہ حصہ [مارچ ۱۸۵۱ء] تک پیشروؤں کے اسلوب کو قائم رکھتے ہوئے ختم ہو گیا جو حمد، نعت، مدح سلطان، خطاب زمین کوس، سبب تالیف اور امیر تیمور صاحب قرآن حضرت ظہیر الدین بابر اور حضرت نصیر الدین ہمایوں کے حالات پر مشتمل ہے، اور یہ حصہ کاغذ کے آٹھ جزو میں آیا ہے اور معنی نگاری کا حسین مرقع ہے۔ [۲۷ تا ۳۶]
(۱۰) برادر روشن گہر سید ارشاد حسین خان کو سلام پہنچے۔ انہوں نے عطائے خطاب کی تہنیت میں مجھے جو خط لکھا تھا اس کا میں جواب نہ دے سکا تھا، اس بات پر مجھے شرمسار جانیں۔ ان دنوں یہ جنوں تھا کہ رات دن اس کتاب [پرتوستان] کی نگارش میں اور اس نگارش کے اسلوب کے اہتمام میں لگا رہوں۔ چنانچہ ان دنوں کتاب کے اس حصے کی ترتیب میں انہماک رہا جو حمد، نعت اور مدح پر مشتمل ہے۔ والسلام باوف الاحترام۔ [۳۸ تا ۴۴]

(۹) اب اکبر بادشاہ کی اکیاون سالہ سلطنت کے واقعات لکھنے ہیں۔ دیکھیے کیا ہوتا ہے اور قلم میرے ہاتھ میں کس طرح چلتا ہے۔ [۲۷، ۲۸]

(۶)

(۱) جان نوازا! اس تنگ رہگذر میں دونوں مرکب ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ ہم اس راستے کے راہرو ہیں، اس لیے خط میں خوشی اور غم دونوں کا ذکر کرنا ہے۔ اس سے بڑھ کر خوشی کیا ہوسکتی ہے کہ چودہ سال کی مدت کے بعد میری زندگی کی اندھیری رات میں چودھویں کے چاند کی چاندنی پھیل گئی ہے، گویا [مثنوی] جام جم کے لکھنے والے [اوحدی مراغی] نے میری زبان سے کہا تھا:

اوحدی شصت سال سختی دید
تا شبی روی نیک بختی دید

آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ میں کیا کہنا چاہتا ہوں۔ سمندر نہیں بلکہ آسمان فضل و کمال کے سات ستارے بلکہ نہ سات سمندر نہ سات ستارے بلکہ ان سے بھی روانی میں زیادہ اور روشنی میں بڑھے ہوئے مولانا مولوی حافظ محمد فضل حق المخاطب بہ امیر الدولہ بہادر دہلی تشریف لائے اور غالب حق پرست کو معتزلہ اور اشاعرہ کے علی الرغم اسی دنیا میں حق کا دیدار حاصل ہوگیا۔ لیکن تجلی حق میں سمجھتا ہوں، برق کی صورت میں تھی کہ حضرت دو ہفتے سے زیادہ اس شہر میں قیام فرما نہ ہوئے۔ چنانچہ کل یعنی سہ شنبہ سوم ربیع الثانی رامپور جارہے ہیں [۱ تا ۱۵]

(۲) غم جس کی طرف خط کے شروع میں اشارہ کیا یہ ہے کہ میری ایک پھوپی تھی جسے میں اپنے آٹھ مرحوم بزرگوں کی یادگار، بلکہ ان سب کی جگہ اپنا بزرگ جانتا تھا یعنی میری دو پھوپیاں [؟] تین چچا [مرزا نصر اللہ بیگ خاں اور [؟] ایک باپ [مرزا عبداللہ بیگ خاں] ایک دادی [؟] ایک دادا [مرزا قوقان بیگ] ان سب کے مرنے کے بعد ان سب کا جانشین سمجھتا تھا۔ اس پھوپی کا انتقال ہوگیا، اور اس معظمہ کے گذر جانے سے مجھ پر وہ گزر گئی جو دشنے سے جگر پر اور آگ سے خس پر گزرتی ہے

(۳) آج صبح کے بعد مولانا کے ساتھ ہم نشینی اور ہم سخنی کا موقع ملا۔ مولوی شاہ محمد (میں انہیں نہیں پہچانتا تھا یہ اٹھ کر جائیں گے، تو مولانا سے دریافت کروں گا کہ کون ہیں) نام کے ایک صاحب نے گفتگو شروع کی اور کہا کہ میں ٹونک جارہا ہوں۔ میں نے کہا کہ میرا خط لے جاسکتے ہیں، کہنے لگے ضرور، میں فوراً جارہا ہوں، ہاتھ گھوڑے کی باگ پر ہے اور پاؤں رکاب میں۔ چنانچہ میں نے لکھ کر دے دیا۔ اُمید ہے کہ یہ سلام و پیام آپ تک پہنچ جائے گا۔ [۲۰ تا ۲۶]

(۴) دوست عزیز بابو [جانی] بہکے لال [رند] طال بقاؤہ کے خط سے راجستھان کے عہد حکومت کا حال معلوم ہوا۔ شاید آپ کو بھی سفر کرنا پڑے اور یہ خط جو شاہ محمد کو لکھ کر دیا ہے نہ جانے کب پہنچے اور کہاں جا کر آپ کو ملے۔ [۲۶ تا ۲۹]

(۵) شاہ محمد ہی سے معلوم ہوا کہ [آپ کے] برادر گرامی میر ارشاد حسین اور فرزند سعید میر احمد حسین طال عمرہٗ آپ کے پاس پہنچ گئے ہیں یا جلد پہنچ جائیں گے۔ خدا اس ملاقات کو مبارک قرار دے اور زیادہ سے زیادہ برکتیں عطا فرمائے۔ بھائی صاحب کو میری طرف سے سلام اور بھتیجوں [میر احمد حسین اور میر مہدی حسین] کو دعا پہنچے [۲۹ تا ۳۰] دوشنبہ ۲ ربیع الثانی ۱۲۶۵ھ مطابق ۲۶ فروری ۱۸۴۹ء

(۲) فتح پور [سیکری] کے مخدوم زادے اپنے معاملے میں مجھ سے جواب مانگتے ہیں، ان لوگوں سے کیا کہوں۔ اس سے پہلے جو خط آپ کی خدمت میں لکھا ہے۔ اس میں اپنے دل کی تمام باتیں لکھ چکا ہوں۔ زیادہ کیا لکھوں۔ والسلام مع الاکرام۔ اسداللہ [دوشنبہ] ۲ ربیع الثانی [۱۲۷۰ھ] مطابق ۲ جنوری ۱۸۵۴ء۔ [۳۰ تا ۳۷۔ آخر۔]

(ے)

(۱) آپ کے کمالات علمی اور مکارم اخلاق کا جو عطیۂ الٰہی ہیں، غائبانہ گرویدہ ہوں، اور آپ کے طرزِ تحریر کی دلکشی اور اندازِ بیان کی جاں پروری نے مجھے اس عالمِ خاموشی میں گویائی اور خامہ فرسائی پر مجبور کر دیا ہے۔ آپ کا یہ جاں پرور خط جو غیر متوقع طور پر مجھے ملا ہے۔ میرے لئے شرفِ قبولیت کی خوشخبری ہے۔ آپ کی یہ خواہش دیکھ کر کہ خط کا جواب لکھوں، میرا دل چاہتا ہے کہ نگارش میں وہ اندازِ بیان برتوں جو فرزانگان دیدہ کی نظر میں پسندیدہ قرار پائے۔ تکلف برطرف اس سے پہلے بھی سخن گزاری اور نکتہ نگاری میں مجھے ایک دست گاہ حاصل تھی۔ لیکن کاش دل کا بارِ غم آتنا گراں نہ ہوتا اور قلم راہِ سخن میں اس روش پر چل سکتا جو اس سے پہلے ممکن تھی۔ لیکن افسوس یہ قلم جو خوش خرامی اور رقاصی میں اپنی روانی اور نواسنجی سے نشاط افروز رہتا تھا۔ کبک دری کو انداز خرام سکھاتا اور مرغ صبحگاہی کو نغمہ سنجی کا درس دیتا تھا۔ اب اس رنجوری و ناتوانی میں جس سے دوچار ہوں۔ اپنی رفتار ایسی بھولا ہے اور کچھ ایسا سرمہ در گلو ہے کہ اگر کبھی دو تین سطریں لکھنے کا اتفاق ہوتا ہے تو یہ محسوس ہوتا ہے کہ اب قلم ہاتھ میں نہیں صرف قوتِ ناطقہ کی تقطیر ہو رہی ہے۔ گویا خواجہ نظیری نے میری زبان سے کہا ہے:

نہ باگلم نظری نی بصوتم آہنگی
شکستہ بالم و صیاد در کمین دارم

[۱ تا ۱۷]

(۲) برادر خجستہ گہر مرزا علی بخش خان بہادر [رنجور] کو آپ کا سلام پہنچا دیا تھا۔ وہ بھی سلام لکھاتے ہیں، اور سلام کے ساتھ اشتیاقِ ملاقات کا اظہار کرتے ہیں۔ سرور دیدہ و دل غلام فخر الدین خان یہاں موجود نہیں۔ تلاش روزگار میں پنجاب کی طرف گئے ہیں۔ پرسوں ان کا خط ملا تھا۔ اپنی کامیابی کا حال لکھا ہے، اور بتایا ہے کہ شہر قصور میں جو پنجاب میں ہے۔ عدالت فوجداری کے سررشتہ دار ہو گئے ہیں۔ [۱۸ تا ۲۳]

(۳) شرافت و مروت پناہ سید ارشاد حسین صاحب کی خدمت میں میرا سلام پہنچے۔ دراصل مجھے اپنے اوپر غصہ ہے کہ یہ خط لکھا تھا تو اس مخدوم کے نام الگ ایک ورق لکھ کر خط کے ساتھ کیوں نہ رکھا۔ یہاں وہی درماندگی اور عاجزی میری عذر خواہ ہے جس کی کیفیت اس خط کے شروع میں بیان کی ہے۔ از اسداللہ نامہ سیاہ سہ شنبہ ۷ ذیلقعدہ ۱۸۶۵ [کذا] ہجری ۲۵ ستمبر ۱۸۴۹ء [۲۳ تا ۲۸]

تلاشِ غالب

نثار احمد فاروقی، ایک بالغ نظر نقّاد اور ایک باشعور محقق ہیں — اور
ان کی تحریریں اُردو ادب میں ایک ذمہ دارانہ روش کی امین!
تلاشِ غالب میں جن موضوعات پر قلم اٹھایا گیا ہے۔ وہ مندرجہ ذیل ہیں :-

---

POND'S
COLD CREAM
C
POND'S
COLD CREAM
C
POND'S
COLD CREAM

چار دن ساس کے
چار دن بہو کے

یہ ایک قدیم ضرب المثل ہے لیکن ان پریشانیوں سے کہیں زیادہ پریشان کن غیر متوقع حادثات اور مالی نقصانات ہوتے ہیں۔ آپ کے خاندان کی خوشحالی کا راز اپنے جان و مال کے تحفظ میں مضمر ہے پھر کیوں نہ آج ہی اس کا انتظام کر لیجئے دی اسٹینڈرڈ انشورنس سے اپنی ضرورت کے مطابق پالیسی لیجئے۔ آپ دی اسٹینڈرڈ انشورنس کو اپنی خدمت کے لئے ہمیشہ مستعد پائیں گے۔

دی اسٹینڈرڈ انشورنس کی بیمہ پالیسی ذہنی سکون بخشتی ہے۔

آپ کے بہی خواہ

دی اسٹینڈرڈ انشورنس کمپنی لمیٹڈ

ہیڈ آفس :- کاٹن ایکسچینج بلڈنگ میکلوڈ روڈ کراچی ۔ فون :- ۲۳۲۸۷۵ و ۲۳۸۴۰۱

پورے پاکستان میں اس کی شاخیں موجود ہیں۔

زونل آفس :- واپڈا ہاؤس ۔ شاہراہِ قائد اعظم لاہور ۔ فون :- ۶۹۹۹۱/۴۷۷

KHAIRI

فلپس ۲ بینڈ ٹرانزسٹر ریڈیو

فلپس ۳ بینڈ ٹرانزسٹر پورٹیبل ریڈیو

فلپس ۲ بینڈ ٹرانزسٹر پورٹیبل ریڈیو

فلپس ایک بینڈ ٹرانزسٹر پورٹیبل ریڈیو

جوشاندی
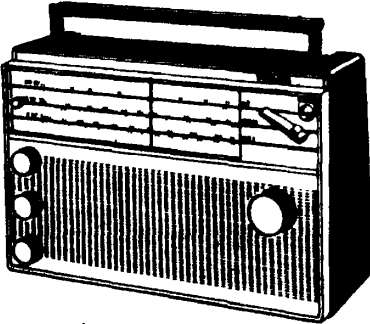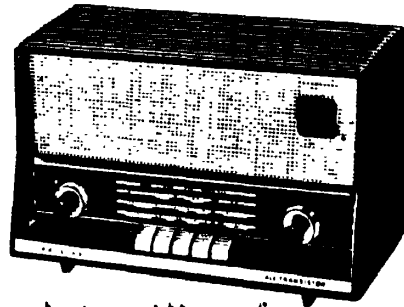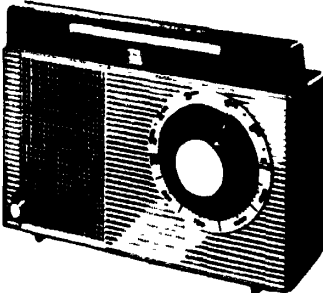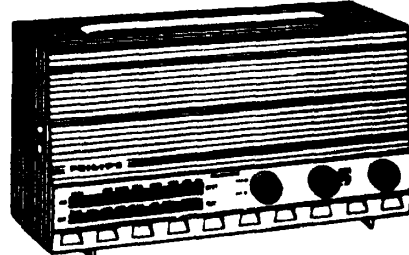
نزلہ زکام کھانسی کی زُود اثر دوا
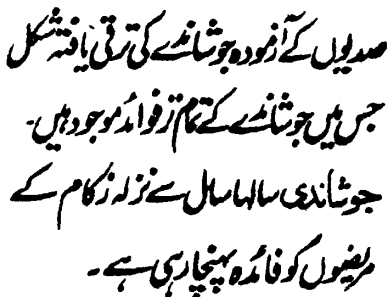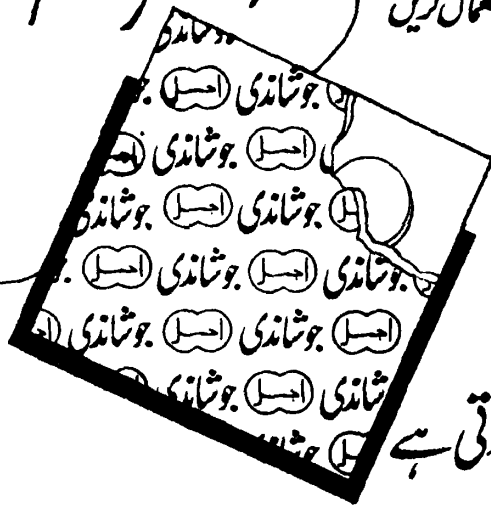
اجمل دواخانہ حکیم اجمل خان لاہور

شاخیں:- کراچی راولپنڈی پشاور

گلیکسوز۔ ڈی آپ کی توانائی کی تعمیر کرتا ہے

گلیکسوز۔ ڈی

ٹریڈ مارک

میں تین خاص اجزا شامل ہیں
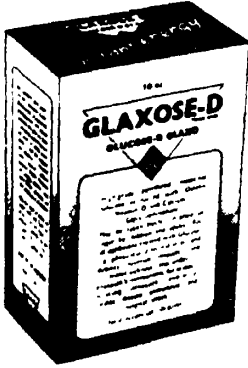
گلیکسوز۔ ڈی ۔ بیماری میں، اور بیماری کے بعد توانائی بخشتا ہے۔ عام حالات میں بھی، دن بھر کے کام کاج سے کھوئی ہوئی توانائی گلیکسوز۔ ڈی کے استعمال سے دوبارہ حاصل کیجئے۔ گلیکسوز۔ ڈی میں گلوکوز، کیلشیم اور وٹامن ڈی شامل ہیں۔

اسے چائے، کافی، دودھ، پانی یا پھلوں کے رس میں گھول کر دن میں دو تین بار پیجئے۔

توانائی بخش گلیکسوز۔ ڈی آپ کو تندرست اور تازہ دم رکھتا ہے۔

GLAXOSE-D

گلیکسوز۔ ڈی نام لیکر خریدیئے

۴ اونس اور ۱۶ اونس کے پیکٹوں میں دستیاب ہے۔
گلیکسو لیباریٹریز (پاکستان) لمیٹڈ۔
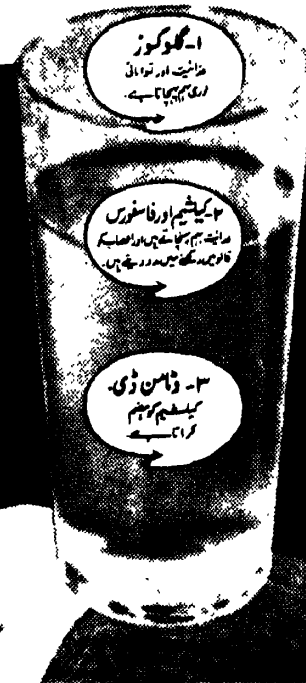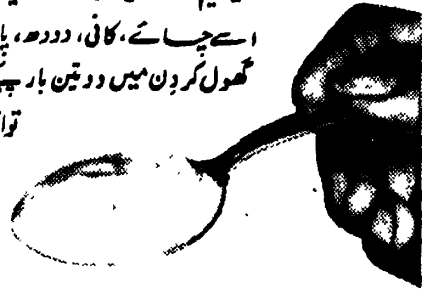
گلیکسوز۔ ڈی سے توانائی کی تعمیر کیجئے

XO.37.195.68 UD.RA

LINTAS 68

صاحبان ذوق کیلئے معیاری پیکنگ
K-2
CIGARETTES
خوبصورت
محفوظ
تازہ
مغربی پاکستان کے ہر بڑے شہر میں
اب دستیاب ہے
pti
تمباکو کی صنعت میں
PREMIER TOBACCO INDUSTRIES LIMITED

جس میں

اسی طرح کی غیر فانی دستاویزیں ہوں گی

وہ فضائی میزبان جن کو
ساری دنیا نے سراہا ہے
اب "پرل روٹ" پر
پرواز کر رہی ہیں
ڈھاکہ بنکاک
منیلا ٹوکیو
(ہفتے میں دو جیٹ پروازیں)

UNITED T P 1/69